ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السبحان

کا

پارہ نمبر ۱

الٓمّٓ

فاضلِ اجل مفسرِ قرآن حضرت العلام مولینا سید عبدالدائم جلالی

مرتب کی ہوئی ہے اسکے جملہ حقوق محفوظ ہیں

پبلشر

toobaafoundation.com

آستانہ عالیہ سٹریٹ نمبر ۱۲۰۶ سوئیوالان راولپنڈی

ہدیہ فی پارہ پچھ روپے

تفسیر بیان البحان

معارف لوح محفوظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

بندۂ خدا دائم جلالی عفی عنہ کہتا ہے کہ علم تفسیر تمام علوم کا سرتاج مقصود و کل راس المال اور غرض اعلیٰ ہے۔ اسی پر کمال ایمان اور معرفت الٰہی موقوف ہے۔ تمام علوم کے حاصل کرنے سے مسلمان کی اصلی غرض یہ ہے کہ کتاب الٰہی کی سمجھ اور دانش پیدا ہو جائے تاکہ صحیح عقائد حق معارف [illegible] اخلاق، اعمال صالحہ اور ادائے حقوق کی صحیح تعلیم حاصل ہو کر انسان کو فلاح دارین اور قرب الٰہی نصیب ہو جائے۔ جسم صاف، روح پاکیزہ، خیالات صحیح، جذبات حمادہ اور وجدانیات میں راستی و درستی پیدا ہو جائے اور رحمت الٰہی شامل حال ہو کر ایک ظلوم و جہول انسان کا دین و دنیا میں بیڑا پار کر دے۔ لیکن علم تفسیر اور صحیح تعلیم قرآن صرف علم نبوت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ سردار دو عالم کی ذات بابرکات ہی کتاب و حکمت کی تعلیم دینے والی، تزکیۂ اخلاق کرنے والی اور لوگوں کو تاریکی سے روشنی میں لانے والی تھی۔ عرب ایک بے آب و گیاہ ملک تھا، نہ نہروں کی شادابی تھی، نہ دریاؤں کی تر و تازگی، نہ زراعت نہ سبزی، خارزار ریگستان تھا پتھر اور ریت تھا۔ پھر اس پر باشندگان عرب کی فلاکت اور نکبت اسباب معیشت کی تنگی، اخلاق کی پستی، کل قوم خانہ بدوش، ذری ذری سی بات پر جنگ و جدال کرنے والی۔ معمولی سی بات پر آدمی کے عزیز ترین خون کو جانوروں کے خون سے ارزاں سمجھنے والی۔ قوی جرگہ کمزور کو کھا جاتا تھا۔ بتوں کی پرستش اور شیطانی اوہام میں کل باشندگان ملک گرفتار تھے جنوں سے فریاد کی جاتی تھی۔ بھوتوں پریتوں کی پوجا مانی جاتی تھیں۔ شعر و شاعری پر ناز تھا۔ ڈھال تلوار سے ایک دوسرے کی تواضع تھی۔ لیکن بایں ہمہ خدائے حکیم نے اس قوم میں عمدہ فضائل اور شمائل کریمہ کا مادہ بھی ودیعت کر دیا تھا۔ صدق طینت، وفاء عہد اور شرافت ذاتی کے ایسے جواہر بے بہا ان کے اندر موجود تھے کہ اولاد اسماعیل کے ایک کروڑ افراد میں کسی کا نسب مخلوط اور غیر خالص نہ تھا۔ [illegible] جانتا کہ معدن جواہر ہے جو خاک آلود جواہر اور زرینہ سے آلود ہوتے ہیں وہ مٹی کے ٹھیکروں سے جن پر چینی کا پالش کر دیا گیا ہو۔ بہر حال [illegible] دتے ہیں۔

اس وقت روم و فارس کی قومیں اپنی نفیس پوشاک، صاف [illegible] چو منزلہ اور سہ منزلہ عمارات اور راحت و آرام کے تمام اسباب کی فراہمی پر نازاں تھیں۔ لیکن سونے کے کان میں ریشم کا ڈورا باندھنے اور ریشم گردن میں جواہر کا پٹہ لٹکا دینے سے کیا حاصل۔ عرب اسی پست تر [illegible] گودڑی کے لعل تھے معلم جہاں نے جب انہی ہدایت والے اور نور ایمان اور روشنی معارف سے آراستہ کیا تو اس وقت جو ہر ذاتی

toobaafoundation.com

کا ظہور ہوا اور چند سال کی مدت میں تمام فاسن اخلاق سے آراستہ ہو کر کل عالم کے لئے ہادی کامل بن گئے۔ یہ انھیں کے نفوس قدسیہ کی کوششوں کا طفیل ہے کہ ہم تک قرآن کریم پہونچا۔ اور ہم کو راہ حق معلوم ہوئی۔ لہذا ہم کو انہی کی پیروی کرتے ہوئے قرآن مجید کے معارف جاننا اور کلام پاک کی تفسیر سمجھنا فرض قطعی ہے۔ اور چونکہ صحابہ کرام کی تفسیریں اور علوم قرانیہ کی تعلیم ہم تک بواسطہ تابعین وتبع تابعین وغیرہ کے پہونچیں اور تابعین وغیرہم نے ہی صحابہ کے چراغ معرفت سے روشنی کا اقتباس کیا تھا۔ اور انہی کے ذریعہ سے اس روشنی نے ہمارے دلوں کو منور کیا۔ اس لئے قرآن کی تفسیر سمجھنے کے لئے ہم کو انہی حضرات مؤلفین ومفسرین کی مدون کردہ تالیفات اور تفسیریں پیش نظر رکھنی لازم ہیں بحمداللہ میں نے اپنی اس تفسیر کی تالیف میں اکابر ائمہ کی تفسیروں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور انہی سے اقتباس کیا ہے۔ لیکن آیت کا مطلب بیان کرنے کے بعد دو باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔ (۱) نکات قرآنی بیان کئے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید اس متکلم کا کلام ہے جو حکمت وفصاحت کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کا کلام تمام رموز حکمت وفصاحت اور نکات معرفت کا سرچشمہ ہے۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ ہم بقدر امکان غور کرکے اس کے سربستہ راز سمجھنے اور جان لینے کی کوشش کریں۔

(۲) مقصود بیان بھی ہر آیت یا چند آیات کے مجموعہ کے بعد ظاہر کیا گیا ہے۔ تاکہ سلفی نظر رکھنے والا طبقہ جو زبان عربی سے واقف نہیں اس کو معلوم ہو جائے کہ کلام پاک کی اس آیت یا مجموعہ آیات سے حاصل اور نتیجہ کیا نکلا ہم کو قرآن اس آیت میں کیا تعلیم دینی چاہتا ہے۔ اور ہم کو اس سے اصلاح عقائد، درستی اخلاق اور تکمیل انسانیت کے قوانین کا کس حد تک استنباط کرنا چاہئے۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

تنبیہ تفسیر شروع کرنے سے پہلے اس امر کو بھی جان لینا ضروری ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک قرأت سے پہلے تعوذ پڑھ لینا سنت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مطلب یہ ہے کہ جب تلاوت قرآن کا ارادہ کرے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ لینا چاہئے۔

تعوذ پڑھنے کے متعلق حدیث میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھ کر نماز شروع کرتے تو اول تکبیر کہتے۔ پھر سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ فرماتے۔ پھر تین بار لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہتے۔ پھر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ۔ پڑھتے تھے۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

حضرت جبیر بن مطعم رضؓ کی روایت اس طرح ہے کہ حضور اقدس صلعم جب نماز میں داخل ہوتے تو تین مرتبہ اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا اور تین بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا اور تین دفعہ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا فرماتے۔ پھر اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ۔ پڑھتے تھے (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

حضرت ابوامامہ باہلی رضؓ کی روایت میں ہے کہ حضور والا جب نماز کو کھڑے ہوتے تو تین بار تکبیر کہتے پھر تین بار لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور تین بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فرماتے پھر ایک بار اَعُوْذُ [illegible] مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ۔ فرماتے تھے۔ (احمد)

اس کے علاوہ اور بہت احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قرأت [illegible] سے قبل تعوذ پڑھنا سنت ہے۔

toobaafoundation.com

تعوذ پڑھنے میں ایک نکتہ عقلی یہ ہے کہ جو کچھ آدمی منہ سے لغو اور بیہودہ کلمات بکتا ہے اس سے منہ کی طہارت ہو جاتی ہے پھر اس میں خدا کے برتر سے استقامت، قدرت کاملہ کا اظہار اور اپنی عاجزی کا اقرار بھی ہے اور اس بات کا صریحی اقبال ہے کہ مجھ کو اس دشمن باطنی یعنی شیطان سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے میں اس کے مقابلے کے لئے تجھ سے پناہ جوئی کرتا ہوں میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میرے دل کو اس خبیث دشمن سے محفوظ رکھ تاکہ میرا قلب مردہ نہ ہو جائے کسی دوسرے کافر دشمن کا مارا ہوا شہید ہوتا ہے۔ لیکن اس مردود دشمن کا مارا ہوا مردود ہوتا ہے بس تیری ہی پناہ کا خواستگار ہوں۔ اب میں خدا سے مدد کی خواستگاری کر کے تفسیر شروع کرتا ہوں۔

قرآن مجید کے اسماء صفتی

قرآن۔ وحی۔ عربی۔ علم۔ حق۔ عجب۔ صدق۔ مجید۔ زبور۔ نذیر۔ بلاغ۔ امر۔ صحف۔ مثانی۔ فصل۔ قیم۔ حبل۔ حکیم۔ علی۔ ذکر۔ شفاء۔ رحمۃ۔ نور۔ کلام مبین۔ کتاب کریم۔ ھدی۔ فرقان۔ موعظۃ۔ مبارک۔ حکمۃ بالغۃ۔ مھیمن۔ قول۔ نباء عظیم۔ تنزیل۔ احسن الحدیث۔ متشابہ۔ مرفوعۃ۔ مطہرۃ۔ مکرمۃ۔ قصص۔ عزیز۔ بشیر بشیر۔ منادی۔ عدل۔ تذکرۃ۔ ھادی۔ بیان۔ بصائر۔ روح۔ صراط مستقیم۔ العروۃ الوثقیٰ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے ہے جو نہایت بخشش والا بڑا مہربان ہے

شیخ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ سورۂ نمل کے علاوہ قرآن میں جو بسم اللہ ہے وہ جزو قرآن ضرور ہے لیکن سورۃ کا جز نہیں ہے۔ بلکہ ہر سورۃ کو دوسری سورۃ سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے ذکر کی گئی ہے۔ ہاں سورۂ نمل میں جو اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آیا ہے وہ سورۃ کا جز ہے۔ کیونکہ سنن ابوداؤد میں باسناد صحیح بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کا فصل نہیں پہچانتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی۔ داؤد ظاہری شیخ جصاص، اور ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ اور یہی مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

حدیث مذکور کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز نہیں ہے بلکہ مستقل آیت ہے مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کو اپنے اور بندے کے درمیان نصفا نصف قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں بسم اللہ کو شمار نہیں کیا گیا ہے اگر بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جز قرار دیا جائے گا تو نصفا نصف تقسیم نہ ہوگی۔ مزید برآں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم جہریہ نمازوں میں سورۂ فاتحہ جہر سے پڑھتے تھے اور بسم اللہ کو جہر سے نہ پڑھتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بسم اللہ جز فاتحہ نہیں۔ ورنہ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک آیت تو سری پڑھی جائے اور باقی سورۃ جہر کے ساتھ پڑھی جائے۔ بسم اللہ کو جہر کے ساتھ

toobaafoundation.com

نہ پڑھنا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ اور سفیان ثوریؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔

بسم اللہ کے فضائل نظیہ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ کے متعلق استفسار کیا حضور نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے اس قدر قریب ہے جیسے آنکھ کی سفیدی اور سیاہی میں قرب ہے۔ (ابن حاتم و ابن مردویہ)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عیسیٰ ابن مریم کو ان کی والدہ نے معلم کے سپرد کیا معلم نے حضرت عیسیٰ سے کہا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔ حضرت عیسیٰ نے کہا بسم اللہ کیا چیز ہے؟ معلم نے کہا مجھے علم نہیں حضرت عیسیٰ نے کہا ب سے مراد بہاء الٰہی ہے اور س سے مراد سناء الٰہی۔ اور م سے مملکت الٰہی یعنی اللہ سب کا معبود و مالک ہے دین و دنیا میں کافروں اور مسلمانوں پر رحم کرنے والا ہے۔ اور آخرت میں صرف مسلمانوں پر رحیم ہے۔ (ابن جریر ابن مردویہ)

حضرت بریدہؓ کی روایت میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو سوائے سلیمان علیہ السلام کے کسی پیمبر پر نازل نہیں ہوئی اور وہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے

حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ جو شخص انیس زبانیہ یعنی عذاب کے فرشتوں سے بچنا چاہتا ہو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کرے۔ تاکہ بسم اللہ کے ہر حرف کی وجہ سے خدا تعالیٰ اس کو عذاب کے ایک فرشتے سے محفوظ رکھے۔ (اس اثر کو ابن عطیہ اور قرطبی نے ذکر کیا ہے۔)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو ہر کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جاتا ہے وہ ناقص و ناتمام رہتا ہے یعنی اس میں برکت نصیب نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ بظاہر مکمل ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ و ابن رہاوی و ابن صلاح و نووی وغیرہ)

بسم اللہ کا مطلب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا مطلب یہ ہے کہ میں اس خدائے بزرگ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں جو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تمام عالم کا موجد اور پیدا کرنے والا ہے۔ واحد و یکتا ہے۔ کیف، کم، ہیئت، زمان، اور مکان سے پاک ہے۔ اس نے ہم کو پیدا کیا۔ روحانی اور جسمانی نعمتیں اپنی رحمت سے عطا کیں۔ اس کا فیض عام ہے۔ چرند۔ پرند۔ درند۔ کافر و مسلم زندیق و موحد سب اس کے خوان کے پروردہ ہیں۔ لیکن آخرت میں اس کی نعمتوں سے فیضیاب ہونے والے اور رحمت عامہ سے فائدہ اٹھانے والے صرف موحد خدا پرست اور مسلمان ہوں گے کافروں کو اس روز اس کے دامن رحمت میں پناہ نہیں ملے گی دنیا میں رحمت عمومی ہے اور آخرت میں خصوصی۔

نکات (۱) جس طرح ذات خدا بابرکت ہے اسی طرح اس خدائے قدوس کا نام بھی متبرک ہے۔ اسی وجہ سے باللہ نہیں کہا بلکہ بسم اللہ فرمایا۔

toobaafoundation.com

(۲) اس آیت میں تین لفظ بیان کئے ہیں۔ اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ اس کا نکتہ یہ ہے کہ ہر شخص کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ اوّل وہ زمانہ جب اس کی روح بالکل آزاد تھی۔ جسم اور اس کا کوئی ذرّہ عالم ہستی میں نہیں آیا تھا۔ بلکہ عالم امر میں ہر شخص کی روح اس مادی کثافت سے علیحدہ شاداں و فرحاں بہایت مسرت و خوشی کے ساتھ نور محض کے درجے پر تھی۔ پھر یہ زمانہ آیا کہ اس نور محض کو اس قفس عنصری اور مادی قید میں بند کر دیا گیا۔ اس کے واسطے کھانے پینے کی ضروریات اور اصول وجود کے اعتبار سے تمام حوائج لازم قرار پائے۔ سوم وہ زمانہ جب کہ مرنے کے بعد یہ روح آزاد ہوگی۔ اور جس قدر اس میں جسمانی کثافت اور مادی آلائش کا اثر ہوگا اتنا ہی اس پر عذاب اور قرب الٰہی سے دُوری ہوگی۔ یہ تین حالتیں ہر انسان کی ہیں۔ پہلے لفظ اللہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ موجود کو معدوم کرنے والا اور نعیمت کو ہست کرنے والا ہے۔ اس کی ذات تمام عیوب سے پاک ہے کسی قسم کا نقصان اور خرابی اس کی ذات جامع صفات میں نہیں ہے۔ اس کے بعد لفظ رحمٰن ذکر کیا اس سے یہ مراد ہے کہ خدائے برتر جس طرح عالم کا خالق اور موجد ہے اسی طرح تمام عالم اپنے بقا میں بھی اسی کا محتاج ہے۔ وہ دنیا کے ہر ذرہ کی پرورش کا ذمہ دار ہے۔ اس کے دامن رحمت میں کائنات عالم کے ہر فرد کو پناہ دینے کی گنجائش ہے۔ اس کی رحمت عامہ جس طرح آسمانوں پر ہے اسی طرح زمین کے نیچے بھی ہے۔ قعر سمندر کے اندر چھوٹا سا آبی جانور جس طرح اس کے خوان کرم سے بہرہ اندوز ہے اسی طرح پہاڑوں کی سب سے اوپری چوٹیوں پر بھی کوئی ہستی اس کے کرم سے محروم نہیں۔ کافر بھی اسی کے خرمن کا خوشہ چیں ہے اور مسلمان بھی اسی کا دست نگر۔ پھر قیسے دینے پر لفظ رحیم ذکر کیا۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں یعنی اس سادی زندگی کے بعد بھی لوگ اس کے محتاج ہوں گے۔ وہاں بھی اس کی رحمت ان کے شامل حال ہوگی۔ توحید پرست طبقہ وہاں بھی اس کے کرم سے فیضیاب ہوگا۔ اپنے بندوں کی فروگذاشتیں اور لغزشیں وہی معاف فرما کر اپنے قرب میں جگہ عنایت فرمائے گا۔

(۳) نمونۂ دنیا کا دستور ہے اور ایک عام رواج ہے کہ کسی کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کرنے کے صرف دو اسباب ہوتے ہیں۔ یا تو اس کی طرف سے تکلیف و ضرر رسانی کا اندیشہ ہوتا ہے جو اطاعت گذاری پر مجبور کرتا ہے۔ یا اس سے کوئی لالچ اور حصول منافع کی طمع وابستہ ہوتی ہے۔ جو فرمانبرداری کا باعث بنتی ہے۔ اور اگر دونوں باتیں یعنی طمع و خوف اکٹھے ہیں تو وہاں فرمانبرداری کے ساتھ محبت بھی ہوتی ہے کیونکہ صرف خوف، دہشت و نفرت کا سبب ہے۔ اور محض امید جرأت و بے باکی کا ذریعہ ہے خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے جلال ذاتی سے ڈرانا اور رحمت صفاتی کا امیدوار بنانا چاہتا ہے۔ لفظ اللہ کے ذکر کرنے سے جلال جبروتی اور ہیبت غیر متناہی کا اظہار مقصود ہے۔ اور رحمٰن و رحیم سے ترغیب و طمع کی طرف اشارہ ہے۔ اور قیدوں کے مجموعہ کے ذکر کرنے سے یہ مطلب ہو گیا کہ بندہ کو خدا و ند تعالیٰ سے خوف و امید رکھ کر خالص دل سے خدا تعالیٰ کی محبت فطری اپنے دل میں رکھنی چاہئے اور درجہ بدرجہ ترقی کر کے عشق و محبوبیت کے درجے پر پہونچنا چاہئے۔

(۴) دنیا میں انسان دو طرح کے ہیں ایک تو وہ خالص محبت رکھنے والا طبقہ ہے جو بغیر کسی ... طمع کے صرف خدائے قدوس کا نام سنکر خیالات ماسوا اپنے دماغ سے نکال دیتا ہے۔ اور بلا لحاظ رحمت و غضب صرف محبت ذاتی اس کو اطاعت الٰہی پر مجبور کرتی ہے۔ بلکہ احساس محبت کبھی اس کو نہیں رہتا۔ صرف محبوبیت اور فنا فی الذات ہی اس کے ذوق کے لئے کافی ہوتی ہے ایسے لوگوں کے لئے تو لفظ اللہ کا ذکر کافی سمجھا گیا۔ کیونکہ اللہ اس جامع صفات ذوالجلال کی ذات گرامی کا مخصوص نام ہے جس کی

toobaafoundation.com

ذات میں محویت و فنا عارف کا مقصود اصلی ہے۔ دوسرے طبقہ میں وہ انسان ہیں جو ذات محض کے ساتھ محبت ذاتی نہیں رکھتے بلکہ ان کی محبت صفاتی ہوتی ہے یعنی ان کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں کے حصول کی امید ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ جلال کبریائی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اس طبقے کے لئے لفظ رحمٰن و رحیم ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) رحمت کے دو حصے یا دو شاخیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ ہر چیز کی ضروریات اور حاجات پوری کر دی جائیں۔ اسباب حیات و بقاء حیات مہیا کر دیئے جائیں۔ جو جو مرغوب اشیاء ہیں وہ اس کو دیدی جائیں۔

دوسری وہ رحمت ہے جس میں تمام مخالف اور مزاحم اشیاء کو دُور کر دیا جاتا ہے۔ مقصد کے خلاف جو جو امور ہوتے ہیں ان کو دفع کر دیا جاتا ہے گویا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ درحقیقت رحمت کبیرہ رحمت کبیرہ مقدم الذکر رحمت ہے۔ اور موخر الذکر رحمت ابر ہے۔ یا رحمت کبیرہ کے شرائط میں داخل ہے۔ خدا تعالیٰ نے پہلے معنی کی طرف لفظ رحمٰن سے اشارہ کیا اور دوسرے معنی کی طرف لفظ رحیم سے۔

مقصود بیان

ہر چیز میں مؤثر حقیقی صرف خدا تعالیٰ ہے۔ اور اس کا وجود تمام عالم کے لئے موجد اور علت بقا ہے خدا تعالیٰ نے ہی تمام عالم کو پیدا کیا ہے وہی تمام عالم کی ہستی و نیستی کا مالک ہے۔ اس میں کوئی عیب و نقصان نہیں۔ وہ تمام عالم پر رحم کرنے والا ہے۔ مسلمان کو ہر کام میں اسی کا نام برکت کے لئے لینا چاہئے۔ اس سے ہر کام میں مدد کی التجا کرنی چاہئے۔ خدا تعالیٰ کا مخلوق کے پیدا کرنے سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں۔ بلکہ مخلوق کو پیدا کرنا اور عمر طبعی تک پہونچانا، اس کے رحم و شفقت کا ایک مظاہرہ ہے۔ انسانوں کو چاہئے کہ ایک دوسرے پر رحم کریں۔ غریبوں پر امیر مظلوموں پر حاکم بیکسوں پر بادشاہ مہربانی کریں۔ اگر کسی کو فائدہ پہونچائیں تو عوض ملنے کی امید نہ رکھیں۔ بلکہ محض خوشنودی خدا کے لئے صفت رحم کو کام میں لائیں خدا تعالیٰ کے جلال کبریائی سے خوف کرنا اور جمال صفاتی کی امید رکھنی چاہئے۔ خدا کو واحد و یکتا جامع صفات کمالیہ جاننا اور صفات نقصان سے پاک سمجھنا چاہئے۔ وغیرہ۔

سُورۃ الفاتحہ

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں سات آیات، ۲۵ کلمات اور ۱۲۶ حروف ہیں۔ سورۃ فاتحہ کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

سُورۃ الحمد۔ ام الکتاب۔ فاتحۃ القرآن۔ السبع المثانی۔ وافیہ شافیہ۔ رقیہ۔ نور۔ سورۃ الصلوٰۃ۔ سورۃ السوال۔ سورۃ تعلیم المسئلۃ۔ سورۃ الحمد الاولیٰ۔ سورۃ الحمد القصریٰ۔ سورۃ المناجاۃ۔ سورۃ التفویض۔ سورۃ الدعاء۔ الصلوٰۃ۔ الکنز۔ الشفاء۔ کافیہ۔ اساس سورۃ الشکر۔ ام القرآن۔ قرآن عظیم

فضائل سورۂ فاتحہ

امام احمد، امام بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بروایت ابوسعید بن معلیٰ بیان کیا ہے کہ ایک روز میں نماز

toobaafoundation.com

پڑھ رہا تھا۔ یکایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی۔ میں نماز تمام کر کے خدمت گرامی میں حاضر ہوا، ارشاد فرمایا ابو سعید تمہارے لئے حاضری سے کونسا امر مانع ہوا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا کیا خدا تعالیٰ نے تم کو میرے حکم کی تعمیل کے وجوب کے لئے ارشاد نہیں فرمایا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ پھر فرمایا کہ مسجد سے باہر جانے سے قبل میں تم کو قرآن کی اعظم سورۃ بتاؤں گا۔ اس کے بعد حضور والا میرا ہاتھ پکڑے ہوئے باتیں کرتے چلے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں تجھ کو قرآن کی ایک بزرگ ترین سورۃ بتاؤں گا۔ فرمایا ہاں وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔ جو مجھ کو عطا ہوا ہے۔

حضرت ابی ابن کعب کی روایت بھی اسی طرح ہے لیکن اس میں اتنا زائد ہے کہ حضور نے فرمایا میں تجھ کو ایسی سورۃ بتاؤں گا جس کی مثل تورات انجیل بلکہ قرآن میں بھی نازل نہیں ہوئی۔

امام احمد نے حضرت جابر رضؓ کی روایت نقل کی ہے۔ جابر رضؓ فرماتے ہیں ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پیشاب سے فارغ ہوئے تھے۔ میں نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔ حضور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے دوبارہ کہا، السلام علیک یا رسول اللہ۔ حضور نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ میں نے سہ بارہ پھر یہی عرض کیا۔ پھر بھی آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر حضور ایک طرف کو چل دیئے۔ میں پیچھے پیچھے ہو لیا حضور مکان میں پہونچ کر اندر تشریف لے گئے۔ اور میں مغموم مسجد میں آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں سرکار دو عالم اطہارت کر کے باہر تشریف لائے اور فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پھر فرمایا جابر! کیا میں تجھ کو قرآن کی بزرگ ترین سورۃ بتاؤں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ضرور فرمایئے۔ ارشاد فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھا کرو۔

شانِ نزول

شروع شروع جب سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحرا کی جانب تشریف لے جاتے تو یا محمدؐ کی آواز کان میں آتی۔ حضورؐ اوپر نظر اٹھا کر دیکھتے تو زمین و آسمان کے بیچ میں عرش تخت پر ایک نورانی شخص بیٹھا ہوا نظر آیا کرتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حضورؐ خوف زدہ ہو کر واپس آجایا کرتے تھے۔ چند بار ایسا ہونے پر حضورؐ نے سارا قصہ حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے جو توریت کے ماہر اور زبردست عالم تھے ذکر کیا۔ ورقہ نے تسلی دے کر کہا کہ اے محمدؐ! تم خوف نہ کرو۔ بلکہ کان لگا کر سنو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس کے بعد جب حضورؐ صحرا کو تشریف لے گئے اور حسب دستور یا محمدؐ کی آواز کان میں آئی تو حضورؐ نے لبیک کہا اور سنا کہ کیا آواز آتی ہے۔ آواز آئی اے محمدؐ! میں جبرئیل خدا کا فرشتہ ہوں اور آپ اس اُمت کے نبی ہیں اول کہو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اب پڑھو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [1]

(دلائل النبوۃ۔ بیہقی وراعی)

---

[1] بعض صحیح روایت میں آیا ہے کہ سب سے پہلے غار حرا میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ مکی نازل ہوئی۔ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

toobaafoundation.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

ہر تعریف اللہ ہی کو زیبا ہے جو تمام جہان کا موجد مربی نہایت مہربان رحیم ہے روزِ جزا کا مالک ہے۔

تفسیر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی ہر قسم کی تعریف و ثنا ازل سے ابد تک جہاں کہیں اور جب کبھی اور جس طور پر ہو یا ہو سکتی ہو سب حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے اور ہر حمد و شکر کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا کسی مخلوق کو یا کسی بنائے ہوئے معبود کو بالکل دخل نہیں ہے۔ کیونکہ وہی تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ ہر محسن اور ہر خوبی اس کے احسن موجود ہے۔ اس کا علم وجود قدرت اکمل و افضل و اقویٰ ہے اور چونکہ اس کے علم کی طرح کسی کا علم نہیں اور اس کے وجود کی مثل کسی کا وجود نہیں۔ اور اس کی قدرت کی مانند کسی کو قدرت نہیں۔ اگر کسی میں صفت۔ علم و قدرت یا وجود یا مادّہ ایجاد ہے بھی تو وہ درحقیقت اسی کا عطیہ ہے۔ حقیقت میں وہی موجود ہے۔ وہی علیم و معلم ہے۔ وہی قادر و قدرت بخش ہے۔ تمام عالم پرتو خلق ہے۔ اسی کا وجود حقیقی ہے۔ تمام دنیا حادث و ممکن ہے۔ وہی قدیم و واجب ہے۔ اس لیے وہی ہر حمد و ستائش کا مستحق ہے۔ خواہ وہ ستائش زبان سے ہو یا دل سے ہو یا دماغ سے ہو یا عبادتِ جسمانی سے ہو یعنی زبان سے یا دل سے یا ارکان سے۔ بہر حال اسی کو ہر حمد و شکر زیبا ہے۔ اس کے آگے ارشاد ہے:۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ درحقیقت پہلے دعوے کی دلیل نما صفت ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی قابلِ ستائش اور لائقِ عبادت کیوں ہے۔ اس لیے کہ اسی نے تمام عالم کو پیدا کیا۔ عدم سے وجود میں اور تاریکی سے روشنی میں لایا۔ جانِ عزیز عطا فرمائی۔ لاکھوں نعمتیں جسمانی اور روحانی عطا فرمائیں۔ بلا استحقاق گوناگوں انعام سے سرفراز فرمایا۔ اسبابِ طاعت مہیا فرمائے اور مزید احسان یہ کیا کہ انبیاء و رسل ہدایت کے واسطے بھیجے۔ لہٰذا وہی قابلِ حمد اور لائقِ پرستش ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسی نے ہم کو نعمتِ وجود سے سرفراز فرمایا۔ جسمانی ترقی تدریجاً عطا فرمائی اور روحانی روشنی کے ذرائع بھی مہیا کیے۔ لہٰذا ہمارا جسم اور ہمارا روح اسی کی مرہونِ منت ہوئی۔ اس لیے اسی کی تعریف و عبادت بہر کیف ہم پر واجب ہے۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے:

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ رب العالمین کی دلیل ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کے مربی موجد ہونے اور درجۂ کمال کو پہنچانے کا ثبوت کیا ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ وہ دنیا میں ہر چرند، پرند، درند پر رحم کرنے والا ہے اور سرکش، جاہل انسان کی بداعمالیوں، فضول اٹکلیوں اور افترا پردازیوں کے باوجود اس نے اپنی ظلِ عاطفت کو تنگ نہیں کیا۔ کسی کو اس کے شرک کفر یا گناہ کے عوض اپنی رحمتِ عامہ سے مایوس و محروم نہیں کیا، خلعتِ وجود کسی کے بدن سے اس کے جرم کی پاداش میں نہیں اتارا، کسی کا رزق بند

(بقیہ حاشیہ) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض جلیل القدر صحابہ کی روایات سے بھی منقول ہے۔ پوری تفصیل ہم نے سورۂ اقرأ کی شانِ نزول کے بیان میں لکھ دی ہے۔ مختلف روایات میں موافقت پیدا کرنے کے لیے علماء نے لکھا ہے کہ سورۂ اقرأ صدر سے علم تک سب سے پہلے نازل ہوئی یہی سورتوں میں سب سے پہلے پوری سورت سورۂ الحمد اتری۔

toobaafoundation.com

نہیں کیا اور فرمانبرداری کی جزا، علاوہ فلاح دنیوی کے آخرت میں بھی عقیدت کیش اور توحید پرستوں کو عطا فرمانے کا وعدہ کیا جس کو یقیناً وہ ہر حرمت فرمائے گا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس کے رب العالمین ہونے کا ہو سکتا ہے۔ اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے:

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یہ الرحمٰن الرحیم کا ثبوت ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے دنیا میں جو نعمتیں عطا فرمائیں وہ تو ہر شخص کافر ہو یا موحد، دیوانہ ہو یا فرزانہ، بچہ ہو یا بوڑھا، سب جانتے ہی ہیں آخرت میں بھی وہ اپنے فرمانبرداروں اور اطاعت شعاروں کو ثواب بے حساب عطا فرمائے گا اور ایمان والوں کو اپنے قرب خاص میں جگہ مرحمت فرمائے گا۔ کیونکہ وہی روز جزا کا مالک ہے جو چاہے گا کرے گا اور جس طرح احکام نافذ فرمائے گا کوئی روک ٹوک نہ کر سکے گا۔ وہی مختار کامل ہوگا جس طرح دنیا میں صفت ربوبیت اس کے لیے مخصوص ہے اسی طرح آخرت میں بھی وہ قادر مطلق اور مختار علی الاطلاق ہوگا اور ہر قسم کی جزا دینے پر قادر ہوگا۔

آیات مذکورہ کے معنی اور سلسلۂ ارتباط بیان مذکور کے بالکل برعکس بھی مفسرین نے لکھا ہے۔ یعنی مابعد کو ماقبل کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ خدائے برتر جامع صفات کمالیہ کا نام ہی استعانت اور تبرک کے لائق ہے اور وہی تمام صفات و محاسن کا جامع ہے، اس لیے ہر قسم کی حمد خواہ قولی ہو یا فعلی یا تصوری اسی کے لیے موزوں ہے اور وہی عظیم قدیر اللہ واحد یکتا اور تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے وجود و صفات میں کوئی شریک نہیں۔ اس لیے وہی تمام عالم کا موجد مربی اور جسمانی اور روحانی ترقیاں دے کر درجۂ کمال کو پہنچانے والا ہے۔ عالم کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے وجود اور بقاء وجود میں اس کا محتاج ہے اور چونکہ وہی موجد مربی ہے۔ اس لیے دین و دنیا میں ہر بڑی چھوٹی نعمت ہر شخص کو اسی کے رحم و کرم سے ملی ہے اور ملے گی اور چونکہ وہی نعمتوں کا دینے والا اور باقی مخلوق پر رحم کرنے والا ہے۔ اس لیے اسی کو روز آخرت میں جزا و سزا کا استحقاق ہے۔ وہی روز قیامت کا بلا شریک و معاند مالک و مختار ہے۔

مکائنات انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ نظریہ اور عملیہ ان دونوں کی اصلاح کا نام ہدایت، نجات، سعادت اور فلاح ہے۔ لیکن ان قوتوں کی خرابی کثافت اور تاریکی کا نام گمراہی، شقاوت، بدبختی، عذاب سرمدی، الم روحانی اور بربادی ہے۔ رہی یہ بات کہ ان قوتوں کی اصلاح کیونکر ہو۔ تو قبل ان امور کو جان لینے کی ضرورت ہے، جن کی وجہ سے یہ قوتیں تباہ و برباد ہو کر عذاب سرمدی، الم روحانی اور شقاوت میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ ان قوتوں کی تباہی کے آٹھ اسباب ہیں:

(۱) خدا کے وجود کا انکار یا اس کے صفات کمالیہ کے ثبوت کا انکار یا کائنات عالم میں سے کسی چیز کو وجود میں مستقل اور خدا سے غنی جاننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ کائنات سے کوئی چیز بھی از خود پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک طبیعت کا تصرف قائم رہتا ہے اس چیز کا وجود ہماری نظروں کے سامنے رہتا ہے، لیکن جب یہ تصرف ختم ہو جاتا ہے اور طبیعت حفظ مرحود چھوڑ دیتا ہے تو وہ چیز ہماری نظروں سے غائب ہوتی ہے، لیکن واقع میں اس کا وجود رہتا ہے۔ جس طرح کہ زنجیر کا گول گھیرا جس کی ہر کڑی دوسری سے وابستہ ہو اور اس کا گول چکر ہو تو جملہ ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے ہم اس کو موجود سمجھتے ہیں اور جو نظروں سے غائب ہو جاتا ہے ہم سمجھتے ہیں وہ فنا ہو گیا۔ حالانکہ اس زنجیر کی کہیں سے نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اس کی کوئی کڑی مرتی ہے نہ زندہ ہوتی ہے بلکہ نظر کے سامنے آجاتی ہے یا نظر سے غائب ہو جاتی ہے اور زنجیر کے اس رائرہ کی یہ حرکت طبعی اور وعدہ بخیر ہو

نہ کوئی اس کا محرک ہے نہ فاعل۔ نہ کوئی خدا ہے نہ خدا کی کوئی صفت۔

(۲) خدا کے وجود اور اس کے صفات کا تو اقرار ہو اور اس بات کا بھی اقبال ہو کہ خدا خالق ہے۔ عدم سے وجود میں لانے والا اور نیست سے ہست کرنے والا ہے، لیکن مخلوق کو پیدا ہونے کے بعد خالق کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کی زندگی کے جس قدر شروط و ذرائع تھے وہ سب موجود ہو گئے اب خدا کو اس کے بقاء وجود میں کیا دخل ہے گویا مطلب یہ کہ خدا خالقِ وجود تو ہے لیکن بقاءِ وجود میں کسی شے کو اس کی ضرورت نہیں۔

(۳) خدا ضرور موجود ہے۔ صفاتِ کمال سے متصف بھی ہے، لیکن بعض چیزیں اور بھی ازلی ابدی ہیں مستقل وجود رکھتی ہیں۔ ان کو الوہیت کے کچھ اختیارات حاصل ہیں، مثلاً آگ، پانی، ہوا، زمانہ، روح، مادہ وغیرہ۔

(۴) خدا موجود ہے واحد ہے رازق ہے، خالق ہے۔ اس نے ہماری تربیت بھی کی ہے اور کرتا بھی ہے لیکن کبھی وہ بخیل بھی ہو جاتا ہے۔ ظلم و حق تلفی بھی کر لیتا ہے۔ اس لیے ہم کو اس سے محبت نہیں ہم اس کے فرستادوں سے دشمنی کرنے پر مجبور ہیں اور ان کے بتائے ہوئے راستہ کی خلاف ورزی کرنے کا ہم کو حق ہے۔

(۵) خدا و انبیاء کا اقرار ہو، لیکن حشرِ جسمانی، عذاب ثواب، اعمال کی جسمانی سزا جزا کا انکار ہو۔

(۶) خدا، انبیاء، روزِ قیامت اور روزِ قیامت کی جزا سزا اور حشرِ جسمانی کا اقرار ہو۔ لیکن بعض اشخاص کی نسبت یہ عقیدہ ہو کہ یہ ہماری شفاعت کریں گے خدا سے مقابلہ کر کے ہم کو نجات دلا دیں گے۔ خدا کو عذاب نہ دینے دیں گے۔ اس لیے ہم ان کو خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک کہتے ہیں۔

(۷) خدا کی توحید، رسالت کی حقانیت، قیامت کی واقعیت حشر نشر، جنت، دوزخ اور حساب کتاب کی صحت کا یقین ہے لیکن ہماری زبان اور ہاتھ پاؤں احکامِ خدا کی تعمیل کرنے سے قاصر ہیں۔ نیکی کی بجائے بدی اور بھلائی کی جگہ ہم برائی کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم اپنی زبان اور اعضائے جسمانی سے مجبور ہیں۔ خدا نے ہم کو کیوں ایسے اعضاء دیے جو ہمارے قابو میں نہیں کیوں ہم کو ایسی قوتِ غضبیہ اور شہوانیہ عطا کی جس کو ہم روک نہیں سکتے۔

(۸) خدا نے ہم کو سب کچھ ٹھیک اور درست عطا کیا لیکن قصور یہ صرف ہمارا ہے کہ زبان سے ہم جھوٹ، فحش اور کفریہ کلمات بکتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں سے امورِ حرام یا مکروہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ ہیں قوتِ نظریہ و عملیہ کی خرابی اور الم روحانی کے اصولِ ثمانیہ۔ اب ان کا علاج کس طرح پر ہونا چاہیے اور اس کے اصلاح و درستگی کی کیا شکل ہے۔ کونسا طریقہ ایسا اختیار کیا جائے جس سے ہماری یہ دونوں قوتیں صحیح اور درست ہو جائیں۔ کیونکہ عالم میں ہر مذہب اور روشن ہوش رکھنے والا اسی کا مدعی ہے کہ ہمارا پیش کردہ نظریہ ہی اصلاحِ نفس کا بہترین اور واحد ذریعہ ہے۔ پھر ہم کونسی راہ اختیار کریں۔ تو اوّل الذکر عقیدہ کی تردید کی تو خدا تعالیٰ نے یہ صورت بتائی کہ تم اپنی روحانی، جسمانی، وہبی اور کسبی قوتوں سے اُس خدائے واحد لاشریک کی ستائش کرو جو وجود واحد رکھتا ہے۔ اپنے صفات میں کمال رکھتا ہے۔ سب کا خالق موجد اور مدبر ہے۔ حکیم ہے موثرِ حقیقی ہے۔ ازلی ہے ابدی ہے۔ نہ اس کی ابتداء ہے نہ انتہا۔ ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ کوئی شے از خود نہیں بس وہ اللہ ہے اور کل مخلوق اس کی بنائی ہوئی ہے۔ دوسرے تیسرے اور چوتھے خیال کی تردید رب العالمین کے لفظ سے ہوتی ہے۔ یعنی خدا ہر چیز کا موجد ہے۔ ہر چیز کو نیست

toobaafoundation.com

سے ہستہ ہیں اور لیس سے ایس میں وہی لایا ہے اور نقطہ ہی نہیں کہ وہ موجد اسباب و شرائط ہے۔ بلکہ پیدا ہونے کے بعد بقاء بھی اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر شے کو پیدا کر کے بقائے وجود کے تمام ضروریات و حوائج مہیا کرتا رہتا ہے۔ ہر موجود کو رفتہ رفتہ جسمانی و روحانی ترقی کے اعلیٰ زینہ پر پہونچاتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ بخل یا ظلم کی وجہ سے ضروریات ترقی میں سے کوئی چیز بچا رکھے اور نہ دے۔ جب وہ موجد ہے تو وجود کو باقی رکھنے کے جتنے اسباب ممکن ہیں سب کو مہیا کرنے والا بھی وہی ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اس کے علاوہ کسی چیز کا وجود مستقل ہو۔ وہ ہی پیدا کرنے والا اور تربیت کرنے والا ہے اور جب غیر اللہ میں سے کسی چیز کا وجود ہی مستقل نہیں ہے تو پھر وہ اوصاف الوہیت کی کیسے مالک بن سکتی ہے۔ وہ نہ ظالم ہے نہ بخیل۔ ہر شخص کو اس کی استعداد قابلیت کے موافق اس نے اپنی رحمت سے فیضیاب کیا ہے۔ اس کے بعد نمبر پنجم و ششم کے خیالات کی تردید مالک یوم الدین کے لفظ سے ہوتی ہے یعنی خدا روز جزا کا مالک ہے جس طرح عذاب ثواب چاہے گا دے گا۔ جسمانی عذاب ثواب ناممکن نہیں یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ پھر عذاب و ثواب کے انکار کے کیا معنی۔ وہ روز جزا کا مالک و مختار ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ کوئی اس سے زبردستی سفارش کر کے کسی کو نجات دلا دے یا عذاب نہ دینے دے یا قیامت کے دن کوئی اس سے احکام کی روک ٹوک کرے یا اس کے فیصلہ سے سرتابی کرے۔ اب رہا ساتواں خیال تو اس کی تردید ہر ٹکڑے سے ہو سکتی ہے، لیکن رحمٰن و رحیم کے لفظ سے خصوصیت کے ساتھ اس خیال کا استیصال ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خدا مہربان، شفیق اور رحیم ہے۔ اس نے تم کو ہاتھ پاؤں اور زبان ناجائز و حرام ارتکاب کے لیے نہیں دی ہے۔ نہ اس نے تم کو شہوانی و غضبی قوتوں کو علی الطلاق رہا کرنے کا حکم دیا ہے صرف اپنے کرم سے تم کو جائز خواہشات کے پورا کرنے اور صحیح انتقام لینے کے لیے یہ قوتیں عطا کی ہیں تاکہ تم ان قوتوں سے جائز طور پر بہرہ اندوز ہو اور اپنی قوت عقلیہ کا ان کو تابع بناؤ نہ یہ کہ ان کو مطلق العنان چھوڑ دو۔ کیونکہ مطلق العنان چھوڑ دینا یا ان کو مطلق العنان چھوڑنے کا حکم دینا رحم و مہربانی کے خلاف ہے اللہ خدا رحمٰن و رحیم ہے۔ اب رہا آٹھویں نمبر کا علاج تو اس کی تو اس کی صاف اور واضح ترکیب یہ ہے کہ خدا کو واحد لاشریک موجد عالم، مربی جہاں منصف عادل، جواد اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف سمجھو۔ زبان سے ان باتوں کا اقرار کرو۔ دل توجہ اس کی طرف کرو۔ اعضائے ظاہری سے اس کے حکم کی تعمیل کی کوشش کرو۔ جب یہ تینوں امور تم کو حاصل ہو جائیں گے تو خوف و رجاء کے مجموعہ سے تم کو محبت و عشق کا درجہ حاصل ہو جائے گا اور عشق سے آگے بڑھ کر رضا پھر تسلیم پھر فنائی الذات کا رتبہ ملے گا اور توحید خالص کے درجہ میں پہونچ کر تم کو نجات ابدی، فلاح دائمی اور سعادت سرمدی نصیب ہو جائے گی۔ (تفسیر اتقان و کبیر وغیرہ)

مقصود بیان

توحید ذاتی و صفاتی کی تبلیغ اس امر کا اظہار کہ خدا ہی سب کا پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا ہے۔ اسی سے ہر کام میں امداد کی خواستگاری کی جائے۔ حشر جسمانی حساب کتاب اور اعمال کی جزا سزا ضرور ہوگی۔ خدا کی رحمت سے تمام عالم کا وجود اور بقا ہے۔ خدا تعالیٰ کی کوئی خاص غرض اور نفع اس عالم کی پیدائش سے نہیں ہے بلکہ یہ صرف اس کی رحمت ہے۔ کسی کے گناہ یا کفر کی وجہ سے خدا اپنا رزق و فیض بند نہیں کرتا۔ مومن کو اس بات کی تعلیم دینی مقصود ہے کہ ہر کام کو شروع کرنے سے قبل خدا کا نام بطور تبرک لیا کرے اور پھر خدا کی حمد و ثنا اور اقرار احسان کیا جائے۔ اس کے بعد عرض مدعا کرے۔ بندوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت کا برتاؤ اور مہربانی کا معاملہ کرنا چاہئے

toobaafoundation.com

ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنی لازم ہے۔ احسان کے معاوضہ سے قطع نظر کر کے صرف رحم اپنا نصب العین بنانا چاہیے اور یہ بھولنا چاہیے کہ ہم جو کچھ سلوک کسی کے ساتھ کرتے ہیں کسی کی مدد کرتے ہیں یا کسی کو جو کچھ مال دیتے ہیں درحقیقت وہ خدا کا فعل ہے۔ ہم صرف دینے کا ذریعہ ہیں۔ ورنہ دینے والا دراصل خدا ہے۔ اس کے علاوہ خدا کے جلالِ ذاتی سے خوف دلانا اور رحمتِ الٰہی کا امیدوار کرنا بھی ان آیات سے مقصود ہے۔ اس امر کی تعلیم بھی مقصود ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا زندہ رکھنے والا اور اعمال کی جزا دینے والا ہے تو پھر کیوں غیر اللہ کی پرستش کی جائے سوائے خدا کے کوئی لائق پرستش نہیں ہے۔ گویا تبلیغ ایمان اور تحذیر عن الکفر بھی اس آیت کا مقصود ہے۔ وغیرہ

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝

ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

تفسیر گزشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ تمام دنیا یعنی محسوس غیر محسوس علوی سفلی زمینی آسمانی بسیط مرکب حیوانات جمادات اور نباتات کو پیدا کرنے والا روزی دینے والا درجۂ کمال کو پہونچانے والا اور بالآخر انسان کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ اس کے سوا اس مخلوق میں کوئی تاثیر حقیقی پیدا نہیں کر سکتا۔ ہماری حیات اور بقائے حیات کا فاعل حقیقی وہی ہے۔ تو جب یہ تمام امور ثابت ہیں تو پھر واقعی ہماری عبادت اور استعانت کا وہی مستحق ہے کسی دوسرے کو اس میں قطعاً دخل نہیں ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہم تیری ذات اور صفات کا اقرار کر چکے اس سے ہمارے دل پر تیری عظمت کا نقش اس طرح جم گیا کہ ہم تجھ کو حاضر سمجھنے لگے اور ہر وقت اپنے دل میں موجود یقین کرنے لگے۔ تو ہمارا خالق مربی اور بلا غرض پرورش کرنے والا ہے۔ اس لیے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔ ہمارے ظاہری اعضا باطنی قویٰ اور جان و مال سے جو پرستش ہو سکتی ہے وہ تیرے ہی لیے مخصوص ہے۔ اس میں کوئی شریک نہیں۔ ہم تجھی کو سجدہ اور رکوع کرتے ہیں۔ تیرا نام تبرک کے لیے لیتے ہیں۔ تیری تقدیس تسبیح اور تمجید کرتے ہیں۔ مصائب و حاجات میں تجھی کو پکارتے ہیں۔ تجھی سے دعا مانگتے ہیں۔ تیرے احکام و فرائض کی تعمیل کرتے۔ تیرے ہی لیے مالی قربانیاں کرتے، زکوٰۃ خیرات اور صدقات دیتے ہیں۔ تیری عبادت میں دل سے غور و خوض کرتے ہیں اور اذکار و خشوع کو تیری ہی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرح کی عبادت کو تیرے لیے ہی مخصوص کرتے ہیں۔ لیکن اس تمام عبادت و عرفان کا سرچشمہ تیری ہی امداد ہے۔ ہم بذاتِ خود کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر کسی کام کا ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے تو تو ہی اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ پھر اس کام کے سرانجام دینے کے لیے ضروری اور غیر ضروری آلات و اسباب و ساز و سامان مہیا کر دینا بھی تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور فقط اتنا ہی نہیں کہ تو اس کام کی درستگی کے لیے سامان فراہم کر دیتا ہے بلکہ جو رکاوٹیں اور موانع درمیان میں حائل ہوتے ہیں ان کو بھی تو ہی دور کرتا ہے اور پھر باوجود اسباب کی موجودگی اور موانع کے نہ ہونے کے یا موانع کی موجودگی اور اسباب کے نہ ہونے کے تو ہی اس کام کو پورا کرنے والا ہے۔

toobaafoundation.com

اس کام کے ہونے نہ ہونے کا بھی کوئی اختیار ہے۔ اسباب و وسائل پر اس کام کے ہونے نہ ہونے کا دارومدار نہیں۔ کبھی اسباب ہوتے ہیں اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہوتی پھر بھی کام نہیں ہوتا اور کبھی اسباب نہیں ہوتے اور رکاوٹیں ہوتی ہیں پھر بھی کام ہو جاتا ہے یہ سب تیری ہی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس لیے ہم ہر کام میں تجھ سے مدد کے خواستگار ہیں اور تو نا فرمانی سے اعانت کے جویاں ہیں اور رہیں گے تو ہم کو عبادت کی توفیق عطا فرما۔ کیونکہ یہ عبادت بھی تیری امداد کے بغیر ہم سے نہیں ہو سکتی اور نہ ہم میں ایسی قوت ہے کہ تیری مدد کے بغیر تیری عبادت کر سکیں۔

نکات اس آیت میں چند نکتے ہیں۔ اول تو یہ کہ عبادت صرف خدا ہی ہے اور عابد کا مقصود اصلی صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ عبادت کے ثواب و جزا کا خیال بیچ میں رکاوٹ ہے۔ پھر یہ کہ ہر شخص کی عبادت حضور قلب سے ہونا دشوار ہے۔ اس لیے انھیں کے ساتھ بروں کو شامل ہو کر عبادت کرنی لازم ہے۔ اس کے علاوہ جب تک آدمی عجز و انکسار کا مجسمہ نہ بنے اس وقت تک روحانی ارتباط دنیا میں نہیں پیدا ہوتا اور بغیر نیاز کے عبادت ہیچ ہے۔ اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ خدا حاضر ناظر ہے۔ ہر چیز سے اس کا وجود مقدم ہے۔ تربیت و رحم کی وجہ سے اسی کو استحقاق معبودیت و اعانت ہے وغیرہ۔

مقصود بیان سوائے خدا کے اور کسی کی پرستش حرام ہے۔ شرک کے ہر دو اقسام یعنی عبادت اور استعانت سے آدمی کو پرہیز کرنا لازم ہے۔ تمام اسباب و موانع کی باگ ڈور خدا ہی کے دست قدرت میں ہے عبادت میں حضور قلب شرط ہے۔ عبودت کے لیے جماعت ضروری ہے تاکہ اچھوں کی عبادت کے ساتھ بروں کی عبادت بھی شامل ہو کر درجۂ قبولیت کو پہنچ جائے۔ عبادت مالی ہو یا بدنی یا قلبی سب کا مرکز اور مرجع خدا تعالیٰ ہے۔ عبادت کی توفیق دینے والا بھی خدا ہے۔ غرور کی عبادت مقبول نہیں۔ عالم غرور سے عالم سرور کی جانب اور اشغال خلق سے بارگاہ قدس کی طرف جانے کا نام عبادت ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے جس بات کی توفیق دیتا ہے۔ ہر دعا سے پہلے کچھ عبادت کرنی لازم ہے تاکہ دعا کے تقرب و مقبولیت کا ذریعہ ہو جائے وغیرہ۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ہم کو سیدھے راستہ چلا ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے بخشش کی ہے

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

کی راہ پر جن پر تو غصہ ہوا ہے اور نہ ان کی راہ پر جو گمراہ ہیں۔

تفسیر گزشتہ آیات میں اظہار عبادت، اقرار بعبودیت اور اعانت کے خواستگاری کی گئی تھی یعنی یہ کہا گیا تھا کہ الٰہی ہم تیری پرستش کرتے ہیں اور تجھ سے مدد کی خواستگاری کرتے ہیں۔ اب اصل مدعا کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ ہم کو سیدھا راستہ بتا تا آخر منزل مقصود تک پہونچا دے۔ آیت کا خلاصہ مطلب جان لینے سے قبل اس بات کا جان لینا ضروری ہے

toobaafoundation.com

کہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) خدا تعالیٰ ہمارے دل میں نیک بات کا ارادہ پیدا کرتا ہے (۲) خدا تعالیٰ نے ہم کو ظاہری اور باطنی حواس، روشن عقل اور درک و دانش کی قوت عطا فرمائی ہے تاکہ ہم سیدھے راستہ پر چلیں (۳) انبیاء رسل، علماء اولیاء اور دیگر رہبران دین کو ہماری ہدایت کے لیے بھیجا تاکہ ہم ان کے اقوال پر عمل کریں اور ان کے افعال کی تقلید کریں اور قدم بہ قدم چلیں (۴) کتابیں، صحیفے اور صحیح قوانین ہمارے لیے بھیجے تاکہ ہم کو کسی چیز کی صحت غلطی اور حق و باطل کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے (۵) ہمارے روحانی جنبات کو شیطانی اور نفسانی ڈاکوؤں کی دست برد سے محفوظ رکھا اور ان تمام خطرات سے آگاہ فرمایا جو شیاطین جن حاسد وغیرہ سے ہم کو درپیش ہونے والے تھے۔

اب یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ صراط مستقیم کے کیا معنی ہیں اور سیدھے راستہ کی ہدایت کرنے کے کیا معنی۔ صراط مستقیم سے مراد ہر وہ قول و فعل ہے جو زیادتی کمی اور افراط و تفریط کی طرف مائل نہ ہو۔ ٹھیک وسط میں ہو۔ قوت شہوانیہ کی ضرورت میں بھی اعتدال ہو۔ نہ بالکل شہوانیات کو مردہ کر دیا جائے کہ کسی چیز کی خواہش ہی نہ ہو، نہ اتنا مطلق العنان چھوڑ دیا جائے کہ جا بجا حق و ناحق، جائز و ناجائز سب طریقوں سے اپنی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کے پیچھے آدمی پڑ جائے۔ اسی طرح قوت غضبیہ کے مقتضیات کے پورا کرنے میں بھی آدمی اعتدال کو ملحوظ رکھے۔ نہ اس قدر جاہل اکھڑ ہو جائے کہ معمولی سی بات پر خاندانوں کے خاندان کو فنا کر ڈالے۔ نہ جذبات انتقام اس کے اس قدر سرد پڑ جائیں کہ غیرت و حمیت کے موقع پر بھی اس کو جوش شجاعت نہ آئے اور ظلم کرنے والے غیرتی کو گوارا کر لے۔ اسی طرح قوت عقلیہ میں بھی اعتدال کا لحاظ رکھے۔ جب تینوں میں اعتدال پیدا ہو جائے گا تو سیدھا راستہ مل جائے گا اور یہی راہ اسلام ہے۔ اب اس راہ اسلام کے مختلف مراتب ہیں اور انہی مراتب کے اختلاف کی وجہ سے آیت کے معنی میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ جن کی تفصیل ہم ذیل میں لکھتے ہیں:

(۱) عام لوگوں کی ہدایت کے تو یہ معنی ہیں کہ خلوص، یقین اور درستی ایمان کے ساتھ شریعت کے فرائض و نوافل کی پابندی کی جائے۔ کوئی فرض، واجب، سنت، مستحب ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ ریا، عجب سے یہ عبادت خالی ہو۔ اخلاق، عادات، رفتار، گفتار، اطوار میں شریعت کی موافقت اختیار کی جائے۔ قوانین اسلام کی راہ راست سے سر مو کج روی نہ ہونے پائے۔ حقوق نفس، حقوق والدین و اقربا، واجب ادا کر دیئے جائیں وغیرہ۔

اس وقت یہ معنی ہوں گے کہ الٰہی تو ہم کو شریعت اسلامیہ کا پابند بنا۔ فرائض اسلامی ہم سے ادا کرا۔ خالص ایمان اور تقویٰ ہم کو عطا کر تاکہ ہم تیرے رسول کی پیروی کریں اور طبقۂ عوام سے نکل کر ہم تیرے دوستوں کے طبقہ میں داخل ہو جائیں۔

(۲) صالحین کی ہدایت۔ اس وقت ہدایت کے یہ معنی ہوں گے کہ الٰہی تو ہم کو نور معرفت اور ایقان کی روشنی عطا کر۔ قوانین اسلام کا پابند رکھ۔ اپنی رضامندی کا راستہ بتا اور وہ راہ بتا یک جس میں عقل و حواس کام نہیں کرتے اور ہزاروں شیاطین اور ہزن اس میں موجود ہیں۔ ان سے بچا کر ہم کو اپنی راہ پر چلا تاکہ ہم خطرات و وسوسوں سے بچ کر اصلاح قلب کر سکیں اور تیرے نور معرفت سے اپنے دل کو روشن کر لیں اور تیرے اولیاء کے زمرہ میں داخل ہو جائیں۔

(۳) اولیاء کی ہدایت۔ اس کے چار درجات ہیں اور ہر درجہ دوسرے کے اوپر ہے۔ پہلا درجہ تعلق اولیاء باللہ کا ہے۔

toobaafoundation.com

دوسرا درجہ شہداء کا ہے۔ تیسرا درجہ صدیقین کا ہے۔ چوتھا درجہ انبیاء کا ہے اور ان سب سے آخر میں فنا ذاتی ہے۔ عام مسلمان جب صالحین کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں تو وہاں سے ترقی کر کے معمولی اولیاء کے درجہ میں آتے ہیں اور معمولی ولایت کے مرتبہ سے آگے بڑھ کر شہادت کا درجہ ہے۔ جس میں انسان اپنا تن من دھن رضا راہ یہاں تک کہ اپنی زندگی راہ خدا میں قربان کر دیتا ہے۔ اس سے آگے صدیقوں کا رتبہ ہے اور صدیقوں سے آگے انبیاء کا اور انبیاء کے مرتبہ سے آگے کچھ نہیں صرف فنائے ذاتی اور جمع محض کا درجہ مل جاتا ہے۔ جس کے مالک ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے اسی لیے حضورؐ نے فرمایا ہے۔ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ۔ یعنی حمد کا جھنڈا اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ الٰہی تو اپنے طاعات و قوانین کا پابند بنا اور ان پر پابند رکھ، نورِ معرفت عطا کر، نفسانی خطرات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھ۔ ہمارے دل کو اپنے نور سے منور کر دے۔ ہماری رضا و ارادہ کو اپنی راہ میں قربان کرنے کی توفیق عطا فرما اور بالآخر ہم کو صداقت کے مرتبہ میں پہونچا دے۔ اسی کی تفصیل کی طرف صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، یعنی ہم کو ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ الٰہی جس طرح تو نے اپنے ان بندوں کو راہِ راست پر ڈال کر منزلِ مقصود کو پہونچایا جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے۔ اسی طرح ہم کو راہِ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ تاکہ راہِ راست دیکھنے کے باوجود ہم گمراہ نہ ہو جائیں۔ بلکہ اس پر چل کر مقصود اصلی تک پہونچ جائیں اور سب کو نجات حاصل ہو جائے۔ کیونکہ منزلِ مقصود تک پہونچنا بھی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے۔

خدا تعالیٰ نے جن لوگوں پر انعام فرمایا اُن کا ذکر آیت ذیل میں ہے:۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ یعنی انبیاء، صدیقین شہداء اور صالحین ہی ایسے لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کو ان بزرگ ہستیوں کی رفاقت نصیب ہو اس سے زیادہ خوش قسمت اور کون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ادنیٰ درجہ والوں یعنی صالحین کے لیے وہ نعمتیں مہیا فرمائی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں، نہ کسی کے دماغ میں ان کا تصور و خیال آیا (کمافی السنن) جب صالحین کے یہ مراتب ہیں تو اعلیٰ درجات کا کیا قیاس و اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہوا کہ بندہ ابتداء میں رہنمائی پاتا ہے۔ حق و باطل کے طریقوں کے سامنے واضح ہو جاتے ہیں اور وہ بظاہر مسلمان ہو جاتا ہے۔ پھر اس رہنمائی کے بموجب مقصود تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن پہونچانے والا صرف باری تعالیٰ ہے اس لیے اسی سے درخواست کرتا ہے کہ تو ارحم الراحمین اور ہادی ہے۔ اپنے فضل سے مجھے ایسا راستہ بتا دے، بلکہ ایسے راستہ کے ذریعہ منزلِ مقصود تک پہونچا دے جس سے تیرے نعمت بردار اور سنت کش بندے مقصود تک پہونچے ہیں۔

ابن کثیر نے بہ روایت حضرت علیؓ بیان کیا ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد کتاب الٰہی ہے۔ (ابن جریر، احمد، ترمذی) ابن مسعودؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صراطِ مستقیم، دینِ اسلام مراد ہے۔ یہی قول حضرت جابرؓ محمد بن حنفیہ اور عبدالرحمٰن بن زید وغیرہ سے مروی ہے۔

سنن کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن کے احکام پر پابندی کی نصیحت فرمائی تو ایک صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حضور کو اس کا خوف نہ کرنا چاہیے کیونکہ ہم خود تو پڑھتے ہی ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور

toobaafoundation.com

ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی۔ حضورؐ نے بطور تعجب کے فرمایا کہ میں تو تجھے مدینہ کے دانشمندوں میں سے جانتا تھا اور تو نے ایسی بات کہی۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ ان یہود و نصاریٰ کی بغل میں بھی کتاب ہے۔ لیکن ان کو اس سے کیا فائدہ۔

علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں بیان کیا ہے کہ نواس بن سمعانؓ نے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے صراطِ مستقیم مثالاً فرمایا ہے۔ یعنی خدا نے ایک صراطِ مستقیم بنائی اور صراط کے دونوں جانب دیواریں ہیں جن میں بغیر کواڑ کے دروازے ہیں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ صراط کے اس دروازہ پر ایک شخص موجود ہے اور کہتا ہے کہ لوگو سب کے سب اس راہ میں آجاؤ اور کجی راہی مت اختیار کرو اور جب کوئی راہگیر ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنا چاہتا ہے تو دوسرے سرے والا شخص پکار کر کہتا ہے۔ ارے بیوقوف یہ دروازہ مت کھول۔ کیونکہ اگر اس کو کھولے گا تو اندر جا پڑے گا۔ پھر حضورؐ اکرم نے اس تمثیل کا مطلب بیان فرمایا کہ صراطِ مستقیم اسلام ہے اور دونوں دیواریں حدودِ الٰہی ہیں اور دروازے محرماتِ شرعیہ ہیں اور دروازہ پر بیٹھا ہوا شخص کتابِ الٰہی ہے اور بالائی سرے پر پکارنے والا ہر مسلمان کے دل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ ہوتا ہے۔

(ابن ابی حاتم، ترمذی، نسائی وغیرہ)

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے مراد وہ راستہ ہے جس پر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے اور یہی قول صحیح بھی ہے۔ کیونکہ جس نے شیخین کی اقتدا کی وہ حق کا تابع ہوا اور جو حق کا تابع ہوا وہ اسلام کا تابع ہوا اور جو اسلام کا تابع ہوا وہ قرآنِ پاک کا تابع ہوا۔ لہٰذا مذکورۂ بالا تمام اقوال ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ (اتقان)

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، یہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی توضیح ہے یعنی ہم کو ان لوگوں کی راہ پر نہ چلا جو صراطِ مستقیم سے ہٹ کر افراط کی جانب مائل ہو گئے ہیں اور اس وجہ سے اُن پر تیرا غضب نازل ہو گیا اور نہ ان لوگوں کی راہ پر چلا جو تفریط کی جانب متوجہ ہو گئے ہیں اور اس وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے۔ اُن کے دلوں پر گمراہ کا زنگ چڑھ گیا۔ لیکن ان کو پھر بھی قلب کے زنگ آلود ہونے کا احساس نہ ہوا اور ویسے ہی گمراہ رہے۔ اس وقت اُن کے دلوں پر جہالت و گناہ کے پردے پڑ گئے اور دل میں تاریکی پیدا ہو گئی اگر بایں ہمہ اب بھی ان کو شعور نہ آیا اور دل کی تاریکی ان کو نظر نہ آئی، گناہوں سے وہ دست کش نہ ہوئے۔ اعمال عقائد کی غلطی نے ان کے دلوں پر تسلط حاصل کر لیا۔ کفر کی تخم ریزی اُن کے اقوال و افعال اور اعتقادیات میں ہو گئی تو اب اُن کے دلوں پر کفر کی مہر لگ گئی اور دل میں ہدایت کی طرف سے بندش پیدا ہو گئی۔ لیکن انھوں نے اس کے باوجود اس کفر کی مہر کو توڑنے کی کوشش نہ کی تو اب شرک و گمراہی کے قفل ان کے حواس و مشاعر کے دروازوں پر لگ گئے اور وہ قطعاً گمراہ ہو گئے۔ اُن کے ہدایت یافتہ ہونے کی بالکل اُمید نہیں رہی۔ الٰہی ہم کہاں گمراہوں کی راہ پر نہ چلا۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ الٰہی ہم تجھ سے صالحین کی راہ چاہتے ہیں۔ جس طرح تو نے ان کو مقصد پر پہونچا دیا اسی طرح ہم کو بھی پہونچا دے۔ مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ سے یہودی اور وہ لوگ جو یہودیوں کی طرح عقائد رکھتے ہیں مراد ہیں۔ یہودیوں کا عقیدہ خراب ہو گیا۔ انھوں نے دانستہ سرتابی کی اس لیے اُن پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ ضالین سے عیسائی اور ان کے مشابہ لوگ مراد ہیں۔ عیسائیوں نے حق کو پہچانا ہی نہیں اور گمراہی میں بھٹکتے پھرے۔ ترمذی اور امام احمد نے ایک صحیح روایت اسی قول کی تائید میں بیان کی ہے جس کے آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا کہ یہود مغضوب علیہم ہیں اور نصاریٰ ضالین ہیں۔

toobaafoundation.com

یہی بات حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ اور حضرت ابوذر ؓ و حضرت ابن عباس ؓ و حضرت ابن مسعود ؓ و دیگر صحابہ و تابعین سے بھی ثابت ہے اور یہی حق قول ہے۔

نکات (۱) آدمی کی سعادت کامل اور نجاتِ صحیح یہ ہے کہ اس کے عقائد بھی صحیح ہوں اور اعمال و اقوال بھی درست۔ نہ عقائد میں کمی یا مبالغہ ہو، نہ اقوال و افعال میں کوتاہی۔ جن کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوگئیں ان کو کامل سعادت اور پوری نعمت حاصل ہوگئی۔ لیکن اگر کسی کا عقیدہ خراب ہو۔ خدا تعالیٰ کی ذات صفات احوالِ قیامت وغیرہ کے متعلق فاسد عقیدہ اور غلط خیال رکھتا ہو اور اپنے اختراعی توہمات کو ہی عرفان تصور کر کے مست ہو رہا ہو اس پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور جس کے اقوال و افعال خراب ہوں، فضائلِ حمیدہ اور فرائضِ دینیہ کے ادا کرنے سے بے بہرہ اور افعالِ قبیحہ کا مرتکب ہو وہ گمراہ ہو اور منزلِ مقصود تک نہیں پہونچ سکتا۔ ایسے لوگ بھی سعادتِ کامل حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا مومن کو چاہیئے کہ عقیدہ بھی صحیح رکھے اور فرائضِ الٰہی کا بھی پابند ہو تاکہ مکمل نجات اور پوری سعادت کا مستحق ہو جائے۔

(۲) مومن ظاہر و باطن میں خدا کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ کا پورا انعام ہوتا ہے اور کافر و منافق پر خدا کا غضب ہوتا ہے اور ازلی گمراہی حاصل ہوتی ہے۔ یعنی منافقوں پر خدا کا غضب ہوتا ہے اور کافر گمراہ ہیں۔

مقصودِ بیان ہر چیز یہاں تک کہ ہدایت کی بھی دعا خدا ہی سے کرنی چاہیئے۔ واصلین اہلِ انعام کا جواڑھونڈھنا چاہیئے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کو جو بزرگیاں اور مراتب عطا ہوئے ہیں وہ محض انعامِ الٰہی تھا۔ مقصود تک پہونچانے والا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ کسی کو اپنے علم پر ناز اں نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ خالی علم حاصل کر لینے سے ہی اصل مقصد حاصل نہیں ہو جاتا۔ بلکہ جب علم کے موافق خدا تعالیٰ ہدایت بھی کرے تو آدمی مراد کو پہونچتا ہے۔ دیکھو یہود و نصاریٰ کو توریت و انجیل عطا ہوئی جو ہدایت کے لیے کافی تھی۔ مگر وہ لوگ منزلِ مقصود تک نہ پہونچ سکے۔ خدا تعالیٰ کے غضب اور اضلال سے پناہ مانگنی چاہیئے اور جس طرح ظاہر میں پناہ مانگنا ضروری ہے اسی طرح باطن میں بھی پناہ مانگنی چاہیئے۔ غیر مذاہب والوں کا طریقہ اور وضع اور مشابہت قطعاً ناجائز ہے۔ کیونکہ مشابہت باطنی ہو یا ظاہری دونوں گمراہی کی شاخیں ہیں صراطِ مستقیم اور سیدھا راستہ وہی ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے کسی طرف جھکنا نہ چاہیئے ورنہ راہ راست چھوٹ جائے گی۔ اعتدال اور توسط بہترین چیز ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ وغیرہ

پوری سورت کا خلاصۂ بیان

انسان کو چاہیئے کہ جب خدا تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کا پرتو اپنی روح کی آنکھوں سے دیکھنا چاہے تو خدائے قدوس کی حمد و ثنا اور اُس کے صفات و کمالات کا ذکر کرے تاکہ اُس ذاتِ گرامی کے ساتھ گونہ لگاؤ اور مناسبت پیدا ہو جائے۔ جب مناسبت پیدا ہو جائے اور سیر الی اللہ کرنے کا شوق پیدا ہو تو عبادت کا توشہ اور استعانت کی سواری بھی ساتھ لے اور سیدھے راستہ کی بھی تلاش کرے اور جب سیدھا راستہ مل جائے تو رفقائے سفر بھی ایسے ساتھ ہونے چاہئیں کہ جن کی وجہ سے راستہ کی دشواریاں اور تکلیفیں دور ہو جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھی لحاظ رہے کہ راستہ میں جھاڑ جھنکاڑ اور گھنا جنگل نہ ہو تاکہ ان میں کچھ اُلجھ کر رہ جائے جس کی

toobaafoundation.com

اصل راستہ گم ہو جائے اور غضب الٰہی میں مبتلا ہو۔ جتنے خطرات اور وسوسے دل میں پیدا ہوں ان کو رد کر دے۔ قوت شہوانیہ اور غضبیہ کے افراط و تفریط کے جھاڑ جھنکاڑ راستہ سے صاف کر دے۔ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ معرفت الٰہی کا پرتو قلب پر پڑ جائے گا جس سے قلب روشن ہو جائے گا۔

ہدایت خاص

سورۂ حمد تمام قرآن کا نچوڑ ہے۔ اس میں عقائد و اعمال کی اصلاح بھی ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات پاک کی تمام صفات جلالیہ اور کمالیہ کا بیان بھی ہے۔ تہذیب نفس، ادب اور اخلاق کی تعلیم بھی ہے۔ پورا علم شریعت، طریقت اور حقیقت اس میں موجود ہے۔ انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کی تعریف بھی ہے۔ منافقین اور کافرین کی برائی بھی ہے۔ سیر من اللہ اور سیر الی اللہ کی طرف دل چسپ لطیف اشارات بھی ہیں۔ فرمانبرداری اور اطاعت کی طرف ترغیب اور نافرمانی و سرتابی سے تہدید و منع بھی ہے۔ خلاصہ یہ جو کچھ پورے قرآن میں ہے وہ ایک سورۃ میں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن میں ان امور کا مفصل بیان ہے اور اس سورت میں اجمالی اشارات ہیں قرآن سے امور مذکورہ کا استنباط اکثر سمجھدار لوگ کر سکتے ہیں اور اس سورت سے مضامین بالا کا اقتباس صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے حواس روشن، مشاعر منور، دل صاف، روح مستعد ہو اور دماغ میں ملکہ دانش اور پھر خدا کی توفیق بھی شامل حال ہو۔

سورۃ البقرۃ

اس سورۃ کا نام سورۂ بقر اس لیے ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے زمانے کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس میں خدا تعالیٰ نے ان کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اور اس کا مفصل قصہ اسی سورت میں مذکور ہے۔ اس سورۃ کا نام فسطاط القرآن اور سنام القرآن بھی ہے۔ اسی سورۃ میں ۴۰ رکوع ۲۸۷ یا ۲۸۶ آیات ۱۲۶۲ الفاظ اور ۵۰۰۰ حروف ہیں۔ یہ سورۃ مدنی ہے اور قرآن کی سورتوں میں سب سے بڑی ہے۔ مدینہ میں سب سے آخر میں یہی نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس کی بعض آیات مدنی نہیں ہیں۔ مثلاً وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ الخ اور فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ الخ اور لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰهُمْ الخ۔

شانِ نزول

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا دور دورہ تھا اور تمام عرب ان کو مسلم رہبر اور قائد مانا کرتے تھے۔ اسلام جب مدینہ میں پہونچا اور اس کی روشنی نے سعید روحوں کو منور کرنا شروع کیا تو اہل کتاب کو یہ امر نہایت شاق گزرا۔ کیونکہ اس سے اُن کی وجاہت اور دقعت اور مالی منافع میں کمی واقع ہوئی۔ اس لیے سب اہل کتاب مع اپنے متبعین کے اسلام کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے اور نور اسلام کو اپنے منہ کی پھاپ سے گل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان سب کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ یہ راس المنافقین تھا۔ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا لیکن باطن میں کافر تھا۔ اسی وجہ سے اس کو مسلم آزاری کا زیادہ موقع سہولت کے ساتھ مل جاتا تھا۔ اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے ان کی بختوں کے ضرر کو دفع کرنے اور شکوک شبہات کی

toobaafoundation.com

اصلاح کے لیے یہ سورت نازل کرنی شروع کی تمام دشمنانِ اسلام کے گروہ کے، مدینہ اور اطراف مدینہ میں تھے تھے۔ ایک تو وہ تھے جو کھلم کھلا مسلمانوں کے مخالف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے انکار کرتے تھے۔ توحید و رسالت کے ماننے والے نہ تھے۔ یہ فرقہ تو کافروں کا تھا۔ دوسرا گروہ منافقوں کا تھا جو بظاہر مدعیانِ اسلام تھے اور باطن میں خبیث ترین کافر تھے۔ تیسرا گروہ تو مسلمانوں کے دلوں پر اس قدر شکوک و شبہات نہ ڈال سکتا تھا۔ کیونکہ مسلمان جانتے تھے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ ان کا کوئی قول قابلِ تسلیم و اتباع نہیں۔ لیکن مؤخر الذکر گروہ کافر مسلمان کے لیے بہت نقصان دہ تھا۔ ان کا ایک پیشوا یعنی مالک بن صیف یہودی مسلمانوں کے دلوں میں بہت زیادہ شک ڈالا کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ یہ کتاب وہ نہیں ہے جس کی خبر گذشتہ آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس شک کو پہلے رفع کیا اور پھر چار آیات مسلمانوں کی مدح میں، اور دو آیات کافروں کی مذمت میں اور تیرہ آیات منافقوں کے احوال کے بیان میں نازل فرمائیں۔

ربط سورۂ بقرہ میں ان تمام مضامین کی تشریح ہے جو سورۂ فاتحہ میں بیان کئے گئے تھے۔ سورۂ حمد میں جو مضامین اجمالی طور پر بیان کئے گئے تھے۔ اس سورۃ میں ان کی تفصیل ہے۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی شرح شروع کے تین رکوع میں کر دی گئی۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مضامین اجمالی تھے۔ اُن کی تفصیل میں آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا، پھل پھول، بیوہ، اناج اور تمام ان چیزوں کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے جس سے تمام عالم کی تربیت معلوم ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کو بزرگی عطا کرنا، ان کو ہر طرح کی نعمتیں مرحمت کرنا، اولاد اسمٰعیلؑ میں نبی کو پیدا کرنا، کعبہ کو حرمت و عزت بخشنا، مکہ کے باشندگان کے لیے رزق رسانی کا وعدہ وغیرہ وغیرہ یہ سب تربیتِ عالم کے انواع مظاہر ہیں۔ پھر من وسلویٰ بنی اسرائیل کو عطا کرنا، ابر کا سایہ کرنا، سلطنتِ تالمک کا واپس ملنا، فرعون سے نجات حاصل ہونا وغیرہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی شرح ہے پھر گائے کو ذبح کر کے اس کے گوشت سے مقتول کی لاش کو مارنا اور اس کا زندہ ہو جانا اور اپنے قاتل کا نام بتانا اور بنی اسرائیل کی سرتابیوں پر طرح طرح کی سزا دینا اور کفار و منافقین کا جہنم میں جانا یہ سب مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی توضیح ہے۔ پھر فرائضِ دینی کے ادا کرنے کا حکم تسبیح و تہلیل وغیرہ کے مسائل، شرک و بت پرستی کی ممانعت، محبتِ الٰہی کی تعلیم وغیرہ یہ سب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفسیر ہے۔ پھر قرآن کا متقیوں کے لیے ہدایت ہونا۔ اخلاق و فضائل کی وضاحت۔ احکامِ طلاق و نکاح وغیرہ اور صلۂ رحمی۔ والدین کی اطاعت اور اقارب و اجانب کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم سب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیل ہے۔ پھر حضرت ابراہیم و یعقوب و دیگر انبیاء (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کے اقوال و احوال اور ان پر انعامِ الٰہی ہونا وغیرہ سب صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تشریح ہے اور فرعون کا غرق ہونا۔ نمرود کا حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں تباہ ہونا اور یہود پر مصائب نازل ہونا سب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کی توضیح ہے۔ خلاصہ یہ کہ جن مضامین کا سورۂ حمد میں اجمالاً بیان کیا گیا تھا ان کی تفصیل اس سورت میں کر دی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے ہے جو نہایت بخشش والا بڑا مہربان ہے

toobaafoundation.com

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

الٓمّٓ یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ شبہ نہیں پرہیزگاروں کے لیے رہنما ہے

تفسیر الٓمٓ۔ یعنی الف۔ لام۔ میم۔ کیونکہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کتاب الٰہی سے ایک حرف پڑھا اس کے واسطے ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔ لیکن میری مراد یہ نہیں ہے کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (ترمذی وغیرہ) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ متشابہات میں بعض امور کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ چنانچہ الٓمٓ میں الف سے آلاء الٰہی، لام سے لطف الٰہی اور میم سے ملک الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ الف سے اللہ، لام سے جبرئیل اور میم سے محمد کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ قرآن اللہ کی طرف سے جبرئیلؑ کے واسطے سے محمدؐ پر نازل ہوا۔

ابن کثیر نے کہا کہ کل حروف مقطعات جو قرآن میں وارد ہیں اور انتیس سورتوں میں آئے ہیں بحذف مکررات ان کی تعداد صرف ۱۴ رہ جاتی ہے جس کا مجموعہ نص حکیم قاطع لہ سر ہوتا ہے یعنی یہ کتاب حکیم حقیقی کی طرف سے متضمن اسرار ہے۔ بعض اکابر نے بیان کیا کہ الف سے اَنَا لام سے اللہ اور میم سے اَعْلَمُ کی طرف اشارہ ہے یعنی اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ یعنی میں معبود برحق ہوں اور سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔

لیکن حق یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل کوئی نہیں جانتا۔ یہ خدا اور اس کے رسول کے درمیان رموز ہیں جن پر ہمارا ایمان لانا فرض اور ضروری ہے اور یہی ہمارا فرض ہے کہ ان سے جو کچھ بھی مراد ہو اس کو حق جانیں اور متشابہات صرف حروف مقطعات نہیں بلکہ طالب قبر کی کیفیت، شہیدوں کی حیات، جنت و دوزخ کے احوال وغیرہ سب متشابہات میں ہیں اور ان پر ہمارا ایمان لازم ہے۔ کیونکہ ہماری عقل اور بینائی ان امور میں نابینا اور غبین کی طرح ہے۔ نابینا خود کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس کو نہیں معلوم کہ روشنی کیسی ہوتی ہے۔ بیان کرنے سے نور کی کیفیت اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح غبین کو کیف جمات صرف بیان سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ چیزیں وجدانی ہیں۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ مشاہدہ کرنے اور محسوس کرنے کی قوت عطا کرے گا، وہی جان لیں گے۔ اس کے لیے بیان بیکار ہے۔ حدیثوں میں بھی اس میں غور کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت عروہ کے اقوال سے مختلف زجر آمیز روایات کا ثبوت ان لوگوں کے حق میں ملتا ہے جو متشابہات میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہاں تفسیر کی علمائے راسخین کو اجازت ہے۔ بہرحال ہم حروف مقطعات کے اس تفسیر میں کوئی معنی بیان نہیں کریں گے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یعنی یہ وہی کتاب ہے جس کا گذشتہ کتابوں میں وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے حق اور سچا ہونے میں کسی عقلمند کو شبہ نہیں ہو سکتا بشرطیکہ خواہشات نفسانی اور لغزش شیطانی کا خیال ترک کر کے خالص دل سے طالب حق بن کر اس پر غور کرے۔ جو شخص ایسا کرے گا اور صفائی دل، تہذیب نفس اور جذبات صادقہ کے ساتھ حقانیت کی روشنی میں اس کو سمجھے گا تو ضرور سمجھ لے گا کہ اس کتاب کے حق اور الہامی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اس کو یقین ہو جائے گا۔ پہلی تمام الہامی کتابیں

toobaafoundation.com

منسوخ ہو چکی ہیں اور یہ ان کے لیے ناسخ ہے۔ اس کے مطالب و مضامین اس قدر صاف اور اجلے ہوئے ہیں کہ عقلِ انسانی ان کو یقینی طور پر تسلیم کرتی ہے اور جس کتاب کے مضامین یقینی اور قطعی ہوں۔ کسی قسم کے ریب اور شک کو ان میں دخل نہ ہو وہ بلاشبہ منجانب اللہ ہوگی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس لیے کہ۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ کتاب پرہیزگار لوگوں کو راہِ راست بتاتی ہے۔ اس کے مضامین اور قواعد گمراہوں کو سیدھا راستہ بتانے والے اور بھٹکے ہوؤں کو راہ پر لانے والے ہیں۔ محاسن اور اخلاق کی یہ کتاب تعلیم دیتی اور افعالِ ذمیمہ سے روکتی ہے۔ پھر عقلمند آدمی کو غور کرنے کے بعد اس کے الٰہی ہونے میں کیا شک رہ جائے گا اور جن کی قسمت میں خدا تعالیٰ نے متقی بنا لکھ دیا ہے وہ کس طرح اس کی حقانیت ہدایت اور مخزنِ کمال ہونے میں شبہ کر سکتے ہیں۔ تقویٰ کے کیا معنی ہیں اور متقی کس کو کہتے ہیں۔ اس کی توضیح کے لیے مختلف احادیث آئی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ متقین سے یہی مومن مراد ہیں جو شرک سے بچتے اور طاعتِ الٰہی پر عمل کرتے ہیں۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ متقی وہ لوگ ہیں جو حرام سے بچتے اور فرائض ادا کرتے ہیں۔

ترمذی میں ایک حدیث آئی ہے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا بندہ متقین کے درجہ کو اس وقت پہونچتا ہے جب ان چیزوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے جن میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ ان چیزوں میں نہ پڑ جائے جن میں گناہ ہے۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں متقی وہ قوم ہے جو شرک و بت پرستی سے بچتی ہے خالص خدا ہی کی عبادت کرتی ہے۔

حضرت ابی ابن کعب نے فاروق اعظمؓ سے کہا تھا کہ جس طرح خاردار راستہ میں سے دامن سمیٹ کر کوشش کے ساتھ آپ نکل جاتے ہیں بس یہی حالت متقی کی ہوتی ہے۔

حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ کامل تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے خدا کے خوف حجاب سے پرہیز رکھے اگرچہ ایک ذرہ برابر ہو۔ یہاں تک کہ بعض ایسی چیزیں ترک کر دے جن کو حلال جانتا ہو لیکن دغدغۂ حرام کی وجہ سے خوف کرتا ہو کہ شاید یہ چیز اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب ہو جائے۔ یہی معنی ایک جماعتِ صلحاء و تابعین سے مروی ہیں۔

درحقیقت تقویٰ کے عرفِ شریعت میں یہ معنی ہیں کہ بندہ ان تمام چیزوں کو ترک کر دے جو آخرت میں اس کے لیے مضر ہیں اور اس کے تین درجات و مراتب ہیں۔

(۱) شرک و کفر نہ کرے اور دوامی عذاب سے بیخوف ہو جائے۔ اس لحاظ سے ہر مومن کو خواہ وہ کیسا ہی ہو متقی کہہ سکتے ہیں

(۲) ہر قسم کے گناہ سے بچنا خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ (۳) سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ تمام خطرات اور خیالات سے آئینۂ دل کو صاف کرنا۔ ہمہ تن جمال جہاں آرا میں محو ہو جانا۔ یہ تقویٰ حقیقی تقویٰ ہے اور اس مرتبہ کے متقی صرف انبیاء اولیاء ہوتے ہیں۔

آیتِ مذکورہ میں تقویٰ کے تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ قرآن سے اعلانِ توحید، ترک صغائر و کبائر اور فنا فی اللہ ہونے کے مطالب و مضامین اخذ کیے جاتے ہیں۔ آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہوا کہ کتاب الٰہی کافروں کو توحید کا راستہ دکھانے والی فاسقوں اور گناہگاروں کو صغائر و کبائر سے بچنے کی ہدایت کرنے والی اور صالحین کو اولیاء شہداء اور صدیقین کے مراتب تک

toobaafoundation.com

پہونچنے کا طریقہ بتانے والی ہے۔ پھر کس طرح اس کی حقانیت واعجاز میں شک ہو سکتا ہے۔

مقصودِ بیان پہلی کتابوں میں جس کتاب الٰہی کا وعدہ کیا گیا تھا وہ یہی قرآن ہے۔ آدمی کو اس میں غور وخوض کر کے اس کی خوبیاں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو سمجھدار اور فہیم طبقہ ہے۔ اگر وہ غور سے کام لے تو پھر اس کو قرآن کی صداقت وحقانیت اور ہادی ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔ قرآن کے اندر ہر طبقہ کے انسانوں کے لیے مواد ہدایت موجود ہے۔ انسان ترقی کر کے ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک پہونچ سکتا ہے۔ مسلمان کو چاہیئے کہ پہلے نواہی کو پرہیز کرے اور امر کا پابند ہو۔ پھر مشتبہات اور مشکوکات کو بھی چھوڑ دے تاکہ صلحاء کے درجہ تک رسائی ہو۔ پھر ان حلال چیزوں سے بھی کنارہ کش ہو جائے جو معرفتِ الٰہی سے حجاب ہو جانے کا ذریعہ قرار پا سکتی ہوں۔ اس کے آگے ماسوا اللہ کو ترک کر دے۔ کوئی شخص بغیر اتقاء کے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بغیر طلب حق کے ہدایت مجتمع سے بھی رہنمائی نہیں ہو سکتی۔ طلبِ صادق حصولِ حقانیت کے لیے شرط ہے۔ جو شخص طلبِ صادق رکھتا ہے اور متقی بننا چاہتا ہے اس کو خدا تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ راہِ راست دکھا دیتا ہے وغیرہ۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝

متقی وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں

تفسیر یعنی متقی وہ لوگ ہیں جن کے عقائد درست ہوں جو چیزیں ان کو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں ان پر بھی ان کا ایمان ہو۔ بدنی اور مالی فرائض ادا کرتے ہوں۔ اوامر ونواہی کے پابند ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان کی قوتِ نظریہ بھی عملیہ دونوں صحیح ہوں۔ آیتِ مذکورہ کے تین ٹکڑے ہیں۔ ہم ہر ایک کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

(۱) ایمان بالغیب۔ غیب اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے غائب ہو اور اس کے مدارج مختلف اشخاص کے لیے مختلف ہوتے ہیں۔ عام آدمیوں کے لیے خدا تعالیٰ ملائکہ، کتابیں، رسول، روزِ قیامت، تقدیرِ الٰہی، عذابِ قبر، دوزخ، جنت، حشر نشر، پل صراط، میزان وغیرہ سب غیب کا حکم رکھتی ہیں۔ لیکن جس قدر مراتب میں ترقی ہوتی جائے گی انکشاف بڑھتا جائے گا تو جو چیز غیب میں داخل تھی پھر اس کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معراج میں دوزخ، جنت، حور، قصور وغیرہ کو دیکھ لیا تو اس وقت آپ کے واسطے یہ غیب نہیں رہا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے حضرتؐ کو جن جن چیزوں کا انکشاف عطا فرما دیا تو وہ چیزیں بھی معائنہ میں داخل ہو گئیں۔ اگرچہ ہمارے لیے وہ غیب کا حکم رکھتی ہیں۔ ابو العالیہ نے اس غیب سے جو آیت میں مذکور ہے ہستی باری تعالیٰ، ملائکہ، آسمانی کتابیں، رسول، روزِ آخرت جنت، دوزخ اور حشر مراد لیا ہے۔ حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت کے نزدیک جنت، دوزخ کا حال جو قرآن میں مذکور ہے سب غیب میں داخل ہے۔

(۲) اقامتِ صلوٰۃ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نماز کی اقامت یہ ہے کہ اس کا رکوع اور سجدہ پورا کیا جائے اچھی طرح قائم کی جائے اور خشوع وخضوع سے نماز میں توجہ کی جائے۔ حضرت قتادہؓ نے اور زیادتی کی ہے کہ نماز کے اوقات کی پابندی اور وضو کا

toobaafoundation.com

التزام بھی رکھے۔ ابن حبان نے درود اور التحیات کو بھی اس میں داخل کیا ہے اور درحقیقت نماز تمام بدنی عبادتوں کی جڑ ہے۔ اس کے التزام سے تمام گناہوں کی رغبت مٹ جاتی ہے۔ امورِ ممنوعہ کا ارتکاب انسان چھوڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں نماز کو اسلام اور کفر کے درمیان فارق قرار دیا ہے۔

(۳) اداءِ صدقہ۔ صحابہؓ پر ابتدا ہی سے زکوٰۃ فرض ہوئی تھی۔ لیکن اس کی کوئی خاص مقدار واجب نہ تھی۔ بلکہ رسول پاکؐ نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو اس وقت میں بھی آدمی کے خروج سے جو کچھ فاضل بچتا تھا اس کو صدقہ کر دینا واجب تھا۔ پھر ہجرت کے دوسرے سال تخفیف فرما کر زکوٰۃ کی مقدار معین کر دی۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ میں زکوٰۃ ادا کرنی مراد ہے۔ لیکن ابن عباسؓ کے دوسرے قول نیز ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی بچوں کو نفقہ دینا آیت میں مراد ہے۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں مگر آیت میں یہ مراد ہے کہ متقین وہ شرعی حقوق جو مال سے تعلق رکھتے ہیں ادا کرتے ہیں خواہ فرض زکوٰۃ ہو یا متعلقین کے مصارف یا اقارب و اجانب کے ادائے حقوق سب اس میں شامل ہیں۔

آیت مذکورہ کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ متقی لوگ خصائلِ حمیدہ اور شمائلِ پسندیدہ کے حامل ہوتے ہیں۔ اعمالِ فکریہ اور اعمالِ ممنوعہ سے پرہیز رکھتے ہیں۔ وہ خدا کا حق بھی ادا کرتے ہیں اور بندوں کا بھی۔ ان کا عقیدہ بھی صحیح ہوتا ہے اور اعمال و اقوال بھی۔ وہ عبادتِ بدنی بھی کرتے ہیں اور حقوقِ مالی بھی ادا کرتے ہیں۔

مقصودِ بیان مومن کا عقیدہ درست ہونا چاہیے۔ فرائضِ مذہبی اس کو ادا کرنا چاہئیں اور محرمات سے پرہیز رکھنا ضروری ہے۔ ایمان تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ نماز تمام بدنی عبادات کی سردار ہے۔ اسی کے اندر سنذہ بھی داخل ہے۔ کیونکہ نماز کے اندر وہ تمام چیزیں ممنوع ہیں جو روزہ کی حالت میں ممنوع ہیں۔ زکوٰۃ بھی اسلام کا ایک ضروری جزو ہے تقرب الی اللہ کی میراث نہیں۔ بلکہ جس کے عقائد و اعمال صحیح ہوں گے وہ متقی ہے۔ راہِ خدا میں اگر مال دیا جائے تو اعتدال کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ایسا نہ کیا جائے کہ کل مال دے کر آدمی خود فقیر ہو جائے۔ آدمی کو اپنی قوتِ علمیہ اور عملیہ کی تکمیل ضروری ہے۔ درحقیقت دینے والا خدا ہے دینے والے کو بھی خدا ہی نے دیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ

اور جو آپ پر اتاری ہوئی کتاب (قرآن) پر اور جو کتابیں آپ سے پہلے (اور نبیوں پر) اتاری گئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں اور

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

آخرت کا بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔

تفسیر يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے خدا تعالیٰ کی ذات و صفات، وجودِ ملائکہ، کتب الٰہیہ اور روزِ قیامت پر ایمان لانا مراد تھا۔ آیتِ مذکورہ میں اس عام معنی کے ایک حصہ کی خصوصیت کے ساتھ تصریح کر دی تاکہ یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کی تردید

toobaafoundation.com

ہو جائے کہ ہمارا بھی کتبِ سماویہ پر ایمان ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ غیب پر ایمان لانے والے متقی وہ لوگ ہیں جن کا ایمان خدا کے تمام صحیفوں پر ہو جو وحی آپ پر نازل ہوئی ہے اس پر بھی اور جو وحی گذشتہ پیغمبروں پر بھیجی گئی تھی اس پر بھی ہو اور وحی عام ہے۔ خواہ وہی وحی متلو ہو جس کو جبرئیلؑ خدا کی طرف سے بالفاظہٖ مقررہ ادا کرتے تھے یا وحی غیر متلو ہو اور بلا توسط جبرئیلؑ اور بلا تخصیص الفاظ صرف دل میں القاء ہوا ہو یا انکشاف روحانی ہو یا الہامی مضامین ہوں جن کو مختلف پیغمبروں نے اپنی عبارتوں میں تعبیر کر کے لکھوا دیا تھا بہرحال ان تمام صحیفوں، کتابوں، الہاموں اور انکشافوں کو وہ لوگ برحق مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ان کو یقینِ کامل ہے۔ دنیا کے رنج و راحت کو وہ ہیچ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی ایمان بالغیب رکھنے والے ہیں۔ یہود و نصاریٰ مومن بالغیب نہیں ہیں۔ کیونکہ یہود تو ان کا ایمان تو انجیل و قرآن دونوں پر نہیں ہے اور عیسائی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے اور ایمان بالغیب اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کل آسمانی وحی پر ایمان نہ ہو۔

مقصودِ بیان ایمان بالغیب کی کیفیت کا بیان اور اس کے حصول کی ترغیب۔ یہود و نصاریٰ مومن بالغیب نہیں ہیں۔ آخرت ہی درحقیقت یقین کے قابل ہے اور دنیا کے لذائذ و مصائب تو فانی اور زوال پذیر ہیں ان پر یقین اور بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے رستہ پر ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

تفسیر جب خدا تعالیٰ متقیوں کے اوصاف گزشتہ آیات میں بیان کر چکا اور سعادت کی کل تفصیل ختم ہو گئی تو اب اس سعادت کے نتیجہ کو اس آیت میں ذکر کرتا ہے۔ یعنی پہلے یہ بیان کیا کہ قرآن سے پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اور پرہیزگاری خدا کی ہدایت ہے اور خدا کی ہدایت کا نتیجہ کیا ہے۔ وہ اس آیت میں ذکر کر رہے کہ فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن متقین کا اوپر بیان ہو چکا وہی اپنے رب کی جانب سے ہدایت کاملہ پر ہیں اور انہی کو دین و دنیا میں کامیابی حاصل ہوگی حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آیت میں ہدایت سے مراد نور و استقامت ہے اور فلاح سے مراد خیر و خوبی کا حصول اور بدی سے نجات ہے۔ یعنی انہی لوگوں کو خدا کی طرف سے نور و استقامت حاصل ہے اور انہی کو ہر بدی اور برائی سے نجات ملتی ہے اور یہی کامیاب ہوں گے۔

مقصودِ بیان ہر نورِ استقامت اور ہدایت خدا کی طرف سے حاصل ہوتی ہے مسلمان کو چاہیئے کہ خدا ہی سے استقامت اور ہدایت کے حصول کی دعا کرے۔ متقی ہی آخرت میں صاحبِ فلاح ہوں گے۔ جن لوگوں کو خدا کی طرف سے دنیا میں ہدایت حاصل ہوتی ہے وہی آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ وجودِ فلاح ہدایت پر مترتب ہے۔ آیت میں اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ جس طرح تربیت جسمانی کرتا اسی طرح اپنی ہدایت سے تربیتِ روحانی بھی کرتا ہے لہٰذا انسان کو جسمانی اور روحانی پرورش کے لیے چھوٹا سا چھوٹا سوال بھی اسی سے کرنا چاہیئے۔ آیت میں ایک بلیغ ترین پیرایہ میں

toobaafoundation.com

تقویٰ کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ

یہ یقینی امر ہے کہ کافرین ومنکرین کو خواہ آپ (عذاب الٰہی سے) ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ تو ایمان لائیں گے نہیں

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ

(کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور (آخرت میں)

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾

ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

تفسیر آیت خَتَمَ اللّٰہُ الخ ولید بن مغیرہ، عتبہ، شیبہ اور ابوجہل وغیرہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی جن کی موت اللہ کے ازلی علم میں کفر پر ہی تھی۔

چونکہ خدا تعالیٰ نے سعید روحیں رکھنے والوں کا حال اور نتیجہ بیان فرمادیا تو مزید توضیح کے لیے اہل شقاوت کا حال ومآل بیان کرنا شروع کیا تاکہ دانشمند طبقہ اول الذکر فرقہ کے حال ومآل کو پیش نظر رکھ کر اس کی طرف راغب ہو اور مؤخر الذکر فرقہ کی حالت ونتیجہ پر غور کرکے اس سے اعراض وتحرز کرے اور حق نکا اہل شقاوت دو طرح کے تھے ایک تو وہ جو علم کھلا حق کے مخالف تھے جن کو کافر کہا جاتا تھا اور دوسرے وہ جو ظاہر میں تو اہل حق کے موافق تھے اور باطن میں ان کے مخالف تھے۔ مسلمانوں سے بالکل تضاد اور تقابل کافروں ہی کو تھا۔ کیونکہ مسلمان ظاہر وباطن دونوں حالتوں میں مؤمن ہوتا ہے اور کافر دونوں حالتوں میں مخالف اور منکر ہوتا ہے۔ اس لیے آیت میں پہلے کفار کا حال بیان فرمایا۔ گذشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے کافروں کے لیے نہیں۔ حالاں کہ ضرورت اس امر کی تھی کہ کافروں کے لیے ہدایت ہو۔ کیونکہ متقی تو خود ہدایت یافتہ ہیں ان کو ہدایت کی کیا ضرورت۔ آیات مذکورہ میں ایک استدلالی اور شبہ ہائی صورت میں اس خیال کی تردید فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کسی وجہ سے کفر یا شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں یا نگاہوں کا رنگ ان کے دلوں پر چڑھ گیا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ نور ازلی سے محروم نہیں ہیں ان کو نور قرآن سے ہدایت ہوگی اور وہ شرک، کفر اور معاصی سے کنارہ کش ہو کر ضرور راہ راست پر آجائیں گے۔ لیکن جو لوگ ازلاً نور الٰہی سے محروم ہیں ازلی بدنصیب ہیں۔ ان کو تم اتمام حجت کے لیے کفار ہی عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔ لیکن ان کو قرآن سے راہ راست پر لاسکتے ہو نہ تمہارے خوف دلانے سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ازلی بدنصیب ہیں۔ ان کے دلوں پر معاصی اور تمرد کے زنگ چھائے ہوئے ہیں۔ یہ نظریہ صحیح ہے اعراض کرتے اور مگر اہی میں منہمک رہتے ہیں۔ کفر ومعاصی کو پسند کرتے اور ایمان سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کے دلوں کے اندر حقانیت وصداقت کا نفوذ نہیں ہو سکتا

toobaafoundation.com

ان کے کان حق بات کے سننے سے نفرت کرتے ہیں اور آنکھیں نابینا ہیں۔ [illegible] بینات اور قدرت الٰہی کو نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو خدا نے بھی ان کے دلوں پر غفلت، جہالت اور قساوت کے پردے ڈال دیے۔ ان کے کانوں کو بہرہ کر دیا اور آنکھوں کی بینائی چھین لی۔ بس اب مہر الٰہی کی وجہ سے ان کے دل بہائم کے ایسے دل ہو گئے۔ حق و صداقت، تبلیغ و تعلیم اور انذار و ہدایت ان کے لیے بے سود ہے۔ نہ آنکھوں سے ان کو حقانیت دیکھتی ہے۔ نہ کانوں سے سچائی کی باتیں سن سکتے ہیں۔ نہ عقل حواس اور مشاہدے درک حقیقت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ تم اور قرآن حقائق اشیاء کو بدل نہیں سکتے جو ازلاً نور الٰہی سے محروم ہیں ان کو یہاں کون منور کر سکتا ہے۔ تمہاری تبلیغ اور قرآن کی ہدایت میں کوئی قصور نہیں۔ لیکن ازلی بدقسمتوں کو بھلائی نصیب نہیں ہو سکتی۔ جبلی کجروی اور طبعی تاریکی ان کو کفر و معصیت کی طرف بخوری کی حالت میں دوڑاتی ہے۔ امور فطرت سے ان کو دلی نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں، اور کسی طرح حق و صدق کی قابلیت ان میں باقی نہیں رہی۔ اب لامحالہ ان کے لیے تکلیف دہ اور اذیت رساں عذاب تیار ہے جس سے کسی طور پر ان کو رہائی نہیں مل سکتی۔ وہ اس کی سزا ضرور بھگتیں گے۔

مقصود بیان کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جو شخص کفر و گناہ سے دلی محبت اور نور و ایمان سے قلبی نفرت رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ سعادت و شقاوت کی پیدائش خدا کے حکم سے ہے۔ لیکن ان کے اسباب کا ارتکاب کر کے بندے خود ان دونوں میں سے کسی ایک کا مستحق بن جاتا ہے۔ آیت میں اخبار بالغیب واقعی پیشین گوئی اور کفر و شرک سے ترہیب بھی ہے۔ اس امر کی طرف ایک لطیف ترین اشارہ بھی ہے کہ محرومان قسمت کے روسیاہی کے تینوں ذرائع بیکار ہوتے ہیں نہ تو ان میں خود بھی اتنی عقل ہوتی ہے کہ غور کر کے راہ راست اختیار کریں۔ نہ ان کی آنکھوں میں ایسی قوت بینائی ہوتی ہے کہ آیات الٰہی اور نشانہائے قدرت کو دیکھ کر حق و باطل کا امتیاز کر سکتے ہوں اور نہ ان کے کانوں میں ایسا مادۂ شنوائی ہوتا ہے۔ جس سے مخبر صادق کے کلام حق کو سن سکیں۔ خَسِرُوْا خُسْرَانًا مُّبِیْنًا۔ جب خدا تعالیٰ کفار کے احوال بیان کر چکا تو اب گمراہوں کے دوسرے فرقے یعنی اہل نفاق کی حالت بیان فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور روز قیامت پر بھی حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں

تفسیر مدینہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو بظاہر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم اللہ رسول اور روز قیامت پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے اور اس سے مقصود ان کا صرف یہ تھا کہ مسلمانوں میں مل کر دنیوی منافع سے بہرہ اندوز ہوں اور ان تمام مختیوں سے محفوظ ہو جائیں جو کفار پر ہونے والی تھیں۔ یہ گروہ منافقین کا تھا اور ان میں سرگروہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے سے قبل اہل مدینہ نے بالاتفاق اس کو مدینہ کا سردار بنانا چاہا تھا لیکن جب

toobaafoundation.com

حضور گرامی تشریف لے آئے اور لوگوں کی مُردہ تاریک روحوں میں نئی زندگی کی روشنی پیدا کردی تو اس وقت ابن ابی کا کوئی اعتراض اور امتیاز قائم نہ رہا۔ اسی بنا پر اس شخص کو اہل اسلام سے حسد اور بغض پیدا ہوگیا۔ مگر غلبۂ اسلام کی وجہ سے یہ اپنے خبثِ باطن کو ظاہر نہ کرسکا اور لوگوں کے ساتھ خود بھی بظاہر مسلمان ہوگیا۔ لیکن یہ اور اس کے رفیق ہمہ دم پردہ اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے اور آفتاب پر خاک ڈال کر چھپانے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ منافقین قبائل اوس و خزرج کے بعض افراد تھے اور بھی قول ابوالعالیہ، حسن، قتادہ اور سدی وغیرہ کا ہے۔ بہرحال آیتِ ذکر کردہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مدینہ اور اطراف مدینہ کے رہنے والے تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ یعنی منافق کہتے ہیں کہ ہم خدا اور روزِ قیامت پر ایمان لے آئے اور احکام میں مسلمانوں کی طرح ہوگئے۔ حالانکہ یہ لوگ نہ تو پہلے ایمان لائے۔ نہ اب آئندہ مومن ہوسکتے ہیں۔ یہ مومنین کے دائرہ سے ہی خارج ہیں۔ زبان کا خدا پر ایمان ہے۔ نہ قیامت پر۔ نہ دینی و قرآن پر۔

مقصودِ بیان منافقین کی حالت کی مزید توضیح فرمائی تاکہ سچے ایمانداروں کو ان کے افعال و اقوال دیکھ کر دھوکہ نہ ہو۔ جو شخص زبان سے اسلام اور ایمان ظاہر کرے مگر دل میں بالکل منکر و ہودہ مومن نہیں۔ جو شخص دل میں متردد اور مذبذب ہو اور زبانی سے اقرارِ اسلام کرے وہ بھی منافق ہے۔ جس شخص کے دل میں حبِّ دنیا، طلبِ عزت و جاہ اور غلبۂ شہوت کی وجہ سے تصدیق اور یقین نہ ہو اور دنیا کے منافع و مصالح کو ایمان پر مقدم سمجھتا ہو وہ بھی مومن نہیں۔ اگرچہ بظاہر اسلامی احکام اور شرائع اسلام سے بہرہ اندوز ہو۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

یہ لوگ اللہ سے اور مومنین سے دغا بازی کرتے ہیں اور (واقع میں) وہ سوائے اپنے آپ اور کسی کو دغا نہیں دیتے اور ان کو سمجھ نہیں۔

تفسیر یہ گذشتہ آیت کا تتمہ ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ دھوکے بازیں۔ خدا سے اور مسلمانوں سے فریب کرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ لیکن ان کو اس کا شعور نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ منافق خدا اور مسلمانوں کو دھوکا اور فریب دینا چاہتے ہیں کہ خبثِ باطن کے باوجود اظہارِ اسلام کرتے ہیں، اور فی الحقیقت یہ اپنے آپ کو فریب دے رہے ہیں۔ خدا علام الغیوب ہے اس کو یہ دھوکا نہیں دے سکتے اور نہ مسلمانوں کو فریب دے سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی مکاری کی اطلاع دیتا رہے گا۔ کرکرا اثر نہ خدا پر پڑ سکتا ہے نہ مسلمانوں پر بلکہ اُلٹا انہی پر پڑے گا۔ دنیا میں بھی ان کی رسوائی اور ذلت ہوگی اور آخرت میں بھی عذابِ الٰہی سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔ لیکن اس بدبخت کو ان کا احساس و شعور بھی نہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ خدا کو کون دھوکا دے سکتا ہے اور مکر کرنے سے اپنا ہی نقصان ہے۔ انتہائے جہالت سے اتنی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

toobaafoundation.com

مقصود بیان جو لوگ مسلمانوں اور صوفیوں کی ایسی شکل بنا کر لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں وہ خود اپنا نقصان کرتے ہیں۔ دھوکا بازی قطعاً حرام ہے۔ خصوصاً احکام اسلام میں دھوکا بازی کرنی سخت جرم ہے وغیرہ۔

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

ان کے دلوں میں (شک اور نفاق کی) بیماری ہے سو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا ہے اور ان کو دردناک عذاب اس

اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

وجہ سے ہوگا کہ وہ (آیات خداوندی کو) جھٹلاتے تھے۔

تفسیر یہ گزشتہ آیت کی علت ہے۔ پہلی آیت میں ذکر کیا گیا تھا کہ یہ لوگ اگرچہ ایمان کے مدعی ہیں لیکن درحقیقت یہ مومن نہیں ہیں۔ صرف فریب دہی ان کا اصل مقصد ہے۔ لیکن فریب دہی کا وبال انہی کی طرف عائد ہوتا ہے والا ہی کیونکہ ان کے دل بیمار ہیں۔ الخ

علماء تابعین مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس اور ابوالعالیہ وغیرہ کے نزدیک آیت، مذکور میں مرض سے مراد دل کا مرض یعنی شک و نفاق ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مرض سے مراد جسمانی بیماری نہیں بلکہ دینی مرض مراد ہے کیونکہ جس طرح بدنی بیماری سے بدن کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دین میں شک کرنے سے دین ضعیف ہو جاتا ہے اور جس طرح معمولی بیماری موت اور زندگی کی بیچ کی حالت ہے اسی طرح نفاق بھی کفر و اسلام کے بین بین حالت کا نام ہے۔ اسی لیے نفاق کو مرض فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ منافقوں کے دل نفاق کی وجہ سے مریض تو تھے ہی اب جوں جوں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں اور انھوں نے ان آیات کو دل سے نہیں مانا تو ان کا مرض نفاق دن بدن بڑھتا ہی گیا۔ آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان کی فریب بازی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی فطرت میں صحت و سلامتی نہیں اور دل پر مرض شک عارض ہے۔ لہٰذا جس قدر فطرت کو درست کرنے والی اور روح کو صحت بخشنے والی باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی گئیں اور انھوں نے ان سے خلاف ورزی کی تو ان کے اس اصلی مرض کو ترقی ہوتی گئی اور جس طرح جسمانی امراض کا نتیجہ موت ہے اسی طرح روحانی امراض کا ثمرہ اس عالم میں عذاب الیم ہے۔

بات یہ ہے کہ آسمانی پانی ہر درخت اور تخم کی بالیدگی اور نشوونما کا باعث ہے۔ مگر کسی درخت میں اسی پانی سے کانٹے اور کڑوے پھل پیدا ہوتے ہیں اور جس کا تخم ویسا ہوتا ہے اس سے عمدہ اور خوشبودار پھل نکلتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم مومنوں کے لیے شفا اور کج فطرت رکھنے والوں کے لیے زیادتی مرض کا سبب ہوتا ہے اور اس کی وجہ صرف ان کی فطرتی تکذیب ہوتی ہے۔

مقصود بیان ہدایت و گمراہی، یا سعادت و شقاوت محض اصلی استعداد اور سرشتی قابلیت کے موافق ہوتی ہے۔ ازلی بیماروں کا مزاج فاسد ہوتا ہے۔ ان سے ویسے ہی افعال ناشائستہ سرزد ہوتے ہیں۔ تمام امور کا خالق خدا ہے۔ مگر بظاہر ان امور کی اسناد مختلف ظاہری اسباب کی طرف ہوتی ہے۔ اس امر کی طرف بھی ایک نازک ترین اشارہ

toobaafoundation.com

ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مجبور نہیں ہے۔ بلکہ اختیار رکھتا ہے اور اسی اختیار کی وجہ سے وہ سزا و جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ جھوٹ بولنا حرام ہے، تکذیب قرآن سے روح بیمار ہو جاتی ہے۔ ہر عمل کی جزا یقینی ہے، خدا ظالم نہیں ہے کہ بن کئے کسی کو عذاب دے بلکہ عذاب کا سبب صرف اعمال ہیں۔ منافق کا درجہ کافر سے بدتر ہے۔ کافر کو صرف ایک جہلی بیماری ہوتی ہے اور اس کی سزا بھی آخرت میں ملے گی۔ منافقوں کے دل میں دو بیماری ہوتی ہیں۔ لہٰذا سزا بھی دوگنی ملتی ہے۔ آخرت میں جو سزائے دی وہ تو ہر صورت کافروں کی سزا سے بڑھ کر ہے باقی دنیا میں بھی ان کو سزا ملتی ہے جس دین کو دل نہیں چاہتا اس کو بکراہت خاطر قبول کرنا پڑتا ہے اور پھر دلِ ناخواستہ جہاد میں شریک ہونا پڑتا ہے اور جبراً اپنے خیر خواہوں سے لڑنا پڑتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم ملک میں فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو بھلائی اور اصلاح کرتے ہیں

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ

درحقیقت یہ لوگ فسادی ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے

تفسیر ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور دیگر بعض صحابہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ میں فساد سے مراد کفر و معصیت ہے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ منافقین کا فساد یہ تھا کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ کیونکہ آسمان و زمین کی صلاحیت تو خدا تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ربیع بن انس، مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے فساد کے ایک عام معنی بیان کئے ہیں۔ وہ یہ کہ منافقوں نے جب ملک میں خدا کی نافرمانی پھیلائی اور جن امور سے ان کو منع کیا گیا تھا ان کا ارتکاب کیا۔ فرائضِ الٰہی کو اداء نہ کیا۔ دینِ اسلام میں شک پیدا کیا۔ مسلمانوں کی تکذیب کی اور جب کبھی موقع آیا کافروں کی امداد کی تو اس سے ملک میں فساد پیدا ہوا جس کو وہ اپنی دانست میں اصلاح سمجھتے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافقوں پر قلعی مرض یہاں تک غالب آگیا کہ گمان کو نیک و بد میں بھی تمیز نہیں رہی۔ کیونکہ جب مسلمان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خدا تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں کہ تم ملک میں فساد نہ ڈالو، دو غلا پن نہ کرو، اسلام کی کشتی سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ باطن میں بھی کافروں کے طرفدار نہ بنو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو بھلائی اور اصلاح کرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ لوگ مفسد ہیں۔ ہمیشہ فساد کرتے رہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فساد ہو سکتا ہے کہ ان کے دوغلے پن سے کافر تو یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلام میں کوئی اور خوبی نہیں ہے۔ یہ لوگ اسلام میں داخل ہو کر بھی ہر طرح معصیت میں مبتلا ہیں اندرونی طور پر بیماری طرف مائل ہیں۔ اگر اسلام میں خوبیاں ہوتیں تو یہ کیوں ہماری طرف رُجحان رکھتے۔ ادھر مسلمانوں کو بھی ان کی ذلت سے ضرر پہنچتا تھا کہ ایک مدعی اسلام کو جبکہ وہ دیکھ کر دوسروں کے دلوں سے بھی خوف ہٹ جائے گا اندیشہ ہوتا تھا۔ لہٰذا منافق دونوں طرف فساد ہی پاتا تھا۔ کافروں کے اندر بھی غلط فہمی پھیلاتا تھا اور مسلمانوں کو بھی دھوکا دیتا تھا۔

toobaafoundation.com

مقصود بیان احکام الٰہی کی پابندی اور اخلاق کی درستی سے عالم میں اصلاح ہوتی ہے اور گناہوں کے ارتکاب سے انتظام عالم میں خلل آتا ہے۔ جب انسان اپنے عیب کو عیب نہیں سمجھتا تو تباہ ہو جاتا ہے شعور و احساس کا فوت ہونا بڑی بلا ہے۔ کافروں سے دینی معاملات میں دلی دوستی کرنا قطعاً حرام ہے۔ کھلے پن کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں نکلتا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم (بھی) ایمان لاؤ جس طرح (اور) لوگ ایمان لائے ہیں (تو) کہتے ہیں کیا ہم بھی ایمان لے آئیں

السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ۝

جس طرح بے وقوف ایمان لے آئے ہیں۔ سمجھ لو یقیناً یہی بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں

تفسیر اس آیت میں منافقوں کی حالت کا بیان ہے یعنی جب منافقوں سے ناصح کہتا ہے کہ صحابہ کی طرح تم بھی سچے دل سے خدا تعالیٰ پر، ملائکہ پر، خدا کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، روزِ قیامت اور جنت و دوزخ وغیرہ پر ایمان لاؤ، فتنہ و فساد ترک کر دو، ان فانی لذات سے کنارہ کش ہو جاؤ اور مردانِ خدا کی طرح عالم فانی کو چھوڑ کر عالم باقی کو اختیار کرو اور غیر فانی لذتوں کے حصول کے لیے تن من دھن سب کچھ قربان کر دو تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں۔ خیالی جنت و دوزخ کے لیے مقاصدِ دنیا کو چھوڑ بیٹھیں۔ دنیا دین سے مقدم ہے۔ آخرت کی نعمتیں کس نے دیکھی ہیں جس کو یہاں عیش و آرام ہے بس ہر جگہ عیش و آرام ہے۔ یہ لطفِ زندگانی یہ مزے اور یہ جلسے کون چھوڑے۔ اُدھار پر نقد کو کون ہاتھ سے دے۔ یہ لوگ تو احمق ہیں کہ دنیوی عیش و آرام اور چین و راحت چھوڑ کر شب و روز ایک موہوم خدا کی یاد میں موہوم مقاصد کے لیے مشغول ہیں۔ اپنے منافع پر بھی نظر نہیں کرتے۔ ہمارے لیے تو یہی مناسب ہے کہ دنیا سازی سے کام لیں۔ ایک طرف ہو جانا عقلمندی کے خلاف ہے۔ اپنی قوم سے بھی ملے رہیں اور مسلمانوں سے بھی۔ کیونکہ اگر مسلمان مغلوب ہو گئے تو برادری والوں کی نظر سے نہیں گریں گے اور اگر مسلمانوں کا دور دورہ ہوا اور ان کا وقت آیا تو بھی ہمارا مقاطعہ سے نہ جائے گا۔ اس کی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ درحقیقت احمق و بیوقوف بھی لوگ ہیں انجام بیں نہیں۔ عاقبت اندیش نہیں۔ فانی اور زوال پذیر لذتوں کو لازوال نعمتوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اس عالم بقا کے مقابلہ میں جس کا زمانہ غیر متناہی ہے ان لمحاتِ فانیہ پر مفتون و فریفتہ ہونا اور اس یقینی امر کے لیے تیاری نہ کرنا نہایت حماقت و سفاہت ہے۔ جس طرح نادان بچے نداسی ناپاک مٹھائی سے بہل جاتے ہیں اللہ قیمتی جواہرات ہاتھ سے دیدیتے ہیں اسی طرح ان لوگوں کی حالت ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ عالمِ آخرت برحق ہے۔ وہاں جانا برحق ہے۔ رسول بھی برحق ہیں اور ان کا وعدہ بھی سچا ہے تو پھر مذبذب رہنا اور دو ظاہر کرنا سراسر حماقت ہے۔ لیکن یہ لوگ امراضِ روحانی میں گرفتار ہیں۔ ان کو بُرے بھلے کا امتیاز نہیں رہا۔ ان کو انجام کی خبر نہیں۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان جس کام کا نتیجہ اچھا ہو اُسی کا اختیار کرنا عقلمندی ہے۔ حماقت و عقلمندی کا معیار یہ دنیوی عقل نہیں ہے بلکہ جس شخص میں دینی عقل ہو وہی عقلمند ہے خواہ دنیا کے معاملات میں بالکل وقوف ہو اللہ جس شخص کو نہیں فہم و دانش نہیں وہ بے وقوف ہے خواہ دنیا کے کاموں میں تیز ہو۔ صحابہ کا ایمان یا ان جیسا ایمان ہی معتبر ہے۔ ان کے فہم کے طفیل اور تمام اصحاب کی شہادتیں نقوی ہیں۔ اتباعِ صحابہ لازم ہے۔ آیت میں دقیق پیرائے ہیں۔ ایمان لانے کی طرف بھی اشارۃ امر کیا گیا ہے انجام بینی اور عاقبت اندیشی عقل کا کام ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ

اور یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں (تو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں (سرداروں) کے

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ

پاس جاتے ہیں (تو) کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو (مسلمانوں سے) مسخر کرتے ہیں ان کے مسخر کی اللہ اُن کو جزا دیتا ہے

وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

اور اُن کو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکے پھریں۔

تفسیر یہ منافقوں کی حالت کا تتمہ ہے۔ پہلے اُنہی سے کہا گیا تھا کہ بُری خصائل کو چھوڑ دو۔ فتنہ و فساد خدا کی زمین پر سے اٹھا دو۔ اپنے گناہوں سے انتظام عالم میں خلل نہ ڈالو۔ اس کے بعد کہا گیا کہ ایمان لے آؤ۔ نیک اعمال کرو۔ لیکن منافقوں ذی اس نصیحت پر عمل نہ کیا بلکہ نفاق اور دوغلا پن تائم رکھا۔ چنانچہ اسی نفاق کی صورت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اب تک کہتے ہیں کہ آیت میں شیاطین سے مراد منافقوں کے سردار اور رئیس ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منافقوں کے ساتھی بھی شیاطین میں داخل ہیں، اور وہ یہودی بھی مراد ہیں جو مالداری کی وجہ سے منافقوں کے سردار بنے بیٹھے تھے اور اسلام کے متعلق ان کے دلوں میں شک ڈالتے اور تکذیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آمادہ کرتے تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ہر جنس میں جو سرکش اور متمرد ہو وہ اس جنس میں شیطان ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ جب منافق مسلمانوں سے ملتے تھے قرآن کے خوش کرنے کو کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں۔ لہٰذا جو مال غنیمت تم کو جہاد میں حاصل ہوا ہے اس میں سے ہم کو بھی حصہ دو۔ لیکن جب اپنے سرداروں کے پاس تنہائی میں جاتے تھے تو اُن سے کہتے تھے کہ درحقیقت دین میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم مسلمان نہیں ہوئے۔ اس کے جواب میں سردار ان سے کہتے تھے کہ تم تو مسلمانوں کے پاس جا کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہو اور ان سے ایمان کا عہد کر چکے ہو پھر ہم کیسے یقین کر لیں کہ تم دین میں ہمارے ساتھ ہو۔ یہ بدباطنی فرقہ جواب دیتا تھا کہ تم اطمینان رکھو واقعی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو مسلمانوں سے بطور دل لگی اور مذاق

toobaafoundation.com

کے لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بیوقوف اور سیدھے سادے آدمی ہیں۔ ہماری اس بات کو سچ جان کر ہم کو اپنے پر شنیدہ لازمتا دیتے ہیں اور دلی ارادوں سے مطلع کر دیتے ہیں اور فوائد میں شریک بنا لیتے ہیں۔ اس کی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کیا ہنسی اور دل لگی کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو کیا بیوقوف بنا رہے ہیں۔ خدا اس دھوکا بازی اور استہزا کی سزا دے رہا ہے کہ ایسی خراب حالت میں ان کو چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی سرکشی اور حماقت میں سرگرداں پھرتے رہیں جس کا نتیجہ دنیا میں بھی خراب ہے۔ مسلمانوں اور کافروں میں رُسوائی ہے اور آخرت میں بھی سخت عذاب ہے۔ لیکن ان کو اس کا علم نہیں کہ ہمارے ساتھ یہ معاملات کیوں ہیں۔

مقصودِ بیان خدا تعالیٰ ضرور اعمالِ انسانی کی سزا دیتا ہے۔ اگر آدمی خود گناہ میں گھستا چلا جائے تو خدا تعالیٰ بھی ڈھیل چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ انسان بعض دنیوی فوائد کے حصول سے خوش ہوتا ہے اور درحقیقت وہ فوائد اس کے لیے زہر قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے مقدس لوگوں سے ہنسی کرنی خدا تعالیٰ سے ہنسی کرنی ہے اور ان کا ادب خدا کا ادب اور ان سے محبت کرنی خدا سے محبت کرنی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی طرف سے خود بدلے لیتا ہے۔ وغیرہ۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی سو نہ سودمند ہوئی ان

تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ

کو اُن کی تجارت اور نہ وہ ہدایت یاب ہوئے

تفسیر ہر ہر انسان کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک فطری ہدایت ہے۔ اگر اس پر عوارض اور موانع پیش نہیں آتے تو اس کی وجہ سے ہر انسان نیکی اور حیاتِ ابدی کے راستہ پر چل سکتا ہے۔ ان منافقوں نے اپنی بداعمالیوں سے اس نورِ فطرت کو بجھا دیا اور جو طبعی ہدایت ان کو حاصل کرنی چاہیے تھی اس کو نظر انداز کر کے اپنے اندر اخلاقِ رذیلہ اور ملکاتِ فاسدہ پیدا کر لیے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ہم نے یہ سودا بڑا اچھا کیا۔ منہ سے کلمۂ توحید کہہ دیا اور اس کی بدولت دنیوی منافع حاصل کر لیے۔ اس سے زیادہ سودمند تجارت اور کیا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس تجارت میں ان کو نفع نہ ہوا۔ انھوں نے اپنی عمرِ عزیز اور بے بہا نورِ فطرت صرف کر کے دنیا کے زوال پذیر منافع اور فضائی فوائد حاصل کر لیے۔ یہ تجارت فائدہ کی نہ ہوئی بلکہ درحقیقت فطرتاً ان کو تجارت کرنی آتی ہی نہیں ہے۔ کیونکہ تجارت یہ تھی کہ اپنی جان مال کو خدا کی راہ میں صرف کر کے حیاتِ ابدی حاصل کرتے۔ مگر انھوں نے اصل مال (فطرتِ سلیمہ) کو بھی برباد کر دیا۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان انسان اگر خواہشاتِ انسانی اور ترغیباتِ شیطانی کو اپنے دل سے دور کر دے تو پھر نورِ فطرت اس کو سیدھے راستہ کی طرف لے جاتا ہے۔ گمراہی اور ہدایت فطری چیزیں ہیں۔ اگر فطری نورِ ہدایت کو انسان بجھا دے تو پھر ہدایت ملنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ ہر انسان کو ہدایت حاصل کرنے کی خود کوشش کرنی چاہیے۔ عرضِ نہایت عزیز اور بے بہا چیز ہے، جس کا عوض صرف روحانی روشنی اور حیاتِ ابدی ہو سکتی ہے۔ دنیوی مال و دولت اور عیش و آرام حاصل کرنے کے لیے اس جوہرِ گراں بہا کو صرف کر دینا حماقت ہے۔

منافقوں کی حالت کی مزید تشریح کے لیے خداوند تعالیٰ نے آئندہ آیات میں دو مثالیں بیان فرمائیں جس شخص کو کسی قدر ایمان کے موافق اسرارِ الٰہی کا کچھ علم ہو وہی ان مثالوں کی حقیقت کماحقہٗ سمجھ سکتا ہے۔ پہلی مثال ذیل کی آیات میں مذکور ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۖ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ

ان لوگوں کی مثال اس شخص کی ایسی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب اس نے اپنے اِرد گرد کو روشن کر دیا گیا

اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ○ صُمٌّ بُكْمٌ

اللہ تعالیٰ ان کی روشنی اور چھوڑ دیا اُن کو تاریکیوں میں کہ وہ دیکھ نہیں سکتے بہرے گونگے

عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ○

اندھے ہیں کہ وہ نہیں پھر سکتے

تفسیر ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ اور قتادہؒ اور سدیؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو اس زمانہ میں کچھ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن بعد کو وہ منافق ہو گئے تو ان کی مثل ایسی ہوئی جیسے کسی شخص نے تاریک رات میں آگ جلائی اور جب کوئے کے کرٹ کے جلنے کی وجہ سے آس پاس روشنی پیدا ہو گئی تو تمام خوف انگیز اور ایذا رساں چیزیں اس کو صاف نظر آنے لگیں۔ لیکن کچھ ہی دیر کے بعد آگ بجھ گئی تو اب اس کی حالت یہ ہو گئی کہ کسی موذی چیز سے بچنے کی اس میں طاقت نہ رہی اور نہ کوئی ایذا رساں چیز اس کو دکھائی دینی ممکن رہی۔ یہی حال منافق کا ہے کہ اوّل شرک کی تاریکی میں پڑا تھا پھر مسلمان ہوا تو حلال و حرام اور نیک و بد کو پہچاننے لگا پھر دوبارہ کفر میں پڑ گیا تو حلال و حرام اور خیر و شر کا امتیاز باقی نہ رہا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ منافقوں کی حالت میں آگ کی روشنی فقط یہی تھی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ عطا بن خراسانی کہتے ہیں کہ یہ منافق کی مثل ہے جو کبھی دیکھتا ہے اور کبھی نہیں دیکھتا۔ پھر اس کی قلبی نابینائی اس پر چھا جاتی ہے۔ عکرمہ، حسن، ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید

toobaafoundation.com

سے یہی قول مروی ہے۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ آیت میں فقط ایسے ہی منافقوں کا انحصار نہیں ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے۔ بلکہ ایسے منافق بھی آیت کے حکم میں داخل ہیں۔ جنھوں نے صرف زبان سے اظہارِ اسلام کیا تھا اور دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن منافقوں کی نسبت یہ گمان ہے کہ وہ ایمان لائے تھے پھر کافر ہو گئے۔ جیسے کہ ابن عباسؓ وغیرہ کے قول سے ظاہر ہے تو درحقیقت نورِ ایمان ان کے دل کے اندر جاگزیں نہیں ہوا تھا۔ بلکہ یہ ایک قصد تھا جو حواس میں اور دماغی مشاعر میں پیدا ہوا تھا اور اس سے ایک روشنی ظاہر ہوئی تھی اور وہ سری قسم میں ایسا بھی نہ تھا۔ درحقیقت دلی تصدیق کا ان دونوں میں سے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی کا ریز کرا ارادہ کرتا ہے اور پھر انسانی حواس اور نفسانی خطرات اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ آدمی اپنی واقعی حالت بھی دریافت نہیں کر سکتا۔ بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں کی حالت ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی ہو اور جونہی اس کی روشنی سے اس پاس کی چیزیں نظر آنے لگیں فوراً روشنی گل ہو گئی اور آگ بجھ گئی اور وہ شخص حیران پریشان رہ گیا۔ کوئی چیز سوجھائی نہیں دیتی۔ دوست دشمن اور اچھے بُرے کا امتیاز نظری جاتا رہا۔ یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ نورِ فطرت جو خدا تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں ودیعت رکھا ہے ذرا چمکا تھا اور ہر خیر و شر کے پہچاننے اور سعادت و شقاوت پر مطلع ہونے کا وقت آیا تھا قاسی وقت خدا تعالیٰ نے اس کو بجھا دیا یعنی ان کے نفاق، تعصب، عناد اور حبِّ جاہ و مال کے انھیاک نے اس چراغِ فطرت کو بالکل گل کر دیا۔ اب یہ بالکل بہرے ہو کر رہ گئے۔ کسی ہادی اور رہنما کی بات تک نہیں سُن سکتے اور گونگے بھی ہو گئے کہ اپنے قلبی مرض کو حکیم روحانی سے بیان کر کے علاج پذیر بھی نہیں ہو سکتے اور اندھے بھی ہو گئے کہ آثارِ قدرت دیکھ کر راہ پر نہیں آسکتے اور جب ہدایت کے تمام راستے بند ہو گئے تو اب ان کے ہدایت پر آنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہدایت کی اشعالِ جلائی اور رسولِ گرامیؐ کو مبعوث فرما کر دینِ اسلام کو روشن کیا تو تمام مخلوق کو اس روشنی میں منزلِ مقصود کا راستہ مل گیا۔ لیکن منافق اندھے بن گئے۔ کیونکہ جب آنکھ میں روشنی اور نور نہیں تو مشعل سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے اور اگر نرے اندھے ہوتے تو بھی غنیمت تھا۔ کیونکہ اندھا کسی کو پکار کر اس کی رہنمائی میں منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ مگر جب بہرہ اور گونگا بھی ہو تو اس کے راہ پر آنے کی بالکل امید نہیں ہو سکتی۔ حاصل یہ کہ منافقوں کے پاس نہ عقل کی آنکھ ہے کہ سیدھا راستہ خود پہچان کر اسلام لے آئیں۔ نہ کسی رہنما کی طرف رجوع ہے کہ کسی اللہ والے کا دامن پکڑ کر اس کی رہنمائی میں منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں اور نہ خود حق بات پر کان لگاتے ہیں۔ پھر بھلا ایسے شخص کے راستہ پر آنے کی کیونکر امید ہو سکتی ہے۔

مقصودِ بیان

دینِ اسلام روشنی ہے اور کفر تاریکی۔ اگر آدمی خود عقل سے سیدھا راستہ تلاش نہ کر سکے تو کسی دوسرے سے پوچھنا چاہیئے۔ ورنہ کم از کم اگر کوئی واقف کار خود بخود رہنمائی کرے تو اس کی بات کان لگا کر سُننا چاہیئے۔ نورِ ایمان کو نفاق، تعصب اور دیگر اندرونی اخلاقی گناہوں کی تیز ہوائیں گل کر دیتی ہیں۔ جب انسان خود گمراہ ہونا چاہے تو خدا بھی اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے اور ایمان کی روشنی اس سے چھین لیتا ہے۔ خدا جس کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے گمراہ کر دیتا ہے پھر اس کو راہِ راست نہیں مل سکتی۔ منافق کے اندر روحانی روشنی نہیں ہوتی کہ جس

toobaafoundation.com

کی وجہ سے حق و باطل اور خیر و شر کا وہ امتیاز کر سکے وغیرہ۔
اس مثال کے بیان کرنے کے بعد خدا تعالیٰ منافقوں کے احوال کی توضیح کے لیے دوسری مثال بیان فرماتا ہے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ

یا (ان کی مثال) کھلی بارش جیسی ہے کہ جس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہے اپنے کانوں میں انگلیاں

فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝

دیتے ہیں کڑک سے مارے موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرنے ہوئے ہیں منکرین کو قریب

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا

ہے کہ بجلی اُچک لے جاوے اُن کی آنکھیں جب چمکتی ہے اُن کے لیے (تو) اس میں چلنے لگتے ہیں

أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ

اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے اُن پر (تو) کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں سلب کر لیتا

تفسیر مدینہ کے دو منافق بھاگ کر مکہ کی طرف چلے راستہ میں بارش آ گئی جس میں کڑک اور گرج بہت زیادہ تھی۔ اندھیرا الگ چھا گیا۔ یہ دونوں حیران پریشان کھڑے رہ گئے۔ جب ذرا بجلی چمکتی تھی تو دو قدم چل لیتے تھے اور جب پھر اندھیرا چھا جاتا تھا تو کھڑے ہو جاتے تھے اور گرجنے کی ہولناک دہل کے مارے موت کے ڈر سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے۔ آخر حیران ہو کر کہنے لگے کہ کاش صبح ہوا اور بال بچے لے کر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں واپس جا کر بیعت کر لیں۔ چنانچہ صبح ہوئی تو یہ حاضر خدمت ہوئے اور توبہ کر لی۔ ان کی مثال اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ بالا میں بیان فرمائی۔

علامہ نیشاپوری اور محقق سیوطی نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں یوں حالت کی پوری حالت سے تو تشبیہ موجود ہی ہے۔ مگر ہر ہر حصہ کو دوسرے حصے سے بھی مشابہت ہے۔ چنانچہ نزولِ قرآن جو زندگی جاوید کا سبب ہے اس کو بارش سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ بارش سے تمام نباتات و حیوانات کی زندگیاں اور نشو و نما وابستہ ہے اور نزولِ قرآن حیاتِ ابد کا ذریعہ ہے اور قرآن میں جو کفر و نفاق، مذموم کا بیان ہے وہ تاریکیاں ہیں۔ پھر اس کفر و نفاق پر جو عذاب و زجر کی سخت وعید و تہدید ہے وہ مشابہ برعد ہے اور قرآن کے اندر جو وحدانیتِ الٰہی اور آیاتِ قدرت کی روشن دلائل مذکور ہیں وہ مشابہ برق ہیں۔ یہ بری دلائل و براہین ہیں جو اُن کے دلوں کو ہلا کر بے قرار کر دیتی تھیں۔ لیکن پھر بھی وہ اُن کو مسترد کرنا چاہتے تھے اور اس وعید و تہدید کے سننے سے اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور اس خوف سے اپنی عورتوں اور بچوں کو

toobaafoundation.com

کو مارتے تھے کہ کہیں اِن آیات کو سن کر وہ اسلام کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک یہ بارش اور چمک دمک ہی تھی۔ پھر اگر قرآن میں کوئی بات اپنی خواہش کے موافق ان کو مل جاتی تو وہ قدم اسلام پر چلتے تھے اور آخر میں جب ان کی خواہش کی تاریکی ہجوم کرتی تھی رُک جاتے تھے۔ لیکن یہ رُکنا اُن کے لیے منید نہ تھا۔ کیونکہ خدا کو ان پر ہر طرح سے قابو تھا اور خدا کی گرفت سے بچ کر وہ جا نہیں سکتے تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان منافق لوگوں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو بارش سے ڈر کر کہ جس میں سراسر ظلمت ہے گو بظاہر کڑک، چمک اور رات کی تاریکیاں بھی ہیں) کسی قحط سالی کے مقام میں چلے جائیں۔ بس یہی حالت ان لوگوں کی ہے کہ قرآن سے وجہ کہ آسمانی بلکہ روحانی پانی اور روح کو تر و تازہ کرنے والی بارش ہے) اور قرآن کے اوامر و نواہی اور عبادات و احکام کی مشقتوں سے ڈر کر کفر کے گھر میں اور نفاق کی اندھیری کوٹھری میں چھپنا چاہتے ہیں اور قرآن کی نفس کش باتوں سے کہ جو کڑک اور گرج کے مشابہ ہیں) اور اس کی قدرتی روحانی روشنی سے (کہ جو بجلی کی طرح ہے) ڈرتے ہیں اور اس کو باعث موت خیال کرتے ضلاق اور غفلت کی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں۔ تاکہ یہ آواز کان میں نہ پڑے اور اس سے نہ موجائیں اب یہ موت اگرچہ نفسِ امارہ کی موت ہے۔ رُوح کی موت نہیں ہے بلکہ روح کے لیے تازگی، شادابی اور حیاتِ ابدی ہے اور موت بھی ہو تو خدا سے کیونکر بھاگ سکتے ہیں۔ اس کے احاطۂ قدرت سے کوئی باہر نہیں۔ خصوصاً کفار کو تو وہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ پھر یہ حرکت سراسر حماقت اور نہایت درجہ کی سفاہت ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ منافق نفسانی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ جیسے وہ مسافر جو اندھیری رات میں چار ہا ہو بارش برس رہی ہو بادل گرج رہے ہوں، بجلی چمک رہی ہو۔ ان مصائب سے یہ غریب پریشان ہو جاتا ہو۔ اگر ذرا بجلی چمکتی ہو تو دو چار قدم آگے بڑھ لیتا ہو۔ لیکن پھر حیران پریشان کھڑا رہ جاتا ہو۔ اسی طرح منافق حیران ہیں۔ جب ذرا وعظ و نصیحت سنتے ہیں تو سنبھل جاتے ہیں۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں نصیحت کا اثر دل سے مٹا کر اسی گمراہی کی تاریکی میں گم جاتے ہیں۔ یہ نہیں خیال کرتے کہ بارش میں گرج، چمک اور کڑک سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن نتیجہ میں کھیتوں کی سرسبزی شادابی اور درختوں کی تر و تازگی ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام میں ابتداءً محنت، سختی اور افلاس سب ہی کچھ ہے۔ لیکن نتیجہ و انجام فلاح دارین ہے۔

دُکھ کے ساتھ سکھ اور رنج کے ساتھ راحت ہے۔ ظاہری تکلیف اندرونی راحت کا اگر سبب ہو تو بہتر ہے۔ ابتدائی مشقت انجام کی آسائش کا باعث ہو تو اس کو اختیار کر لینا چاہیئے۔ احکام اسلامی اگرچہ قیود معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن روح کو عذاب و اندوہ سے آزاد کرنے والے ہیں اس لیے قابلِ برداشت ہیں۔ صحت سے کسی شخص کو کسی تدبیر سے رہائی ملنی ناممکن ہے۔

مقصود بیان

لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ میں ایک لطیف ترین اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جس قدر چیزیں اسباب و علل کے ساتھ وابستہ ہیں کور بصیرت والے تو انہی اسباب و علل کو ان چیزوں کا فاعلِ حقیقی اور موجد و مولد جانتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی عقل کی آنکھوں میں نورِ حقیقی نہیں ہوتا۔ ان کی نظر بس اسی سبب اور مسبب و علت و معلول تک رسائی رکھتی ہے۔ لیکن جن کی چشمِ بصیرت وا ہے وہ کوتاہ نظری سے کام نہیں لیتے اور وہ ان تمام اسباب کی علت تلاش کرتے ہیں اور ان اسباب و علل کو وسائط محض

toobaafoundation.com

جان کر مسبب الاسباب کی طرف رجوع واشیاء کو منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ درحقیقت اسی کے قبضۂ قدرت میں تمام اسباب و مسببات کا وجود و بقاء وغیرہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۰

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں

تفسیر یہ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر چہ وہ موت کے خوف سے بجلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں یا ان کی آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں اور کڑک و گرج کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں تاکہ اس کی دہل سے مر نہ جائیں۔ لیکن خدا ان کی آنکھوں کا نور بینائی اور کانوں کی سماعت زائل کر سکتا ہے خواہ کتنی ہی محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔

مقصود بیان خدا کے قبضۂ و اختیار کا دائرہ غیر متناہی ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن مصلحت خاص کی وجہ سے نہیں کرتا۔ وہ دنیا کے تمام کافروں، منکروں اور قوانین الٰہی سے روگردانی کرنے والوں کو ایک دم ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن اپنی حکمت بالغہ کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا۔ خدا نے انسان کی ہدایت اور کامیابی کے تمام ذرائع مہیا کر دیئے۔ لیکن انسان ان کو اپنے لیے قید سمجھ کر ان سے بھاگتا ہے اور حیات ابدی کو اپنے لیے موت سمجھتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ

اے لوگو! تم اپنے اس رب کی پرستش کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

پہلے ہوئے ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ

تفسیر ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے مکہ والوں کو خطاب ہوتا ہے اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مدینہ والے مخاطب ہوتے ہیں۔ کیونکہ مکہ میں مسلمان کم اور کافر زیادہ تھے اس لیے بصورت عموم خطاب کرنا مناسب تھا اور مدینہ میں مسلمان زیادہ اور کافر کم تھے اس لیے صرف مسلمانوں کو خطاب کرنا موزوں تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ قرآن کے خطابات کا محل و مورد اگرچہ خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔ جہاں عام لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں تمام دنیا کے انسان خطاب میں داخل ہیں اور جہاں صرف مسلمانوں کو یہ خطاب کیا ہے وہاں تمام دنیا کے مسلمان حکم میں داخل ہیں۔

گزشتہ آیات میں سب سے پہلے مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ قرآن اہل تقویٰ اور متبعین شریعت

toobaafoundation.com

کے لیے باعثِ ہدایت ہے۔ پھر کافروں کی حالت بیان کی گئی۔ آخر میں منافقوں کے نفاق کی کیفیت کا اظہار کیا گیا۔ اب سب کو مجملاً مخاطب کیا گیا۔ کیونکہ تینوں فریقوں کے احوال بیان کرنے سے عموماً عقلمند انسان سعادت اور ہدایت کے مشتاق بن گئے تھے۔ لہٰذا مقصود اصلی یعنی توحید و عبادت کا بیان مناسب معلوم ہوا۔ تاکہ توحید و عبادت سے وہ وصف تقویٰ جس کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا اور جس سے سعادتِ ابدی اور ہدایتِ سرمدی معرضِ ظہور میں آتی ہے حاصل ہو جائے اور چونکہ عبادت کا استحقاق اسی وقت خصوصیت کے ساتھ ہو سکتا ہے جبکہ تمام لوگ اپنے وجود اور بقائے وجود میں خدا کے محتاج ہوں۔ اس لیے اول کا بیان تو لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تک کیا اور دوسری بات کا بیان آئندہ آیات میں آتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ اے لوگو! اپنے رب کو واحد جانو اور اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ نہ اعتقاد میں نہ صفت میں نہ فعل میں۔ کیونکہ وہی تمہارا اور تمہارے اسلاف کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے تمام سابق و لاحق انسانوں کو پیدا کیا۔ لہٰذا وہی الوہیت و عبادت کے لائق ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جو خالق ہوگا وہ مخلوق نہ ہوگا۔ دوسرے اپنے ایجاد و بقا اور ہستی میں اس کے محتاج ہیں۔ وہ وجود میں دوسروں کا محتاج نہیں۔ لہٰذا قابلِ پرستش وہی ذاتِ مقدس ہے نہ کہ تمہارے خیالی معبود اور وہ بھی پروردگار اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہاری اس عبادت گذاری اور اطاعت شعاری سے اس کا کوئی ذاتی فائدہ حاصل نہیں ہے بلکہ تمہارا ہی نفع ہے۔ تم کو صفتِ تقویٰ حاصل ہو جائے گی اور آتشِ جہنم سے بچ جاؤ گے۔ کیونکہ جب بندہ اپنی روح اور اپنے تمام اعضائے جسمانی سے خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے آگے سر نیاز خم کرتا ہے تو اس کی روح پر انوارِ الٰہی کی چمک پڑتی ہے اور روح کے روشن ہونے سے تقویٰ اور سعادتِ ابدی حاصل ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ معبود کے استحقاق کا معیار خالقیت ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے تمہاری ہستی عدم سے پیدا کی تو تمہاری ہستی کا معبود بھی وہی ہو سکتا ہے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ

جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کی چھت بنائی اور آسمان سے پانی

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ

برسایا پھر اس پانی سے میوے پیدا کیے تمہارے رزق کے لیے

تفسیر یہ استحقاقِ معبودیت والوہیت کی دوسری صفت کا بیان ہے۔ یعنی معبودیت کے استحقاق کا معیار ایک تو خالقیت ہے اور دوسرا ربوبیت یعنی بقائے زندگی کے اسباب مہیا کرنا اور ہستی انسانی کو تدریجی کمال تک پہنچانا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ہی نے تم کو پیدا کرنے کے بعد تمہاری بقائے حیات کے تمام اسباب مہیا کیے ہیں۔ زمین کو تمہارے آرام کے لیے نرم فرش بنایا۔ ایک بڑے حصہ زمین کو پانی سے باہر نکال دیا اور پھر اس کو نہ اس قدر نرم کیا کہ دلدل ہو جائے۔ نہ ایسا سخت اور ناقابل کہ رہنا ناممکن ہو جائے اور انسان لڑھک پڑے۔ بلکہ ایسا معتدل و مناسب بنایا کہ سب لوگ آرام سے اس پر رہتے

toobaafoundation.com

سوتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ پھر آسمان کو خیمہ کی طرح تمہارے لیے چھت بنا دیا۔ روشنی و تاریکی کا انتظام کیا۔ ان کے بعد تم کو اس سطح زمین پر رکھا اور روزمرہ تمہاری پرورش اور تربیت کا انتظام بھی کر دیا۔ اوپر سے پانی برسایا اور اس سے رنگا رنگ کے پھول و پھل پیدا کیے جن کو تم کھاتے استعمال کرتے ہو اور مزے اڑاتے ہو۔ حاصل مطلب یہ نکلا کہ خدا نے ہی تم کو پیدا کیا بنیت سے ہست بنایا اور اسی نے تمہاری بقائے حیات کے ذرائع پیدا کیے۔ رہنے کی جگہ، کھانے کے لیے رنگا رنگ کی غذا اور پہننے کے لیے لباس عطا فرمایا۔ لہٰذا تم اپنی ایجادِ ہستی اور بقائے ہستی میں اسی کے محتاج ہو اور جب تمہاری کل ہستی اسی کے احسان کی منت کش بلکہ اسی کے احسان پر موقوف ہے تو پھر اسی کو مستحق الوہیت سمجھو۔ شرک نہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تم علم رکھتے ہو

تفسیر یہ گذشتہ دلائل کا نتیجہ ہے۔ یعنی جب استحقاقِ الوہیت و معبودیت خدا کو ہے۔ تمام مخلوق کو پیدا کرنا۔ آسمان کو خیمہ اور زمین کو فرش بنا کر اس بہترین مکان میں تم کو رکھنا اور قسم قسم کے کھانے کھلانا جب اسی کا فعل ہے تو تمہارے واسطے بھی لازم ہے کہ تم خیالی معبودوں اور وہمی دیوتاؤں کو اس کے ساتھ ذات صفات اور افعال میں شریک نہ بناؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمہاری ہستی اور بقائے ہستی کا فاعل حقیقی وہی ہے۔

مقصودِ بیان خدا واحد لاشریک ہے۔ تمام عالم کو پیدا کرنے والا اور پرورش جسمانی و روحانی کرنے والا ہے۔ اس نے آسمان، زمین، پانی اور سبزہ درخت اور اس کے پھل، پہاڑ اور اس کی پیداوار سب کچھ انسانوں کے فائدہ کے لیے بنایا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں، بلکہ دنیا اس کی محتاج ہے اور جو کسی کا محتاج نہ ہو وہی قابلِ معبودیت ہوتا ہے۔ پانی ابر سے پیدا ہوتا ہے۔ پانی سے پھل پھول اور سبزہ پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کی اصلی غرض اتقاد پرہیزگاری ہے اور اتقاد پرہیزگاری پرستشِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر پرہیزگاری بڑھتی جائے گی اور خواہشاتِ نفسانی سے دماغ صاف ہوتا جائے گا۔ وحدانیتِ الٰہی کا مشاہدہ ہوتا جائے گا۔ یہ تمام مصنوعات اور آیاتِ بینات وجودِ الٰہی اور توحید ربانی کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں اور اسی کے لیے استحقاقِ معبودیت ثابت کرتی ہیں۔ آیت میں خدا تعالیٰ نے نازک ترین انداز میں اپنی نعمتوں اور بخششوں کا اظہار عبادت کا حکم اور اس کا انجام کار محبتِ الٰہی پیدا کرنے کے مضامین استحقاقِ الوہیت، تمام عالم کی پیدائش کی ابتداء اپنے وجود، قدرت، ارادہ علم اور دیگر صفاتِ کمال کا بیان کر دیا اور بت پرستی بلکہ مخلوق پرستی کی ممانعت بھی کر دی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ

اور اگر تم شک میں ہو اس کتاب سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو لے آؤ اس جیسی ایک

toobaafoundation.com

مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

سورت اور بلالو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ

پھر اگر ایسا نہ کرو اور کبھی، کر ہی نہ سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی (کافر) اور پتھر (بت)

وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں خدا تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا تھا اور اپنی توحید کا اعلان کر کے ایمان لانے کی دعوت دی تھی لیکن عبادت مقبول عند اللہ کا امتیاز دفتر صرف عقل سے نہیں ہو سکتا۔ اس میں نبی اور الہام کی سخت ضرورت ہے۔ جب تک نبی کا توسط نہ ہو یہ ماؤی مخلوق نور مجرد سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتی۔ اس لیے ضرور ہوا کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دلیل سے ثابت کی جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے وہ منجانب اللہ ہے۔ تم پر رسول اللہ کا اتباع اور قرآن کریم کی پیروی لازم ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ اعلان توحید کے بعد اقرار رسالت کی دعوت دی گئی چنانچہ فرمایا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا الخ۔ یعنی اگر تم کو قرآن میں کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور یہ شک تمہارا نو عقلی پر مبنی ہو تو ہم تم کو بتا چکے ہیں کہ عقل والے کے لیے سوچنے کے بعد کوئی شک باقی نہیں رہتا اور اگر تم کو اوہام بشری اور وساوس شیطانی کی وجہ سے کچھ شک ہو تو جسمانی اوہام سے منہ موڑ کر اپنا قلب سلیم کی جانب رجوع کرو تو نور عقل سے یقیناً تمہارا شک زائل ہو جائے گا کیونکہ شک صرف اس امر میں تم کو ہے کہ یہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خود ساختہ ہے تو فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ تم بھی اس کے مثل یک سورۃ بنا لاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے کسی کی تربیت کا منت کش نہیں بنایا۔ تم بھی خوب واقف ہو کہ محمد صلعم نے کسی بندہ سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور تم لوگوں نے پڑھ پڑھا کر فصاحت و بلاغت میں دعوی کمال پیدا کیا ہے اس لیے اگر محمد صلعم باوجود امی پڑھ اور امی ہونے کے قرآن اپنی طرف سے بنا سکتے ہیں تو تم باوجود کمال کے اس سے بہتر فصیح و بلیغ بنا سکتے ہو۔ لہٰذا ایک سورۃ ہی کما کر اس کی مثل بنا لاؤ اور تنہا نہ بنا سکتے ہو تو وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تو اپنے مددگاروں کو دیوتاؤں کو فصحاء و بلغاء کو جمع کر کے ان سے بھی امداد حاصل کر کے اور دوسری قوموں کی مدد سے اس کی مثل بنا لاؤ۔ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ محمدؐ کا خود تراشیدہ ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ۔ اب اگر مقابلہ نہ کرو یعنی جب تم کو اعجاز کلام سے معلوم ہو گیا کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو قطعاً معلوم ہو گیا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور یہ اعجاز

toobaafoundation.com

ثابت ہوگیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق ہیں لہٰذا اُن سے سرتابی کرنی اُن کی نبوت کا انکار کرنا اور ان کے احکام کی تعمیل نہ کرنی خدا کے جہنم کا سرچشمہ ہے پس تم کو اس سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ جہنم کی آگ معمولی آگ نہیں ہے بلکہ ایسی آگ ہے :۔

اَلَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ معمولی دنیوی آگ کا کوئی تحمل نہیں کرسکتا پھر ایسی آگ کس طرح قابل برداشت ہوسکتی ہے جو پتھروں اور آدمیوں سے روشن ہوگی اور پتھروں میں تمہارے دیوتاؤں کی مورتیاں جیسا کہ بعض کے پتھر اور گندھک وغیرہ کی چٹانیں بھی ہوں گی جن میں سے بعض کا جلنا تمہاری سوختگی کا باعث ہوگا اور بعض کے جلنے سے تمہارے بدن جل کر کوئلہ کی طرح ہو جائیں گے اور یہ بھی خوب سمجھ لو کہ یہ آگ ہر شخص کے لیے نہیں ہوگی۔ بلکہ :۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ اس کی تیاری صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو احکام اسلام، نبوت محمدیہ۔ اعجاز قرآن اور حقانیت شرع کے منکر ہیں۔ لہٰذا تم کو انکار نہ کرنا چاہیئے۔ (تفسیر مجاہد، قتادہ، ابن جریر، ابن کثیر، زمخشری، رازی، نیز تفسیر ابن مسعود، ابن عباس رض حسن بصری وغیرہ)۔

پدری آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم کو اس کلام میں جس کو ہم نے اپنے بندہ محمد پر نازل کیا ہے کچھ شک ہو کہ یہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں تو قطع نظر دیگر معجزات اور نشانہائے نبوت کے تم خاص اس کلام کا ہی مقابلہ کر کے دیکھو۔ کیونکہ ہر قسم کا کلام بنانے میں تم محمد صلعم سے کم نہیں۔ تم بھی اہل زبان ہو اور تم بھی خاص اسی شہر اور اسی ملک اور اسی قوم کے افراد ہو کر جس کے محمد ہیں۔ بلکہ تم ان سے اس قوت کلامیہ میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہو۔ تم شعر و شاعری اور نثر پردری کے مشاق ہو اور محمد صلعم کو ابتدائے عمر سے تم عبادت ریاضت اور گوشہ تنہائی میں ساکت و صامت دیکھتے ہو۔ تم ہر مجلس و میلے میں شاعری اور خطابت کا مقابلہ کرنے جاتے ہو اور محمد صلعم تو بطلاقت اس سے نفرت کرنے والے ہیں۔ لیکن اس قوت کلامی کے باوجود تم سے ایک سورت کی برابر بھی کلام نہیں بنایا جاتا۔ تم کو نہایت زور اور جوڑ کے ساتھ مقابلہ کے لیے بلایا جاتا ہے اور اجازت بھی دی جاتی ہے کہ ایک نہیں بلکہ سب مل کر کوشش کرو اور پھر اپنے معبودوں سے بھی مدد لو جن کو تم ہر قسم کی قدرت اور اختیار کا مبدا اور ہر مدارج کا حاجت روا جان کر پوجتے ہو۔ پھر جب تم سے ایک سورۃ کی برابر بن سکے اور نہ کبھی بن سکے گا تو یقین کرو کہ یہ اُس شخص کا کلام ہے جو تمام عالم سے قدرت میں زائد ہے۔ اس کا مقابلہ اور اس کے کلام کی تکذیب کرنا اپنے لیے جہنم میں گھر کا بنانا ہے جس کی آگ بہت سخت اور تیز ہے معمولی آگ نہیں ہے۔ اُس میں آدمی اور پتھر جلتے ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ اُس آگ سے بچنے کا سامان کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو سچا جانو اور احکام اسلام پر صدق دل سے ایمان لا کر ہمارا بند ہو جاؤ۔ کیونکہ منکروں کے لیے وہ آگ تیار کی گئی ہے جب تم منکر نہ ہو گے تو اُس آگ میں داخل بھی نہ ہو گے۔

نکات (۱) شہداء کے معنی مختلف آتے ہیں۔ حاضر، مدد کرنے والا، حاکم، گواہی دینے والا۔ آیت میں چاروں معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی جو فصیح و بلیغ حاضر اور موجود ہوں اُن کو بلاؤ اور اُن سے مدد لو یا تم اپنے مددگاروں کو مدد کے لیے بلاؤ یا فیصلہ کرنے والوں کے پاس اس مقابلہ کا فیصلہ کرنے کے لیے جاؤ۔ دیکھو وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں، یا گواہوں کو بلاؤ تاکہ وہ اظہار کریں کہ تمہارا کلام قرآن کی طرح ہے یا نہیں۔ (۲) آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے جس کی صورت یہ تھی کہ لوح محفوظ سے قرآن کا کچھ حصہ بیت العزت تک نازل ہوا تھا مگر وہاں سے وہ بایں صورت ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا کرتا تھا (۳) جس امر میں مخالفین کو بڑا دعویٰ تھا اسی میں اُن کو عاجز بنا کر قرآن کا صاحب الوہی ہونا ثابت کر دیا (۴) معجزہ مرزا نے ثابت کرکے

toobaafoundation.com

رسول اللہ صلعم کی نبوت ثابت کردی (۵) خدا کے سوا جس قدر باطل معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور اُن سے مرادیں مانگتے ہیں یا قادر مطلق یا مختار عالم جانتے ہیں ان سب کی نہایت خوبی سے تردید کردی (۶) کفر کی سزا دوزخ کو قرار دیا۔ (۷) اس بات کو واضح کردیا کہ دوزخ پیدا ہو چکی ہے وغیرہ۔

مقصودِ بیان کسی کو قرآن کی حقانیت، اسلام کی صداقت اور رسول اللہ صلعم کی سچائی میں شک وشبہ نہ کرنا چاہیئے۔ انکار کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ بڑا سا بڑا نبی مرسل یہاں تک کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے بندے اور عبادت گزار بندے تھے۔ مختلف مصالح اور حکمتوں کے ماتحت حسب ضرورت قرآن تھوڑا تھوڑا ٹکڑے ہو کر دُنیا میں نازل ہوا، لیکن یہ بات باعث شک نہیں ہو سکتی۔ تمام دنیا کے انسان، جنات بلکہ تمام مخلوقات بھی جمع ہو کر قرآن کی ایک سورت کی برابر بھی فصاحت بلاغت مضامین کی جامعیت، ربط عبارت، شستگی معنی اور افادۂ عام کے اعتبار سے کوئی کلام نہیں بنا سکتے۔ مقابلہ قرآن سے عاجز ہونے کی یہ ایک زبردست پیشین گوئی ہے جو اب تک صادق ہوئی اور آئندہ بھی صادق ہوگی پیشین گوئی کی صداقت بھی ایک معجزہ ہے جہنم صرف اعتقادی یا عملی منکروں کے واسطے تیار کیا گیا ہے۔ اسلام کی حقانیت میں شک وشبہ کرنا بھی کفر ہے۔ دوزخ کی آگ کی کیفیت اس آگ کی کیفیت سے جُدا ہے۔ وغیرہ

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور (اے محمدؐ!) بشارت دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کہ بیشک اُن کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ

بہتی ہیں جب کبھی ان کو اس میں سے کھانے کو کوئی پھل دیا جائے گا کہنے لگیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم

رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ

کو پہلے کھانے کو ملا تھا اور وہ دیئے جائیں گے ایک ہی جیسے پھل اور اُن کے لیے اُس میں پاکیزہ بیبیاں ہوں گی

وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اور وہ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے

تفسیر گذشتہ آیات میں کفار کی حالت بیان کی گئی تھی اور اُن کو نصیحت کی گئی تھی کہ جہنم سے بچنے کا سامان کریں۔ ان آیات میں مومنوں کی حالت کا بیان ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس کا اظہار کردیا جائے کہ وہ نافرمانی کا نتیجہ تھا تو یہ فرمانبرداری کا ثمرہ ہے تاکہ ترہیب کے ساتھ ترغیب بھی ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کی اور حکم الٰہی کے موافق اعمالِ صالحہ کیے اُن کو بشارت دے دو۔

toobaafoundation.com

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کہ ان کے لیے جنت میں مکانات ہیں اور اُن مکانات کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ جنت کی نہریں کوہ مشک کے نیچے سے جاری ہیں۔ یہی قول حضرت ابن مسعودؓ کا ہے۔ (ابن ابی حاتم)

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ یعنی جتنی مرتبہ اہل جنت کو جنت کے پھل دیئے جائیں گے وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہیں جو ہم کو اس سے پہلے دیدیے گئے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ نے آیت کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جب اہل جنت کے پاس جنت کا کوئی خاص قسم کا پھل لایا جائے گا اور وہ اس کی ظاہری شکل صورت پر نظر کریں گے تو آپس میں کہیں گے کہ یہ تو ویسا ہی پھل معلوم ہوتا ہے جو ہم کو اس سے پہلے دنیا میں دیا گیا تھا (سدی)۔ قتادہ، عبدالرحمٰن ابن زید اور شیخ طبری نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔ لیکن عکرمہ اور ربیع بن انس وغیرہ نے آیت کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اہل جنت کو جنت کا میوہ ایک وقت عطا ہوگا جس کی لذت اور مزے سے وہ واقف ہو جائیں گے۔ پھر دوسرے وقت اسی شکل و صورت کا پھل اُن کو دیا جائے گا جس کو دیکھ کر وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی نظر آتا ہے جو ہم کو اس سے پہلے مل چکا ہے۔

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا یعنی اہل جنت کو یہ رزق باہم ایک دوسرے کا ہم شکل ملے گا۔ لیکن ذائقہ اور کیفیت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔

وَلَهُمْ فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ یعنی اہل جنت کے لیے جنت میں بہترین مرغوب خاطر مکانات اور عمدہ عمدہ میوے اور غذائیں ہی فقط نہ ہوں گی۔ بلکہ اور بھی مرغوب طبع چیزیں ان کو ملیں گی۔ پاک صاف ستھری اور ہر قسم کے میل کچیل اور ظاظت و کثافت سے مبرا بیویاں بھی ان کو وہاں نصیب ہوں گی، جن کے اندر انسانی لوازم میں سے کوئی نجاست نہ ہوگی اور یہ تمام نعمتیں عارضی نہ ہوں گی کہ کچھ مدت کے بعد زائل ہو جائیں یا ان سے لے لی جائیں، یا اہل جنت کو جنت سے نکال دیا جائے۔ بلکہ جنتی

وَهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ جنت کے اندر ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ موت سے مامون اور زوال نعمتوں سے محفوظ ہوں گے نہ اُن کو کفر کا خوف ہوگا، نہ مرنے کا ڈر، بلکہ یہ تمام نعمتیں دائمی اور سرمدی ہوں گی۔

آیات مذکورہ کا حاصل مطلب اور خلاصہ یہ نکلا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام بھی کیے۔ احکام اسلام کی تعمیل کی اور اوامر و نواہی کے پابند رہے اُن کو مرنے کے بعد اس عالم میں ایسے باغ عنایت ہوں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی ان باغوں کے میووں میں عجیب لطف ہوگا کہ شکل و صورت اور رنگ و بو تو یکساں ہوگی اور مزے الگ الگ ہوں گے یہاں تک کہ جب کوئی میوہ ان کو ملے گا تو ہم شکل ہونے کی وجہ سے وہ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو ہم ابھی کھا چکے ہیں مگر کھانے کے بعد ان کو نیا لطف حاصل ہوگا اور اُن کو جس طرح مکانات اور کھانے عمدہ عنایت ہوں گے اسی طرح اُنس و دلچسپی کے لیے پاکیزہ بیویاں بھی ملیں گی جو ہر قابل نفرت چیز سے پاک ہوں گی۔ کوئی کراہت انگیز چیز نہ ان کی صورت میں ہوگی نہ سیرت میں اور یہ اہل جنت غم پیری، خوف موت، الم افلاس اور اندیشۂ انقطاع سے قطعاً محفوظ ہوں گے۔ ہمیشہ ہمیش عیش و آرام کے ساتھ جنت میں رہیں گے۔

toobaafoundation.com

مقصود بیان ایمان صرف اعتقاد کا نام ہے۔ اعمالِ صالحہ جزءِ ایمان نہیں ہیں۔ بغیر اعمالِ صالحہ کے بھی صرف تصدیقِ قلبی اور اقرارِ زبانی سے آدمی مومن ہو سکتا ہے۔ ہاں تکمیلِ ایمان اعمالِ صالحہ سے ہوتی ہے۔ جنت کی بشارت انہی لوگوں کے لیے ہے جو ایمان بھی رکھتے ہوں اور اعمالِ صالحہ کے بھی مالک ہوں۔ مومنوں کے لیے ایک جنت نہیں ہے بلکہ بہت سی جنتیں ہیں۔ جنت کے پھل رنگ بو اور شکل میں ملتے جلتے ہوں گے اور مزے میں مختلف۔ جنت کی عورتیں تمام کثافتِ بشری سے پاک صاف ہوں گی۔ اہلِ جنت نہ کبھی مریں گے، نہ کبھی جنت سے نکالے جائیں گے۔ آیت میں ایمان اور اعمالِ صالحہ کی دعوت احسن اسلوب کے ساتھ دی گئی ہے اور مومن باعمل کے ثواب کا بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ گذشتہ آیات کے پڑھنے سے انسانی طبیعتوں پر جو خوف طاری ہو گیا ہو وہ اس بشارت سے جاتا رہے اور انسان بیم و امید کے درمیان واسطہ اختیار کر کے مومن کامل بن جائے۔ جنت کی چیزوں کی حقیقت اور اندرونی کیفیت دنیوی اشیاء کے حقائق اور کوائف سے بالکل غیر ہو گی۔ اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ میں علم مبدار کی طرف اشارہ تھا اور اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ الخ سے علم معاش کی طرف۔ ان آیات میں علم معاد کا بیان مقصود ہے وغیرہ۔ اگلی آیت میں خداوند تعالیٰ منافقوں کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اظہارِ حقیقت فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

بیشک اللہ کسی مچھر کی مثال دینے سے نہیں شرماتے اب جو لوگ

اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ

ایمان لا چکے ہیں وہ تو یقین رکھتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے اور ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اور جو کافر ہیں تو وہ کہتے ہیں

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا

کہ اللہ کو اس ادنیٰ مثال سے کیا غرض تھی اللہ بہتیروں کو ایسی مثالوں سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے مگر

يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

ان بدکاروں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا جو پختہ قول و قرار کرنے کے بعد پیمانِ خدائی کو توڑ دیتے

مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي

ہیں اور جن تعلقات کو جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے

toobaafoundation.com

الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

پھرتے ہیں یہی لوگ زیاں کار ہیں

تفسیر اس سے پہلے جبکہ خدا تعالیٰ نے منافقوں کی حالت کی وضاحت کے لیے دو تمثیلیں بیان فرمائی تھیں اور پھر اثباتِ نبوت کے لیے فرمایا تھا کہ اگر اس قرآن کو منجانب اللہ تسلیم نہیں کرتے تو تم بھی اس کی مثل ایک سورت بنا لاؤ لیکن وہ عاجز ہو کر مقابلہ نہ کر سکے تو ایسی حالت میں اور کوئی بات تو بن نہ پڑی مگر یہ عیب نکالا کہ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو تعجب ہے کہ خدا ایسا جلیل القدر ہونے کے باوجود ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں دے کر اثباتِ مدعا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک سورت یہ بھی تھی کہ قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کے لیے جانوروں کی تمثیلیں مختلف آیات میں بیان فرمائی تھیں۔ کہیں یہ کہا گیا تھا کہ کافروں کے معبود ایسے ضعیف اور بے بس ہیں کہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان کے منہ پر بیٹھ جائے تو اڑا بھی نہیں سکتے۔ کہیں یہ کہا گیا تھا کہ کافروں کا دین مکڑی کے جالے کی طرح ہے۔ ان تمثیلوں کو سن کر بعض لوگ کہنے لگے کہ مسلمانوں کا خدا بھی عجیب خدا ہے جس کو ایسی حقیر چیزوں کے نام لینے میں مطلق شرم نہیں آتی۔ اس وقت آیات مذکورہ کا نزول ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا۔ کہ خدا تعالیٰ کسی مثال کو بیان کرنا نہیں چھوڑ سکتا خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر چیز کی۔ یہ بیوقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ ہمارے نزدیک ہماری ساری مخلوق برابر ہے۔ خواہ مچھر ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر کوئی اور چیز ہو۔ چھوٹا بڑا ہر ایک ہماری نظر میں برابر ہے۔ کیونکہ سب خدا ہی کی مخلوق ہے۔ سب کو اسی نے پیدا کیا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ اب ایماندار لوگ جانتے ہیں اور جن کو معرفتِ الٰہی حاصل ہے وہی سمجھتے ہیں کہ یہ پروردگار کی جانب سے حق ہے۔ نورِ معرفت سے بھی لوگ حقائقِ اشیاء کو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے اصل مقصود کیا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا باقی رہے کافر تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اس تمثیل سے کیا ہے۔ ان کو جہالت کی وجہ سے آیت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۔ خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ سے بہتوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے۔ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہ فرماتے ہیں کہ جن کو خدا ہدایت کرتا ہے وہ مومنین ہیں کہ امثلہ قرآن کی تصدیق سے ان کا نورِ ہدایت اور دوبالا ہو جاتا ہے اور جن کو گمراہ فرماتا یا گمراہ چھوڑتا ہے وہ منافقین ہیں کہ کلامِ الٰہی کے انکار سے ان کی تاریکیٔ ضلالت میں اور تاریکی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۔ یعنی اس سے خدا تعالیٰ سوائے فاسقوں کے اور کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ صرف فاسقوں کو اس نورِ تک رسائی کی اجازت نہیں دیتا اس لیے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ابو العالیہ اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ فاسقین سے مراد

toobaafoundation.com

یہاں وہ لوگ ہیں جنھوں نے دانستہ کفر کیا۔ گویا فاسقین سے عام طبقہ مراد ہے۔ خواہ یہودی ہوں یا علمائے عیسائیت یا منافق۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ حد سے خارج ہو گئے تھے اس لیے خدا نے ان کو گمراہ اور بھٹکتا چھوڑ دیا۔ مفسر مواہب الرحمٰن کا قول ہے کہ جو شخص امرِ حق اور سنتِ صحیح سے باہر ہو وہ فاسق ہے۔ لیکن فسق کے مراتب ہیں۔ جو شخص عملِ سنت سے خارج ہو وہ مبتدع ہے اور جو شخص حرام کا مرتکب ہو اس کو اصطلاح میں فاسق کہتے ہیں اور جو شخص عقائدِ اسلام سے خارج ہو وہ منافق ہے اور اس میں کفار و مشرکین بھی داخل ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

یعنی ہماری بیان کردہ مثالوں پر وہی اعتراض کرتے اور گمراہ ہوتے ہیں جن کا شیوہ اور دستور العمل فسق و معصیت ہے۔ یہ لوگ اللہ کے اس اقرار کو توڑتے ہیں جو ازل میں کیا تھا اور جس چیز کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا تھا اس کو کاٹتے ہیں اور تفرقہ کرتے ہیں۔ انبیاء میں سے بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ صلہ رحمی نہیں کرتے۔ اقارب کے ساتھ نیک برتاؤ اور سلوک نہیں کرتے اور نہ محمد پر ایمان لاتے ہیں۔ جس عہد شکنی کا آیت میں ذکر ہے اس سے کونسی عہد شکنی مراد ہے اور اس حکم میں کون لوگ داخل ہیں؟ تو اکثر علماء کا قول ہے کہ آیت میں تمام مشرک، کافر اور منافق مراد ہیں اور عہد سے مراد ایک تو وہ عہد ہے جو ازل کے روز سب آدمیوں سے خدا نے اپنی توحید اور اتباعِ احکام کا لیا تھا۔ دوسرے دنیا میں آیاتِ الٰہی اور پیغامِ رسالت بھی میثاقِ الٰہی میں داخل ہے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ آیت میں صرف منافق مراد ہیں اور منافق کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو غالب ہونے کی دوسرے مغلوب ہونے کی۔ غلبہ کے وقت تو منافق میں چھ اخلاقِ رذیلہ ہوتے ہیں۔ اگر اُس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے، خدا کے عہد کو توڑتا ہے، اہلِ قرابت سے قطع تعلق کرتا ہے، زمین پر فتنہ و فساد برپا کرتا ہے، بات کہتا ہے تو جھوٹی کہتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کو پورا نہیں کرتا۔ اگر منافق مغلوب ہوتا ہے تو صرف تین باتیں اس کے اندر رہ جاتی ہیں۔ جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت۔ سدی کہتے ہیں کہ عہد سے وہ اقرارِ ایمان مراد ہے، جو قرآن کے اندر مذکور ہے۔ ابن جریر نے منافقوں کے ساتھ یہود و نصاریٰ کو بھی داخل کیا ہے۔ ابن جبان کا بھی یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ یعنی ایسے ہی لوگ خسارہ میں ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خاسر کا لفظ اگر اہلِ اسلام کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے کفر مراد ہوتا ہے اور اہلِ اسلام کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے گناہ مراد ہوتا ہے اور یہاں مقدم الذکر معنی مراد ہیں۔ یعنی کفر۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ مچھر یا اُس سے بھی چھوٹی چیز کے ساتھ مثال دینے سے نہیں رُک سکتا۔ کیونکہ مثال سے غرض ایک حال کا اظہار ہوتا ہے اور امر معقول کو محسوس بنا کے دکھانا اور سمجھانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسا حال ہوگا اُسی قسم کی چیز سے مثال دی جائے گی۔ خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ مثال دینے میں خوبی یہ ہونی چاہیے کہ جس چیز کی مثال دی ہے وہ اس تمثیل کے مناسب ہو۔ لہٰذا جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور خدا نے اُن کو نورِ فطرت سے منور کیا ہے۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ مثال درست ہے اور خدا تعالیٰ نے ہمارے سمجھانے کے لیے بیان کی ہے، اور جو کافر ہیں نورِ بصیرت سے محروم ہیں وہ طعن کرتے ہیں کہ خدا کو ایسی رکیک مثالوں سے کیا غرض ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ نظر رکھنے والے لوگ اُن پر غور و فکر کر کے بہترین نتیجے نکالتے ہیں۔ اور

toobaafoundation.com

کور بصیرت رکھنے والے نکتہ چینیاں کر کے فوائد سے محروم رہتے ہیں اور یہ گروہ فاسقوں کا ہوتا ہے جو میثاقِ ازلی کو توڑتے ہیں۔ زمین پر چوری، فتنہ فساد، کفر ظلم، الحاد و بیدینی پھیلاتے ہیں اور جس بات کے قائم رکھنے کا خدا سے انھوں نے وعدہ کیا تھا اور خدا نے بھی ان کو حکم دیا تھا اس کو قائم نہیں رکھتے۔ نہ حقوقِ الٰہی ادا کرتے ہیں نہ حقوقِ عباد۔ لہٰذا یہی لوگ بدنصیب اور نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ دنیا میں بھی اپنے اعمالِ بد کا خمیازہ بھگتیں گے اور آخرت میں بھی عذابِ سرمدی میں مبتلا ہوں گے۔

مقصودِ بیان خدا تعالیٰ کی نظر میں تمام مخلوق مساویانہ حیثیت رکھتی ہے۔ نورِ فطرت رکھنے والے اور معرفتِ الٰہی سے متصف ہونے والے حقائقِ اشیاء اور اغراضِ الٰہی کو اپنے نورِ معرفت سے جانتے ہیں جن لوگوں کے نورِ فطرت پر جہالت کے پردے پڑے ہیں۔ وہ مصالحِ الٰہی کو نہیں سمجھ سکتے۔ حدودِ الٰہی سے سرتابی کرنے والے فاسق ہیں۔ اوامر قرآنی کی پابندی نہ کرنے والے بھی فاسق ہیں۔ جو شخص خود احکامِ شرع سے سرکشی کرتا ہے اور نورِ فطرت پر جہالت کے پردے ڈالتا ہے خدا اس کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

آیت میں امورِ ذیل کی تعلیم بھی بہترین اور لطیف انداز میں دی گئی ہے:۔ حقوقِ محبت، حقوقِ ملت، حقوقِ اخوت، حقوقِ قرابت، حقوقِ وطن اور حقوق اللہ کی ادائگی کا حکم۔ دروغ بافی، افترا پردازی، فتنہ انگیزی، خونریزی، اخفائے حق، شرک، کفر اور دیگر روحانیت سوز اخلاق کی ممانعت، اقرارِ توحید و رسالت، انبیاء اور کتب الٰہیہ پر ایمان، صلہ رحمی کرنے اور آیاتِ الٰہیہ میں غور کرنے کی ہدایت وغیرہ۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

تم اللہ کا انکار کس طرح کرتے ہو حالانکہ تم زندہ نہ تھے پھر اسی نے تم کو زندگی عطا کی پھر وہی تم کو مردہ کرے گا

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور دوبارہ وہی زندہ کرے گا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہوگا

تفسیر گزشتہ آیات میں جب قرآن پاک کا اعجاز اور منزل من اللہ ہونا ثابت ہوگیا اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی ہوگیا تو اب یہاں سے آیت یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ تک خدا تعالیٰ اپنی اُن نعمتوں کا اظہار کرتا ہے جو تمام دنیا کے لیے عام ہیں۔ کوئی شخص اور کوئی قوم اُن کے لیے مخصوص نہیں اور ان نعمتوں کے ذکر کے دوران میں مبدء و معاد کے متعلق بہت سی باتیں بھی بتاتا ہے تاکہ قرآن کا اعجاز خوب دلنشین ہو جائے۔ (حقانی و بیضاوی)

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ۔ یعنی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت، خالقیت اور دیگر صفات کا کس طرح انکار کرتے ہو۔ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا حالانکہ تم بے جان تھے۔ بالکل معدوم تھے۔ نہ تم میں کوئی جس تھی نہ حرکت۔ فَاَحْيَاكُمْ پھر خدا ہی نے تم کو زندگی عطا کی۔ نیست سے ہست کیا۔ مطلب یہ کہ خدا ہی ہمارا موجد اور خالق ہے۔ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ پھر کچھ زمانہ کے بعد تم کو وہی مارے گا۔ اس کی

toobaafoundation.com

گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ بلکہ دائرۂ اختیار میں ہو۔ وہ تم کو مار سکتا ہے۔ پھر تم کو حیاتِ جدید عطا کرے گا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلے مُردہ خاک تھے۔ پھر خدا نے (زندہ کیا۔ پھر دوسری بار اجل مقرر کے وقت موت آئے گی۔ پھر دوبارہ قیامت کے دن زندگی عطا کی جائے گی۔ بس یہی دو موت اور دو زندگیاں آیت میں مراد ہیں۔ یہی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ اور ایک جماعتِ صحابہ تابعین سے منقول ہے۔ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ یعنی کچھ زمانہ کے بعد پھر اُسی کے پاس تم کو واپس لے جایا جائے گا اور وہاں پہونچ کر اقرارِ ربوبیت اور اقبالِ توحید کرو گے۔ لیکن اُس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ پہلے ہم نیست تھے پھر خدا نے ہم کو موجود کیا اور پھر مرنا ہے اور پھر قیامت کے دن زندہ ہو کر حساب دینا، خدا کے پاس جانا اور جزا سزا بھگتنا ہے تو پھر کیوں ایمان نہیں لاتے۔ کیوں انکار کرتے ہو۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ جس نے ایسے انعامات دیئے، اس قدر تم پر احسانات کیے اور آئندہ اُسی سے بہتری کی اُمید اور بُرائی کا خوف ہے۔ اور وہی تمام کفر و ایمان اور اچھے بُرے اعمال کی جزا سزا دینے والا ہے۔ پھر اُسی کی نافرمانی کی جائے اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کر کے قرآن و رسالت کا انکار کیا جائے۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

مقصودِ بیان انسان حادث اور ممکن ہے۔ خدا نے اس کو نیست سے ہست کیا ہے۔ خدا نے ہی یہ زندگی عطا فرمائی ہے۔ زندہ کرنا اور مارنا خدا ہی کے اوصاف ہیں۔ حشرِ جسمانی اور حساب کتاب برحق ہے۔ خدا کے پاس ضرور لوٹ کر جانا پڑے گا۔ آیت میں اِلَيْهِ لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ تمام روحیں خدا ہی کے پاس سے آئی تھیں اور اسی کے پاس پھر سب کو جانا پڑے گا۔ آیت میں احوالِ مبدء، معاش، معاد اور کیفیتِ معاد کی طرف بھی ایک دقیق تلمیح ہے۔ اس جگہ صرف ایجاد و خلق کا مضمون بیان کیا گیا۔ آئندہ آیت میں بقائے وجود کا بیان ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزیں بنائیں پھر آسمانوں کے بنانے کا ارادہ کیا

فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ع ۳

تو سات آسمان ہموار بنا دیے اور وہ ہر چیز سے واقف ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں بیان فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ہی انسان کو خلعتِ ہستی سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس کا وجود اُسی کا بارِ کرم احسان ہے۔ لہٰذا وہی معبود و مسجود ہونے کے لائق ہے۔ اس آیت میں استدلال کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم کو معدوم سے موجود تو کیا ہی تھا۔ لیکن موجود کرنے کے بعد یونہی سرگرداں اور بے سروسامان نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ تمہاری روح اور جسم کے لیے تمام عالم ارضی کو پیدا کیا تاکہ تم اس سے فوائد حاصل کرو۔ نباتات، معدنیات، حیوانات سب تمہارے منافع کے لیے، نفسِ نباتی، نفسِ حیوانی اور جمادات میں صورتِ کمالیہ اور تاثیراتِ گوناگوں تمہارے ہی فائدہ کے لیے پیدا کیں۔ جن میں سے بعض کا تو استعمال تمہارے لیے براہِ راست

toobaafoundation.com

فائدہ رساں ہے اور بعض کا استعمال بالواسطہ نفع بخش ہے۔ زہر و تریاق، جڑی بوٹی، جواہر اور فلزات، غلہ، پھل، میوہ اور مختلف سبزیوں سب تمہارے ہی فائدے کے لئے ہیں اور فقط یہ ہی نہیں بلکہ زمین کو ایک مجموعی حیثیت سے پیدا کرنے کے بعد اُس نے آسمان بنانے کا ارادہ کیا اور فوراً سات آسمان ٹھیک ٹھیک بغیر کسی خرابی ناہمواری اور رخنہ کے بنا ڈالے تاکہ آسمانی آیات کے اثبات الٰہیات قبول کریں اور اس سے تمہارے مفید مطلب اشیاء پیدا ہوں۔ پھلوں میں رنگینی پیدا ہو۔ سمندروں میں مدوجزر ہو۔ بخارات و دخانات سے بارش۔ بجلی، کڑک، گرج اور اولاین کو فائدہ رساں اشیاء کی پیدائش کا سبب ہو اور ان چیزوں کو خدا نے لاعلمی میں پیدا نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ ہر چیز کی حالتِ پیدائش، غرضِ پیدائش اور کیفیتِ پیدائش کو خوب جانتا ہے، اس لئے اُس کا یہ فعل بیکار نہیں اور نہ اُس کو اس خلق عالم میں کوئی دشواری ہو سکتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ خدا ہی تم کو ہست کرنے والا ہے اور تمہاری پرورش روحانی اور جسمانی کے لئے اُس نے یہ تمام کائناتِ عالم پیدا کی اور پھر یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ تم اس کو چھوڑ کر دوسری مخلوق کی پرستش کرتے اور اس سے سرتابی کرتے رہو۔ حالاں کہ تمہارا وجود اور تمہارے وجود کے اسباب اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔

مقصودِ بیان زمین کی پیدائش آسمانوں کی پیدائش سے پہلے ہے۔ اگرچہ درستی اور ہمواری بعد کو ہوئی ہے۔ دُنیا کا ذرہ ذرہ خدا نے انسان کے فوائد کے لیے بنایا ہے اور تربیتِ ارواح واجسام اُن کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ ہر چیز انسان کی تربیت میں سرگرم عمل ہے پھر خدا کی ناشکری کرنی عاقل سے بعید ہے۔ آسمان سات ہیں اور ہموار ہیں۔ کوئی رخنہ یا کمزوری یا نیچا اُونچا پن اُن میں نہیں ہے۔ خدا تمام چیزوں کی پیدائش، وقتِ پیدائش اور کیفیتِ پیدائش سے واقف ہے۔ کوئی ذرہ کُلّی ہو یا جزئی مادّی ہو یا غیر مادّی اُس کے علم سے خارج نہیں ہے، اس کو ہر ہر چیز کا تفصیلی علم ہے۔

اصل میں عالم کی تمام چیزیں انسان کے لئے مباح پیدا کی گئی تھیں، لیکن بعد کو منافع خصوصی اور مصالح ذاتی کی وجہ سے بعض کو حرام کر دیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا

اور (اے محمدؐ یاد کرو) جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں فرشتوں نے

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

عرض کیا کہ آپ اُس کو نائب بناتے ہیں جو اس میں فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم تو آپ کی تسبیح

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

و تقدیس بیان کرتے ہیں اللہ نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

toobaafoundation.com

تفسیر احسانات الٰہی کے تین مراتب ہیں نیست سے ہست کرنا، بقا پر ہستی کے تمام اسباب ولوازم پیدا کرنا، اعزاز افزائی فرمانا۔ چناں چہ مقدم الذکر دونوں احسانات کو گزشتہ آیات میں بیان کر دیا گیا۔ یہاں تیسرے احسان کا ذکر ہے۔ فرشتوں کو خدا تعالیٰ نے جسم نوری بنایا ہے۔ اُن کے اندر مادی کثافت اور شہوانی قبضی کو دخل نہیں ہے۔ خواہشات نفسانیہ سے وہ بالکل پاک ہیں اُن کے افعال میں سہو و خطل بھی ممکن نہیں۔ وہ عقل خالص ہیں نہ اوہام و خیالات کا وہاں ہجوم ہے کہ عقل پر پردہ پڑ جائے، نہ جذبات نفسانی اُن کو جہان میں لا سکتے کہ کھانے پینے کی ضرورت ہو۔ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ اور جب ایسی پاک اور نور محض مخلوق پر خدا تعالیٰ نے انسان کو فضیلت علمی و اعزاز افزائی تو اس سے شعبہ کرا دیا اعزاز افزائی ہو سکتی ہے اور تکمیل احسان کا اس سے زیادہ اور کون سا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کو جمعہ کی اخیری ساعت میں پیدا کیا اور اُن کے اندر تین قوتیں پیدا کیں۔ عقل، شہوت اور غضب۔ اب اگر آدمی قوت شہوانیہ کا اتباع کرتا ہے اور قوت عقلیہ کو مغلوب کر لیتا ہے تو اس کا نام گناہ ہے یا قوت غضبیہ کو غلبہ دیتا ہے تب بھی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے پھر حاکم شرع یا صرف اس کی عقل اگر اس کو اعتراض پر لے آئے گی تو صفت غضب عدل اور رحمت سب کا ظہور ہوگا لہٰذا اگر حاکم نے موافق شریعت حکم دیا تو وہ تابع شرع اور خلیفۂ الٰہی ہے اور ظالم بہ صفت غضب متصف ہے اور مظلوم بصفت رحمت اور اگر انسان نے خود ہی اپنی عقل کے حکم سے توبہ کر لی تو وہ خود خلیفۂ الٰہی ہوا۔ اسی معنی کی طرف آیات ذیل میں لطیف اشارہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ یعنی تم کو اے محمد! یاد کرنا چاہیے کہ جب تمہارے پروردگار نے فرمایا تھا کہ میں زمین پر اپنے نائب اور جانشین پیدا کرنے والا ہوں۔ سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہ کے اقوال سے استنباط کر کے آیت کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا الٰہی یہ خلیفہ کیسا ہوگا؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا خلیفہ درحقیقت اُس کی ذریات اور نسل ہوگی۔ شیخ سیوطی نے اس تاویل کو اختیار کیا ہے۔ طبری فرماتے ہیں کہ روایت مذکورہ کی بنا پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ میں اپنی طرف سے زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں جو میری مخلوق کے درمیان میرے حکم کے موافق عدل جاری کرنے میں میرا نائب ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ حضرت آدمؑ اور اُن کی نسل میں سے جو لوگ شرع کے موافق احکام عدل جاری کرنے والے ہیں۔ سب خلیفہ ہیں، لیکن بعض مفسرین نے خلیفہ کے معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ خلیفہ سے نائب خدا مراد نہیں ہے بلکہ حضرت آدمؑ کی اولاد جو ایک دوسرے کی جانشین ہے یہی مراد ہے۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ فرشتے بولے کیا تو زمین پر اپنا جانشین ایسی مخلوق کو بنائے گا جو وہاں اپنے گناہوں سے فتنہ و فساد کرے گی اور خوں ریزی کرے گی اور (اگر عبادت و معرفت مقصود ہے تو اس کے لئے ہم کافی ہیں) ہم تیری تسبیح و حمد اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

مجاہد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ روئے زمین پر خدا تعالیٰ نے اوّل جنات کو آباد کیا تھا، جب ان میں فسق و فجور کی کثرت ہوئی تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان کو پہاڑوں اور جزیروں میں لے جا کر آباد کرو اور زمین پر ان کی جگہ تم آباد ہو جاؤ۔ خزن جنات کے قائم مقام فرشتے ہوئے اور ان سب کا افسر ابلیس کو بنایا گیا جو ہزار ہا برس عبادت میں صرف کر چکا تھا، آخر کار جب

toobaafoundation.com

ابلیس کے نفس شیطانی میں تکبر پیدا ہوا اور سمجھا کہ مجھ کو آسمان و زمین اور جنت کا اتنا بڑا ملک صرف اس وجہ سے عطا ہوا ہے کہ میں اللہ کے نزدیک اس کی ساری مخلوق سے افضل ہوں۔ اُس وقت خدا تعالیٰ نے ابلیس اور تمام گروہ ملائکہ پر اپنا خلیفہ یعنی حضرت آدم کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور چوں کہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے علم ہو چکا تھا کہ آدم کی نسل میں نیک اور بد دونوں قسم کے لوگ ہوں گے نیز جنات کا فساد و فجور اور انجام دیکھ بھی چکے تھے اور اپنے معصوم ہونے سے واقف بھی تھے اس لئے بطور تعجب اور دریافت حکم کے عرض کرنے لگے کہ ہم معصوم بندوں جیسی قوم کو ترجیح دینی چوں میں عصیان اور اطاعت دونوں قسم کے مادے موجود ہیں معلوم نہیں کس مصلحت پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ فرشتوں کو یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اللہ پاک کچھ اور ہی مخلوق کیوں نہ پیدا فرمائے۔ بہرحال اس کو علم و واقفیت میں ہم سے فوقیت نہیں ہو سکتی کیوں کہ ہم محض عقل اور صرف نور ہیں ہماری سرشت میں علم سے روکنے والا کوئی حجاب نہیں پھر ہم نے اپنی عمر میں وہ دیکھا ہے جو اب پیدا کی ہوئی مخلوق کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ حالاں کہ خداوند تعالیٰ کو اسی مٹی کے پتلے میں اپنا فیضان بھرنا اور اپنی تجلیات ذاتیہ کا عکس ڈالنا مقصود تھا، اس لئے ٹکسال سنگ کی مرکب ایک مٹھی خاک لی اور مختلف اقسام کے پانی سے اُس کا خمیر کر کے ایک پتلا بنایا اور اس میں خاص رُوح پھونکی اور اس مشت خاک کی فرشتوں پر فضیلت ظاہر کرنے کو دنیا بھر کی چیزوں کے نام آدم کو بتا دئے۔ اس کے بعد فرشتوں سے مقابلہ کرایا تو علی الاعلان تمام فرشتوں پر آدم کی علمی فضیلت کا اظہار ہوا اور فرشتوں کے ظاہر و پوشیدہ ہر دو خیالات کا جواب ہو گیا چناں چہ اسی فضیلت اور اسباب فضیلت کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے :-

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ - یعنی خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اس خلافت کے اندر جو اسرار و حکمت ہیں اُن کو میں ہی جانتا ہوں تم اُن سے واقف نہیں۔ میں تجلیات ذاتیہ کا اظہار اور عکس اس مشت خاک پر ڈالوں گا اور اس خاکی نسل میں نبی، صدیق، شہید، عابد، زاہد، ابرار، اولیاء، سلحاء، علماء، مقرب بندے اور خشوع خضوع کرنے والی ہستیاں پیدا کروں گا تم جامع صفات رحمت ہو اور یہ خاکی پتلا میری تمام صفات کمال کا جامع ہوگا لہٰذا اس کی تسبیح و تقدیس تمہاری تسبیح و تقدیس سے افضل ہوگی۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے پھر ان کو پیش کیا فرشتوں پر اور فرمایا کہ

اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو۔

تفسیر حسب تجویز خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا جس کی کیفیت حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرشتے کو حکم دیا کہ زمین سے پیداگی تھوڑی مقدار مشک لے کر ہر قسم کے پانی سے خمیر کر کے اُس کا ایک پتلا بنائے حسب الحکم

toobaafoundation.com

فرشتے نے مکہ اور طائف کے درمیان بمقام نعمان اسی طرح کا ایک پُتلا بنایا اور خدا تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے اُس کی صورت ہاتھ پاؤں، ناک، کان، مُنہ اور آنکھیں بنائیں اور کچھ مدت تک اس خشک پُتلے کو اسی حالت میں رکھا۔ فرشتے اس عجیب وغریب صورت کو دیکھ کر حیران ہوتے اور تعجب کرتے تھے کہ خدا جانے اس میں کیا حکمت دراز ہے جو خلیفہ بنایا جائے گا اور ابلیس اس کو دیکھ کر دل میں کہتا تھا کہ یہ کیا حقیر چیز ہے، لیکن جب قلب کو دیکھا تو حیران ہو گیا کہ عجب نہیں اس میں کوئی لطیفہ ربانی ہو۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے رُوح کو اس پُتلے میں داخل ہونے کا حکم دیا، جب رُوح اس تنگ تاریک خاکی حجرے میں بحکمِ الٰہی داخل ہوئی اسی وقت حضرت آدمؑ کو چھینک آئی۔ حضرت آدمؑ نے الہام الٰہی سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے یَرْحَمُکَ اللّٰہُ جواب عطا ہوا۔ پھر حضرت آدمؑ کو حکم ہوا کہ تم فرشتوں کی جماعت کے پاس جا کر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہو۔ جو کچھ وہ جواب دیں تمہاری اولاد اور نیز تمہارے لئے وہی باہم تحیت ہے۔ حضرت آدم نے فرشتوں کی جماعت سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا اور فرشتوں نے وَعَلَیْکُمُ السَّلَام جواب دیا۔

پھر خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کے دل میں القاء کر دیا کہ فلاں چیز کا یہ نام ہے اور فلاں چیز کا یہ نام ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسماء سے یہی نام مراد ہیں جو لوگوں میں متعارف ہیں۔ مثلاً انسان، چوپایہ، زمین، آسمان، پہاڑ، میدان، خشکی تری، گھوڑا، گدھا، دیگ، ہانڈی، پیالہ وغیرہ۔ (ابن ابی حاتم اور ابن جریر) مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہر چیز کا نام سکھایا۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ ملائکہ کے نام بھی سکھائے تھے۔ حمید شامی کہتے ہیں کہ ستاروں کے نام بھی بتائے تھے، لیکن ابن جریر نے اس معنی کو پسند کیا ہے کہ حضرت آدمؑ کو اُن کی اولاد اور ملائکہ وغیرہ سب کے نام سکھائے تھے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی سرشت میں خدا تعالیٰ نے اجزاء مختلف اور قوائے متباینہ رکھے تھے جن سے اُن کو طرح طرح کے معقولات، محسوسات، حقائق اشیاء، اُن کے خواص اور نام، اصولِ علم، قوانینِ صنعت اور اُن کے آلات کی کیفیت کا علم حاصل ہو سکے۔ پھر جب حضرت آدمؑ کو فضیلتِ علم حاصل ہو گئی جو تمام صفاتِ کمالیہ کی سرتاج ہے اور جس پر مدارِ خلافت ہے تو خدا تعالیٰ نے اُن چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے دربارِ عام میں پوچھا کہ تم مجھ کو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (اور تسبیح و تقدیس کو علم اشیاء لازم ہے) اسی لئے ہم مستحق خلافت ہیں۔ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کے معنی مختلف روایتوں میں مختلف آتے ہیں۔ حسن و قتادہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے بڑھ کر علم والا پیدا نہیں کرے گا تو تم اپنے علم سے ان چیزوں کے خواص اور افعال بیان کرو۔ ضحاک کی روایت میں یہ معنی مذکور ہیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ خدا زمین پر خلیفہ پیدا نہیں کرے گا تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ سے یہ معنی منقول ہیں کہ تم ان لوگوں کے نام بتاؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ آدم کی اولاد سب کی سب زمین پر فساد و خوں ریزی کرے گی۔ ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ ملائکہ کو ارشاد ہوا تھا کہ تم اُن کے نام بتاؤ اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ میں نے تمہارے سوا کسی دوسرے کو زمین پر خلیفہ کیا تو اس کی ذریت میں فساد و خوں ریزی ہو گی اور جب کہ تم ان چیزوں کے خواص و افعال بھی نہیں جانتے جو تمہارے سامنے موجود ہیں تو پھر جو چیزیں آئندہ ہوں گی اُن کو کس طرح جان سکو گے اور علم نہ ہو گا تو تسبیح و تقدیس کس طرح بدرجۂ کمال کر سکو گے۔

toobaafoundation.com

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

فرشتے بولے تو پاک ذات ہے نہیں ہم کو علم مگر جتنا تو نے ہم کو سکھا دیا بے شک تو ہی علم والا (اور) حکمت والا ہے۔

تفسیر لیکن چوں کہ فرشتوں میں وہ قوت نہ تھی جس سے حقائق اشیاء اور جزئیات امور کا علم ہو سکے، اس لئے بتا سکے اور عرض کرنے لگے کہ تیری ہی شان پاک ہے ہم کو تیرے تعلیم کردہ علم کے سوا اور کچھ واقفیت نہیں البتہ تو ہی علیم و حکیم ہے۔ ملائکہ نے ادب کے ساتھ پہلے تسبیح کہی جس سے معلوم ہو کہ ہر عیب و نقص جناب باری سے دور ہے اور اس کی شان خوبی و کمال کا مجموعہ ہے اور جب خدا تعالیٰ کسی مخلوق میں علم پیدا کرتا ہے تو وہ مخلوق اسی قدر علم رکھتی ہے جتنا اس کو عطا کیا گیا۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ

ارشاد ہوا کہ اے آدمؑ! بتا دو ان کو ان چیزوں کے نام سو جب بتا دیئے آدم نے ان کو ان چیزوں کے نام تو اللہ نے فرمایا کیوں کیا

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

میں نے تم سے کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی چھپی چیزوں کو جانتا ہوں اور مجھ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

تفسیر جب فرشتوں کا عجز ظاہر ہو گیا اور انھوں نے اپنی کم علمی اور بے مائگی کا اعتراف کر لیا تو خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو حکم دیا کہ ان کو ان اشیاء کے نام بتا دو اور ان اشیاء کے ناموں سے ان کو مطلع کر دو:۔

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ یعنی جب اللہ حضرت آدمؑ نے فرشتوں کو جب اُن مخلوقات کے نام بتائے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے تمام چیزوں کے نام بتانے شروع کئے اور فرمایا تم جبرئیل ہو، تم میکائیل ہو، تم اسرافیل ہو۔ اسی طرح تمام اسماء بتلائے۔ یہاں تک کہ حقیر ترین پرندوں کے نام بھی بیان کر دیئے۔ مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری اور قتادہ سے بھی یہی تفسیر روی ہے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ تو خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا تم اپنے دل میں کیا سمجھتے تھے کیا میں نے تم سے پہلے ظاہر نہ کر دیا تھا کہ میں ہر چیز کی حکمت و مصلحت اور زمین و آسمان کے ہر پوشیدہ راز سے واقف ہوں اور تمہارے دلوں کے مطالب اور ظاہر حال سے بھی آگاہ ہوں۔ آیت کے غیر ظاہر کے تفسیر میں صحابہ نے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ملائکہ کو اشارہ ہوا تھا کہ تمہارا ظاہر بھی مجھ کو معلوم ہے اور باطن بھی جو اب میں جو کچھ تم چھپا رہے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ کبر و غرور اگرچہ نورانی ملائکہ میں نہ تھا۔ بلکہ فقط ابلیس ہی میں تھا، لیکن جب کوئی قوم کسی جرم کی مرتکب ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کے فعل سب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ یہ لشکر بہت تجربہ کار ہے۔ لڑا بھڑا مارا مرا اور بھاگا بھگایا ہوا ہے۔ حالاں کہ کل لشکر ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس گروہ ملائکہ میں کبر و غرور صرف ابلیس نے ہی چھپایا تھا، مگر اجمالی نسبت سب کی طرف کر دی گئی۔ اسی کے قریب وہ قول ہے جو تفسیر

toobaafoundation.com

سدی میں ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کا منقول ہے کہ فرشتوں نے جو بات ظاہر کی تھی وہ تو یہی تھی کہ جو لوگ خوں ریزی اور فساد کریں گے اُن کو خلیفہ کس طرح بنایا جائے گا اور جو امر مخفی رکھا تھا اُس سے مراد کبر وغرور ہے۔ جو ابلیس کے دل میں تھا۔ یہی قول سعید بن جبیرؓ مجاہدؒ سدی، ضحاک اور سفیان سدیؒ سے منقول ہے۔ ابوالعالیہ، ربیع بن انس، حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کا ظاہر قول تو یہی تھا کہ ہم لوگ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں پھر کیا حکمت ہے کہ ایسی مخلوق خلیفہ ہو جو فساد و خوں ریزی کرے گی اور باطنی بات یہ تھی کہ ہم سے زیادہ عالم اور بزرگ کوئی مخلوق نہ ہوگی۔

مقصود بیان قدرت و فاء قوت شہوانی کا کام ہے اور خوں ریزی قوت غضبیہ سے تعلق رکھتی ہے اور علم قوت عقلیہ کا فعل ہے۔ ان تینوں امور کے ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ انسان میں جتنی قوتیں رکھی گئی ہیں۔ علم تمام صفات کمالیہ سے اشرف و افضل ہے اور اسی پر استحقاق خلافت کا دارومدار ہے کیوں کہ علم کے بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا اور فیصلہ صحیح کرنے کی قوت نہ ہو تو استحقاق خلافت نہیں ہو سکتا۔ علم کا درجہ عبادت سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی وجہ سے تسبیح و تقدیس سے افضل علم کو قرار دیا گیا۔ حضرت آدمؑ کو کل اشیاء کا علم عطا کیا گیا تھا۔ انسان کا علم فرشتوں سے زیادہ ہے اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ آیت میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی تعلیم کی طرف بھی ہے کہ اعتراف قصور اور توبہ سے قبل اخذ کی تسبیح کرنی چاہیئے اور اس کو تمام عیوب و نقصانات سے پاک کہا جائے اس کے بعد اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ کل علم خدا تعالیٰ کا علمیہ ہے۔ حکمت کا مرتبہ علم سے بڑھ کر ہے اسی وجہ سے علیم کے بعد حکیم کا لفظ ذکر کیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے علم سے باہر تمام عالم میں کوئی ذرہ نہیں ہے۔ ظاہر باطن اور اوّل آخر سب کا خدا کو علم ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا انکار کیا

وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور غرور کیا اور ہو گیا کافروں میں سے

تفسیر یہ چوتھی نعمت ہے پہلے حضرت آدمؑ کے واسطے علمی عزت افزائی تھی اور یہ عملی قدر افزائی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کرانے کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب آدمؑ کی علمی فضیلت ثابت ہو چکی تو خدا تعالیٰ نے اُن کو اپنی نیابت عطا فرمائی اور سب کو اس تخت نشینی سے مطلع کر کے سجود و تعظیم کی نذر پیش کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ حضرت آدمؑ کی فضیلت کا عملی طور پر مظاہرہ ہو جائے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انکیں انکار کرنے والے یا خلافت آدمؑ میں چون و چرا کرنے والے فرشتوں سے فرمایا کہ اب آدمؑ کا استحقاق خلافت ظاہر ہو گیا اب تم سب اس کی تعظیم و تکریم کرو اور سجدۂ تعظیمی اس کے سامنے بجا لاؤ۔ حسب الحکم

toobaafoundation.com

فوراً سب فرشتے سجدے میں گر پڑے (کیوں کہ نور محض تھے اُن میں سرکشی اور سرتابی کا مادّہ نہ تھا) ہاں ابلیس نے انکار کیا (ابلیس بھی فرشتوں میں داخل تھا اگرچہ اس کی سرشت ناری تھی اور فرشتوں کی خلقت نُوری، لیکن عبادت و ریاضت اور اطاعت و مجاہدہ کی وجہ سے فرشتوں کی جماعت میں داخل کر لیا گیا تھا اور اس کو بھی فرشتوں میں شمار کر لیا گیا تھا اور غرور سے کہنے لگا کہ میں ان کو سجدہ نہیں کروں گا یہ خاکی ہے میں ناری ہوں، یہ اب کی مخلوق ہے اور میری عمر طویل ہے۔ میں ہزاروں برس عبادت و ریاضت میں گزار چکا ہوں پھر اس عجیب الخلقت کثیف پتلے کو کس طرح سجدہ کر سکتا ہوں اور درحقیقت خدا تعالیٰ کو تو پہلے ہی علم تھا کہ یہ متکبرین کے گروہ میں داخل ہے۔ احکام الٰہی سے سرکشی کرنے والا ہے۔

تقریر مذکورۂ بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم جو فرشتوں کو ملا تھا وہ مناظرہ و مباحثہ کے بعد کا واقعہ ہے، لیکن بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جونہی حضرت آدمؑ کے خاکی پتلے میں خدا تعالیٰ نے رُوح ڈالی تو فوراً فرشتے سجدے میں گر پڑے اور بعد کو مناظرہ و مباحثہ کی نوبت آئی۔

مقصود بیان حسد سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے جس نے شیطان کا ستیاناس کر دیا اور اس کو راندۂ بارگاہ خدا یعنی خدا کی مرضی پر راضی رہنا چاہیئے۔ شیطان اس کی مرضی پر راضی نہ ہوا، اس لئے اس کا نتیجہ خراب ہوا۔ انسان اپنے علم، عبادت، ریاضت اور اطاعت پر مغرور نہ ہو کیوں کہ اعتبار انجام کا ہے۔ معلوم نہیں انجام کیا ہو۔ شیطان کی ہزاروں برس کی عبادت انجام میں اُس کے لئے مفید نہ ہوئی۔ خدا تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرنی اور اس کی شان میں گستاخی کرنی سخت گناہ ہے۔ انسان کو نعمت الٰہی پر مغرور ہو کر نافرمانی نہ کرنی چاہیئے بلکہ ادائے شکر کرنا چاہیئے۔ آخر میں تکبر انسان کو کافر کر سکتا ہے۔ حکم الٰہی بجا لانے میں جلدی کرنی چاہیئے۔ ڈھیل اور سستی نہ کرنی چاہیئے۔ کوئی حیلہ و حجت بھی نہ ہونی چاہیئے۔ احکام الٰہی جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اُن میں قیاس آرائی اور دماغ تراشی سے کام نہ لے۔ کیوں کہ اُن کی واقعی حقیقت معلوم ہونا محال ہے۔ سوا خدا کے ان سے کوئی واقف نہیں۔ خدا تعالیٰ کی صنعت و حکمت میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور نہ اس کی اجازت ہے۔ اُس کی حکمت بالغہ کا ہم کو علم نہیں۔ اسی وجہ سے بعض اشیاء کی پیدائش کو ہم نقصان دہ اور غیر مفید خیال کرتے ہیں اور واقع میں اُن چیزوں کا وجود فائدہ رساں اور ضروری ہوتا ہے۔ ہم کو خدا کے علم و حکمت میں کسی گستاخی اور بے باکی کی اجازت نہیں ہے۔ کبر و غرور خواہ سینے کے اندر چھپا ہوا، لیکن بہرحال ممنوع ہے اور ذلت کے غار میں گراتا ہے۔ آیت کے اخیر ٹکڑے میں ایک دقیق ترین لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ غیر شتوں کی تسبیح و تقدیس بطور عبادت ہے ان کے اندر لطیفۂ محبت نہیں ہوتا۔ مَا تَكْتُمُونَ کے لفظ سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وغیرہ۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ

اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور بافراغت اس میں سے کھاؤ

toobaafoundation.com

شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

جہاں چاہو اور اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکنا کہ گنہ گار ہو جاؤ گے

تفسیر یہ گزشتہ آیات کا ضمیمہ اور تتمہ خلافت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں سکونت اختیار کرو۔ اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں۔ حضرت آدم کو زوج کی کیا ضرورت تھی اور یہ زوجہ کس طرح پیدا ہوئیں؟ اور جنت سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ابلیس جب جنت سے نکال دیا گیا اور حضرت آدم جنت میں تنہا رہ گئے تو ان کی طبیعت گھبراتی تھی اور علم میں سلسلۂ وارث وخلافت جاری کرنا اصل مقصود تھا، اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت حوا کو پیدا کیا اور فرمایا کہ آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت سے مراد وہی جنت ہے جس کا وعدہ مسلمانوں سے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اہل سنت کا یہی قول ہے۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ جنت میں سکونت کا حکم صرف ایک ساعت بلکہ اس سے بھی کم مقدار میں جنت کے اندر رہنے سے لوٹا دیا گیا تھا، اس لئے بلکہ بالحکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس جنت میں سے فراغی کے ساتھ جہاں تم دونوں کا دل چاہے کھاتے رہو، لیکن

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اس درخت کے پاس بھی نہ جانا ورنہ گنہ گار ہو جاؤ گے، کیوں کہ گھر میں کے پاس جاؤ گے تو خرابی میں پڑ جاؤ گے۔ محققین علماء کا قول ہے کہ درخت گو کوئی معین نہ تھا بلکہ مراد یہ تھی کہ اس نوع کے درخت کے پاس نہ جانا۔ بعض نے گیہوں، بعض نے انگور، بعض نے انجیر، بعض نے سرو، سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، قیس، جاوہ بن ہبیرہ اور شعبی وسدی کے قول کے مطابق درخت انگور ہے۔ بعض صحابہ کے نزدیک گیہوں کا درخت مراد ہے۔ مجاہد، قتادہ، ابن جریج وغیرہ کا قول ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ بعض لوگوں نے کھجور کا درخت بیان کیا ہے۔

مقصود بیان حضرت آدم وحضرت حوا کو جنت میں بالکل آزاد رکھا گیا تھا۔ سوا بہ مخصوص قسم کے ہر چیز کے کھانے کی اجازت تھی۔ جو شخص امور مشتبہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ یقیناً حرام امور میں پھنس جاتا ہے، اس لئے مسلمانوں کو مشتبہ امور سے بھی ہر ممکن رکنا چاہیے۔ خداوند تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرنے یا خلاف ورزی کرنے سے انسان درحقیقت خود اپنا نقصان کرتا ہے بعتوب بارگاہ الٰہی ہوتا ہے اور خسارہ اٹھاتا ہے۔ امر خدا کی تعمیل میں علت غرض تلاش کرنی اور چون وچرا کرنا مناسب نہیں۔ وغیرہ

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا

پھر شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ڈگا دیا پس نکلوا دیا اُن کو آرام میں سے جس میں وہ تھے اور ہم نے حکم دیا کہ اتر جاؤ تم

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝

ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور (دنیوی) سامان ایک معین وقت تک ہے

toobaafoundation.com

تفسیر یعنی حضرت آدمؑ و حوّا کو درخت کے پاس جانے کی ممانعت کر دی گئی تھی، لیکن شیطان نے ان دونوں کو بہکایا اور کہنے لگا یَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ۝ اے آدمؑ میں تجھ کو ایسا درخت بتاؤں کہ جس سے کھانے سے تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور تجھ کو زوال سلطنت نہ ملے گی اور یہ الفاظ بھی کہے کہ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ۝ تم کو تمہارے رب نے اس درخت کے کھانے سے صرف اس وجہ سے منع کیا ہے کہ کھانے کے بعد تم دونوں کے فرشتے (نورِ مجسم) ہو جاؤ گے یا دائمی طور پر زندہ رہنے کا خوف تھا۔ بالآخر حضرت آدمؑ و حوّا شیطان کے بہکائے میں آگئے اور درخت ممنوعہ کھا لیا۔ کھاتے ہی لباسِ جنّت بدن سے دُور ہو گیا اور شیطانی اغوا میں اس نعمت لازوال سے دُور ہونے اور جنّت سے نکالے جانے کا سبب ہُوا۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ جب حضرت آدمؑ نے شیطان کے بہکانے سے نافرمانی کی حالت میں پھل کھا لیا تو عتابِ الٰہی شروع ہوا کیوں کہ انبیاء کی بھول اور خطاءِ اجتہادی بھی قابلِ گرفت ہے۔ جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جگہ تمہارے رہنے کے لئے نہیں ہے جاؤ اُترو زمین پر جا کر رہو وہاں باہمی عداوت کی تکلیف اٹھاؤ اور موت تک وہیں رہو اور اپنی معیشت کے اسباب فراہم کرو۔ تم اس لباس لطیف، منزل شریف، رزق کریم اور راحت جسیم کے لائق نہیں ہو۔

مقصودِ بیان شیطان کے اغوا کرنے کے اسباب بے انتہا ہیں ہر طریقے سے شیطان بہکاتا ہے۔ صفحۂ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ عتابِ الٰہی کا سبب درحقیقت انسان کی نافرمانی ہے۔ جنت پیدا ہو چکی ہو انسان زمانے میں تو زمین پر رہتا ہے، لیکن مرنے کے بعد بھی زمین میں ہی رہے گا۔ باہم بغض و عداوت فطری ہے۔ وقت قلیل تک انسانوں کو جائز منافع دنیا سے متمتع ہونے کی اجازت ہے۔ دنیا ایک سرائے ہے اور انسان اس میں مسافر ہے، اس لئے دنیا کو صرف قرارگاہ سمجھنا چاہیئے دائمی پائے گاہ نہ خیال کرنا چاہیئے۔ وغیرہ

فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

بعد ازاں آدمؑ نے اپنے ربّ سے چند الفاظ حاصل کر لئے تو اللہ نے اُن پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی بیشک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے

تفسیر یعنی حضرت آدمؑ جب جنّت سے نکالے گئے تو فوراً ان کو اس غلطی اور تصور کا احساس ہوا۔ بہت پشیمان ہوئے اور مدّت تک پریشان حال زمین پر روتے گناہوں پر روتے اور سرگرداں پھرتے رہے۔ بالآخر خدا تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش زن ہوا اور حضرت آدمؑ کے دل میں یہ دعا القاء فرمائی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ حضرت آدمؑ نے ان کلمات کو پڑھ کر دعا کرنی شروع کی۔ اپنے قصور کو بُرا سمجھ کر دلی سوز و گداز اور ندامت آہ و بکا کے ساتھ آئندہ کے لئے ترکِ گناہ کا مصمّم ارادہ کر کے بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی کیوں کہ خدا تعالیٰ یقیناً توبہ قبول کرنے والا ہے اور بندوں پر ہر حالت میں رحمت و مہربانی فرمانے والا ہے۔

toobaafoundation.com

مقصود بیان ترک گناہ، اعتراف جرم، عزم ترک اور توبہ کی تعلیم، اس بات پر تنبیہ کہ دعا بھی خدا کی طرف سے انسان کے دل میں القا ہوتی ہے۔ یہ بھی اُسی کی رحمت ہے کہ وہ دعا کی توفیق دیتا ہے اور پھر خود ہی توبہ قبول کرتا ہے۔ خدا سے زیادہ کون توبہ قبول کرنے والا نہیں ہے۔ وغیرہ

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

ہم نے حکم دیا کہ تم سب کے سب یہاں سے اُتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے ہدایت پہنچے تو جو کوئی چلے گا میری

هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

ہدایت پر تو اُن کو نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

تفسیر حضرت آدم کی توبہ قبول ہوگئی تھی، لیکن زمین پر رہنا، جنت سے نکالا جانا، دوزخ کا خوف اور اسباب ہدایت کی فراہمی یہ سب اُن کی نکالیف اور افکار کے اسباب تھے، اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ تم زمین پر چلے جاؤ اور کچھ فکر نہ کرو۔ وہاں بھی تم پر میری عنایت رہے گی اور میری رحمت شامل حال ہوگی، لیکن جب میری جانب سے تمہارے پاس میری ہدایت یعنی انبیاء، صلحاء، کتب اور عقل فطری پہنچے تو اس کا اتباع کرنا۔ جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا۔ اب آئندہ کو ایسا نہ کرنا۔ میری ہدایت کے بموجب چلنا۔ کیوں کہ جو شخص میری ہدایت اور اسباب ہدایت کے بموجب چلے گا اُس کو کبھی دوزخ کا خوف نہ ہوگا اور نہ جنت سے محرومی کا غم ہوگا۔ میں اُس کو پھر دوبارہ ان مصائب ارضی اور اسباب معیشت کی فراہمی سے آزاد کر کے جنت میں داخل کروں گا اور دوزخ سے محفوظ رکھوں گا۔ البتہ دنیا میں اس کی دین لے گا جو مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اور جو ناقرانی کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہی دوزخی ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر ہاں جو شخص میری ہدایت کو نہ مانے گا، احکام انبیاء، ہدایت کتب اور عقل سلیم کی رہنمائی قبول نہ کرے گا اور ہماری نشانیوں کی تکذیب کرے گا۔ آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کو جھٹلاتا رہے گا اور آثار قدرت کا جو ذات واحد قدوس پر دلالت کرتے ہیں انکار کرے گا وہ یقیناً ہمیشہ ہمیش کے لئے دوزخی ہوگا۔ کبھی اس کو رہائی نہ ملے گی۔ دوزخ کی آگ فراق الٰہی کی آگ، غم والم کی آگ اور سب سے بڑھ کر اپنے کفر و شرک کی آگ میں جلتا رہے گا۔

ہدایت اوپر کی آیت میں هُدًى سے مراد بروایت ابو العالیہ انبیاء اور کتب الٰہیہ ہیں۔ ابن جبان کہتے ہیں کہ اس آیت میں هُدًى سے مراد صرف ذات محمدی ہے۔ جس طبری فرماتے ہیں کہ قرآن مراد ہے۔

toobaafoundation.com

مقصود بیان ہدایت محض توفیق الٰہی ہے کسی بندے کے بس کی بات نہیں ہے اور خدا کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور باقی گمراہی ہی گمراہی ہے۔ کسی شخص کی عقل ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے کیوں کہ آلائش مادی اور اوہام وساوس سے آلودہ ہے۔ جو منی جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ نجات یافتیں کا حصہ ہے جو ہدایت الٰہی کے پیرو ہیں۔ کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ دوزخ سے کبھی رہائی نہ ملے گی۔ ترہیب وترغیب، اتباع شریعت کی تعلیم، نجات کا دھندہ، عذاب کی بعض دوسری وجوہ تسمیہ بھی بیان کی گئی ہیں۔ سب کچھ آیت کے مضمون سے مقصود ہے:۔

بعض ضروری امور حضرت آدمؑ زمین پر ضرور تشریف لائے تھے اور یہ روایت وحید قوی کردہ سراندیپ وسیلون یا لنکا) میں اُترے تھے، لیکن آپ نے سکونت کہاں اختیار کی؟ اس کی کوئی تحقیق نہیں ہے حضرت حوا جدہ میں اُتری تھیں اور وہیں سکونت پذیر ہوئی تھیں شاید اسی لئے جدہ کو جدہ کہتے ہیں کیوں کہ جدہ عربی میں دادی کو کہتے ہیں۔ چوں کہ تمام آدمیوں کی دادی وہاں نازل ہوکر اقامت گزیں ہوئی تھیں، اسی لئے اس مقام کا نام جدہ رکھا گیا۔ حضرت آدم وحوا کی ملاقات مقام عرفات میں ہوئی اور وہیں فراق جنت کے بعد ہم ایک نے دوسرے کو پہچانا۔ کعبہ حضرت آدمؑ نے بہ ہدایت حضرت جبرئیل بنایا تھا۔ سب سے پہلے دنیا میں یہی تعمیر ہوئی۔ حضرت آدمؑ کی زبان عربی تھی۔ عرب سے نکل کر جدہ میں یا فلسطین یا شام میں ہر دو حضرات نے سکونت اختیار کی تھی۔ بعض لوگوں کے نزدیک مصر کو وطن بنایا تھا۔ حضرت آدم کی عمر نو سو تیس سال کی ہوئی۔ قبر کا پتہ معلوم نہیں۔ حضرت حوا کی قبر کے کچھ نشانات جدہ میں موجود ہیں۔

جب خدا تعالیٰ کی توحید، نبوت اور معاد کے دلائل بیان کر چکا اور اس کی تائید میں ایجاد، ابقاء، وجود اور عام نعمتوں کا ذکر کر چکا اور انسان کی فطرت اور دلائل کا بھی پورا بیان ختم ہو گیا تو اب خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کو ان کی مخصوص نعمتیں یاد دلا کر اس طرف متوجہ فرماتا ہے۔ کیونکہ کائنات انسانی میں بنی اسرائیل سے زیادہ اتمام الٰہیہ کا مورد کوئی نہیں ہوا ہے۔ بنی اسرائیل میں جتنے پیغمبر گزرے کسی کی نسل میں اتنے پیغمبر نہیں ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ

اے اسرائیل کی اولاد میری اُن نعمتوں کو جو میں نے تم پر کی ہیں یاد کرو اور تم میرا اقرار پورا کرو

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنَ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا

میں تمہارا پورا کروں اور تم بھی مجھ سے ڈرتے رہو اور ایمان لاؤ اس (قرآن) پر جو میں نے اتارا ہے جو تصدیق کرتا ہے اس

مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۪ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ

(قدرت) کی جو تمہارے پاس ہے اور نہ ہو جاؤ اس کے پہلے منکر اور نہ لو میری آیتوں کے عوض میں تھوڑا مول اور تم بھی مجھ سے ڈرتے رہو

تفسیر اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب تھا۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ بائبل کے معنی اللہ اور ایل کے معنی بندہ۔ یعنی عبداللہ۔ اولاد اسرائیل سے مراد یہود

toobaafoundation.com

ہیں اور خطاب اُن یہود کو ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ اور اطراف مدینہ میں موجود تھے۔ شیخ عبدالحق محدث نے لکھا ہے کہ مدینہ میں یہودیوں کی سکونت حضرت موسیٰ یا حضرت سلیمان کے زمانہ سے تھی کیونکہ فرق فرعون کے بعد جب وہ ملک شام میں آکر آباد ہوئے اور شام سے کبھی کبھی زیارت کے لئے آتے تھے اور جس مقام پر شب رہ آتے بنا لیتے تھے جو توریت میں خاتم الانبیاء کے وطن ہجرت کے متعلق ذکر کرتے۔ نیز وہی نبوت سے بھی ان کو اطلاع دی..... گئی تھی اس لئے یہود کی ایک جماعت نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی کہ ہم لوگ یہیں رہنا چاہتے ہیں تاکہ پیغمبر آخر الزماں کی بعثت و نبوت پر ایمان لائیں۔ اجازت ملنے کے بعد یہ لوگ یہیں رہ پڑے۔ نبوت خاتم الانبیاء کا شوق ان کا دل گیر تھا اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ جب کوئی مرنے لگتا تھا تو وہ اپنی اولاد کو وصیت کر دیتا تھا کہ تیرے زمانے میں حضور خاتم الانبیاء کا ظہور ہو تو میرا سلام عرض کرکے میرے اسلام لانے کی کیفیت عرض کر دینا۔ اسی طرح ایک مدت دراز گزر گئی۔ ان کی آبادی کے بعد یمن کے دباشندے اوس و خزرج بھی یہاں آکر آباد ہو گئے۔ یہودیوں کی یہی نسل رفتہ رفتہ بڑھ گئی اور یہی قبائل بھی کثیر ہو گئے۔ اوس و خزرج کی اولاد یہودیوں پر غالب آئی لیکن کچھ زمانہ کے بعد اوس و خزرج میں باہم نفاق و شقاق ہوا اور جنگ و جدال کے معرکے ہونے لگے۔ کچھ یہود اوسیوں کے اور کچھ خزرجیوں کے طرفدار ہو گئے۔

یہ یمنی قبائل بت پرست تھے اور یہودی اپنے دین پر قائم تھے اور جب کبھی یمنیوں سے تنگ ہوتے تھے تو اُن کو دھمکاتے ہوئے کہتے تھے کہ الٰہی ہم کو نبی آخر الزماں کے طفیل سے ان لوگوں کی شرارت سے محفوظ رکھ۔ اور ان یمنیوں سے کہتے تھے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ہم پیغمبر آخر الزماں کی زیر حمایت تم لوگوں سے جہاد کریں گے، لیکن جب حضور گرامی کی بعثت ہوئی تو اس زمانے میں کچھ یمنی لوگ مدینہ کے باشندے قریش سے معاہدہ کرنے اور حج کو آنے کی غرض سے مکہ آئے اور جو اس یہودیوں سے خاتم النبیین کی شناخت اور علامات سُن چکے تھے، اس لئے فوراً ایمان لے آئے۔ یہودیوں کے دلوں میں عداوت کی آگ اس بات سے اور زیادہ بھڑک اٹھی اور انصار کو بہکانے کے لئے توریت میں تحریف کرکے اور معانی بگاڑ کے بیان کرنا شروع کر دئے۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں نے حالتہ انکار کیا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے وہ تمام نعمتیں اجمالی طور پر یاد دلائیں جو حضرت موسیٰ کے وقت سے دور محمدی تک یہودیوں کے شامل حال رہی تھیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ۔ یعنی اے یہودیو! میری اس نعمت کو یاد کرو جو تمہارے باپ دادوں کو ہوئی۔ خاص عنایت کی تھیں۔ عذاب فرعون سے اُن کو نجات دی، فرعون کو غرق کیا، اُن کے حاسلے دلائے نیل کا راستہ دکھلایا وغیرہ۔ (فرعون اُن کو قتل کرڈالتا۔ بیابان جنگل میں من وسلویٰ ایسی غذا اُن کو بے محنت عطا کی ورنہ سوچو کوں عرجاتے۔ ان کے علاوہ بہت سے انعام اُن پر کئے اور توریت میں یہ سب مذکور ہیں جن کو تم پڑھتے ہو اور تم کو معلوم ہیں۔ اگر یہ انعام نہ ہوتے تو اُن کی قوم عالم ہستی میں نہ آتی اور نہ تمہارا وجود ہوتا۔ لہٰذا اُن انعامات کو یاد کرو۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ اور میرے اُس میثاق کو پورا کرو جو تم نے کیا تھا کہ نماز باقاعدہ پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، میرے رسولوں پر ایمان لانا اور خدا تعالیٰ کو قرض حسنہ دینا۔ اگر اس عہد پر قائم رہو گے تو اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ کے میں اُس عہد کو پورا کروں گا، جو میں نے تم سے بارہ نقیبوں سے کیا تھا کہ میں تمہارے تمام گناہ معاف کر دوں گا اور تم کو جنت میں داخل کروں گا۔

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ اور مجھ سے ڈرتے رہو۔ یعنی سوائے خوف میرے کسی کا خوف نہ کرو۔ شیطان اور وہم کی وجہ سے کسی کو اپنی رہنمائی اور

toobaafoundation.com

خوف کا مرکز نہ بناؤ۔ یہ مت خیال کرو کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جاؤ گے تو عام یہودی تمہاری سیادت سے نکل کر محمد صلعم کے تابع ہو جائیں گے اور جو کچھ تم کو نذرانہ دیا کرتے تھے وہ بند ہو جائے گا۔ اس حقیر و دنیوی مال کا لالچ نہ کرو بلکہ دینی نجات کی طرف سے امید رکھو اور میرے ہی عذاب کا خوف کرو ایسا نہ ہو کہ جو عذاب گزشتہ بنی اسرائیل پر نازل ہوا ہے وہ تم پر بھی نازل ہو جائے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۪ یعنی اس قرآن پر ایمان لاؤ جو اُن صحیفوں اور کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس موجود ہیں، تمہاری کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو نشانات صفات اور علامات مذکور ہیں اور جس شریعت کا ذکر ہے اس کی تصدیق اس قرآن سے ہوتی ہے۔ (ابو العالیہ، مجاہد و ربیع بن انس اور قتادہ سے اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے) لہٰذا تم اس کو سچ جاننے اور اقرار کرنے والوں میں سے تم اوّل نہ ہو یعنی اہل کتاب میں تم اکلام کرنے میں سب سے اوّل نہ بنو کیوں کہ رسول اللہ کی شناخت کا علم جس طرح تم کو حاصل ہے اوروں کو وہ واقفیت نہیں ہے۔ (ابن عباس و ابو العالیہ)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝ یعنی دنیا کا فائدہ چند روزہ زوال پذیر اور بے مقدار ہے۔ تم رشوتیں لے کر میری آیات کو نہ بدلو۔ صفات و نشانات محمد (صلعم) جو تمہاری کتابوں میں مذکور ہیں دنیوی مال کی لالچ سے ان کو تحریف نہ کرو اور اس قلیل منافع کو میری آیات پر ترجیح نہ دو اور مجھی سے ڈرتے رہو کیوں کہ مشیت الٰہی کے خلاف کسی کو ایک ذرہ نہیں مل سکتا۔ خالق اور خوراق وہی موجد و مبدع وہی ہے۔

مذکورہ آیات کا خلاصہ مطلب تفسیری یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "اے بنی اسرائیل اب میں نے تمہارے دین کی اصلاح اور اغراض و تفریط کو عہد و ذکر در میانی راستہ بتانے کے لئے قرآن اور نبی آخر الزماں کو بھیجا ہے۔ تم میری گزشتہ مہربانیوں اور عنایتوں پر خیال کرکے میرے اُس عہد کو پورا کرو جو میثاق کے دن تم نے مجھ سے کیا تھا کہ ہم تیری اطاعت کریں گے، تیرے پیغمبروں کا حکم مانیں گے اور پھر وقتاً فوقتاً اس عہد کی تجدید و توثیق بھی تم کرتے رہے ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو میں اپنا عہد پورا کروں گا۔ دُنیا میں تمہاری عزت و شوکت اور زائل شدہ سلطنت واپس دے دوں گا اور آخرت میں تم کو حیاتِ ابدیہ اور نجاتِ حقیقیہ سے سرفراز کروں گا اور اس عہد کا وفا کنایہ ہے کہ اس نبی آخر الزماں اور قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہارے اصول دین مطالب توراۃ اور دیگر کتب سماویہ کی تصدیق کرتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو اب تم اہل علم یا اہل کتاب میں سے سب سے اوّل منکر بن کر اغراض دنیوی کے عوض جو بالکل بے مقدار ہیں۔ میری آیات کو نہ بیچو اور میرے عذاب سے خوف کرو۔"

مقصود بیان۔ الیفا برعہد کی تعلیم، گزشتہ انعاماتِ الٰہی کو یاد کرنے کا حکم، امید و خوف کا مرکز صرف ذاتِ خداوندی کو قرار دینے کا وجوب، قرآن پر ایمان لانے کا امر، اس امر کی تصریح کہ قرآن احکام توریت کا مصدق ہے۔ اگرچہ فروعی اختلاف ہے۔ احکام شرائع میں کمالی لالچ یا کسی اور امر کی طمع کی وجہ سے چھپانا، پھیرنا، فروخت کرنا حرام ہے۔ عالم ناسوت سے بیزار ہو کر عالم لاہوت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ یعنی شرک جلی سے احتراز کیا جائے یہ تقویٰ کا پہلا مرتبہ ہے۔ گناہ و شرک خفی سے احتراز کیا جائے یہ دوسرا مرتبہ ہے۔ غیر اللہ کے تو شل سے نظر اٹھالی جائے یہ تیسرا مرتبہ ہے۔ اپنی ہستی کو بھی فراموش کر دیا جائے۔ یہ چوتھا

toobaafoundation.com

مرتبہ ہے۔ لفظ ذَاقُوْنِ سے چاروں معنی کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

تفسیر یعنی صحیح میں غلط نہ ملاؤ اور نہ حق کو دانستہ چھپاؤ۔ پہلی آیات میں صحت نظریات کا حکم تھا۔ یہاں دستی عملیات کا امر کیا جاتا ہے۔ علماء یہود کا دستور تھا کہ کتب انبیاء میں عمداً کسی خاص مدعا اور غرض کو ثابت کرنے کے لیے گھٹا بڑھا دیا کرتے تھے۔ یا جو کتابیں کسی حادثہ کی وجہ سے محلف ہو جاتی تھیں یا ناقص ہو جاتی تھیں اُن کے نام پر اپنی تصنیف کردہ کتابوں کو چلا دیا کرتے تھے۔ کبھی شرح کے طور پر کچھ لکھ دیتے تھے۔ لیکن متن و شرح اور قدیم و جدید میں کوئی امتیازی نشان نہ بناتے تھے جس سے معلوم ہو سکے کہ کونسا حصہ اصل ہے اور کونسا حصہ بڑھایا ہوا ہے اور تمام بنی اسرائیل میں کوئی حافظ بھی نہ تھا نہ اصلی کتب دینیہ ملتی تھیں بلکہ جس کاہن اور راہب و عالم کے پاس جو حصہ تھا وہ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر کتاب میں گھٹانا بڑھانا خصوصاً کسی مالی لالچ کے وقت بہت آسان تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل حضورؐ کے متعلق کتب انبیاء میں بشارتیں دیکھ کر بنی اسرائیل سرکار مالی کے ظہور کے منتظر تھے اور محامد محمدی بیان کیا کرتے تھے لیکن ظہور نبوت کے بعد رشک خاندانی، حسد ذاتی اور طمع دنیوی کی وجہ سے اُن بشارتوں کو اُلٹنے پلٹنے لگے اور کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا اور مسائل فقہیہ میں تاویلات و توجیہات کرنے لگے، اس لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ حق میں اپنی طرف سے باطل کو نہ ملایا کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپایا کرو کیونکہ تمہاری گمراہی سے اور ہزاروں گمراہ ہوتے ہیں (حقانی و معالم التنزیل مع زیادت) اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو حق کو چھپانا گناہ ہی ہے۔ پھر جان بوجھ کر پوشیدہ کرنا اور سخت گناہ ہے۔ پھر ایمان سے خود محروم ہونا کس قدر نقصان ہے۔ پھر دوسروں سے حق کو چھپانا اور سچ کا اظہار نہ کرنا اُن کی محرومی اور ثبات کفر کا سبب ہے۔ یہ بھی بڑا گناہ ہے۔ پھر دوسروں کو دھوکا دے کر کفر میں ڈالنا، آیات الٰہی کو کوڑیوں کے مول بیچنا اور ملک میں فساد پھیلانا گناہ در گناہ ہے۔ اس لیے مذکورہ بالا ارشاد ہوا۔

مقصد و بیان معاملات الٰہی میں خلط و ضبط نہ کیا جائے۔ کشف کو خیال سے، فہم کو وہم سے، فراست کو قیاس سے، الہام کو وسواس سے اور حقیقت کو شک سے، بندگی کو ربوبیت سے، شریعت کو رسم و عادت سے، اخلاص کو ریاکاری سے اور کرامت کو مکاری سے مخلوط نہ کیا جائے۔ بلکہ بقول شیخ سہل آخرت کو دنیا سے مخلوط نہ کیا جائے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرو

toobaafoundation.com

تفسیر اس سے پہلے کی آیت میں بُری باتوں کی ممانعت تھی۔ اس آیت میں اچھی باتوں کے اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور جہاد، مالی و بدنی فرض کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق کو باطل سے نہ ملاؤ، خالص دل سے ایمان لاؤ اور باقاعدہ ترتیل و تعدیلِ ارکان کے ساتھ وقت کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھو تاکہ تمہارے دل نرم پڑ جائیں، دلوں کی سیاہی زائل ہو جائے اور زکوٰۃ بھی ادا کرو۔ تاکہ مال میں برکت ہو اور فقراء و مساکین کے حقوق ادا ہو کر مساواتِ انسانی کا مظاہرہ ہو جائے اور فقط یہی نہیں کہ گھر میں پڑھ لیا کرو۔ بلکہ صحابہ کی جماعت کے ساتھ جن کی نمازیں رکوع ایک جزوِ ضروری ہے شامل ہو کر نماز پڑھا کرو۔ اپنے مذہب کی نماز جس میں رکوع نہیں ہے ترک کر دو۔ مسلمانوں کے ساتھ مل کر پڑھو۔

مقصودِ بیان۔ نماز و زکوٰۃ کی فرضیت، جماعت کا وجوب، مساواتِ انسانی کا مظاہرہ وغیرہ۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ

کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو بھلائی کا اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب (الٰہی) پڑھتے ہو تو

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا

کیا تم سمجھتے نہیں ہو اور تم سہارا پکڑو صبر اور نماز کا اور بیشک نماز ضرور دشوار ہے مگر اُن

الْخَاشِعِينَ ۝ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ ع

عاجزی کرنے والوں پر، نہیں، جن کا خیال ہے کہ وہ ضرور اپنے پروردگار سے ملیں گے اور بلاشبہ اُس کی طرف لوٹیں گے۔

تفسیر یہ آیت علمائے یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ علمائے یہود باشندگانِ مدینہ اُن یہودیوں سے جو ایمان لائے تھے کہا کرتے تھے کہ تم دینِ اسلام پر قائم رہو۔ اطاعتِ محمدیہ کیے جاؤ۔ یہی سچا مذہب ہے۔ لیکن خود اسلام سے گریز کرتے تھے۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ یعنی کیا تم لوگوں کو تو اسلام لانے، اسلام پر ثابت قدم رہنے، اطاعتِ الٰہی، تقویٰ اور امورِ خیر کے اختیار کرنے، صوم و صلوٰۃ کے ادا کرنے اور رشوتیں لے کر حق پوشی نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہو اور خود ان ہدایات پر عامل نہیں ہوتے اور اختیارِ خیر کے موقع پر گویا اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔ خود ان پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ حالانکہ تم تورات پڑھتے ہو جس کے اندر دیگر ان راہنمائیوں و خوبیوں کی کس قدر مخالفت ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ اپنے آپ کو عذاب میں ڈالنا کیسی بُری حرکت ہے۔ کیونکہ اگر سمجھتے ہوتے تو اس حرکت سے باز آجاتے۔ مطلب کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل تم تورات کی تلاوت کرتے ہو۔ اس میں اعمالِ صالحہ کی نہایت تاکید ہے اور خود عمل نہ کرنے اور محض دوسروں کو نصیحت کرنے پر بڑی تہدید ہے مگر تم خود عمل نہیں کرتے۔ دوسرے لوگوں کو وعظ و تدریس کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہو۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ وجہ یہ ہے کہ تمہارے

toobaafoundation.com

نفس سرکش ہیں وہ ان اعمال حسنہ، تقید شریعت اور روحانی صفائی کو پسند نہیں کرتے۔ لہٰذا اس کا روحانی علاج یہ ہے کہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ، تم روزہ نماز سے نفس کو مشقت کشی کا عادی بناؤ۔ کیونکہ روزہ میں کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا، صبر کرنا اور نفسانی خواہشات کو روکنا پڑتا ہے اور پھر نماز میں مشغول ہو کر تمام اعضائے جسم کو عبادت میں مصروف رکھنا، روح کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا، تسبیح و تقدیس کرنا، قرآن پڑھنا، دل کو حاضر رکھنا۔ ان سب کا مجموعہ روح کے لیے تازگی بخش ہے۔ نفس کی تیزی کو توڑ دیتا ہے، حبِ مال و جاہ کو زائل کر دیتا ہے اور ہر قسم کی نفسانی خواہش کو جو عمل خیر سے مانع ہوتی ہے پژمردہ کر دیتا ہے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں صبر سے روزہ مراد ہے، کیونکہ روزہ خواہشات کو توڑ دیتا ہے۔ یعنی اس سے سرداری و مال کی خواہش ٹوٹ جائے گی اور نماز کا حکم اس لیے دیا کہ اس سے بارگاہ الٰہی میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا علم کا غرور جاتا رہے گا اور نماز جمعہ کے مجمع سے یہودیوں کے تینوں اخلاق ذمیمہ زائل ہو جائیں گے۔ نہ حبِ مال و جاہ رہے گی نہ غرورِ علم ابن حیان فرماتے ہیں کہ نماز سے مراد تمام فرائض دینی ہیں اور صبر سے مراد خواہشاتِ نفسانی کی بندش ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے خواہشات شیطانی کو زائل کر دو پھر فرائض دینی کو ادا کرو۔ گویا اوامر و نواہی کے پابند ہو جاؤ۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الخ۔ اور یہ نماز بھی کافروں اور منافقوں کے واسطے دشوار بات ہے۔ اس کے متعلق بھی وہی لوگ ہوتے ہیں جو خدا کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم کو خدا سے ملنا ہے۔ ابن عباسؓ اور مجاہد کے نزدیک ... خٰشِعِيْنَ سے وہ سچے مومن مراد ہیں جو آیاتِ الٰہی کو سچا اور دل سے مانتے ہیں۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ خاشعین سے وہ لوگ مراد ہیں جو عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں۔ ابن حیان کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بارگاہِ الٰہی میں عجز و انکسار کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ ضحاک نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نماز سب پر ثقیل ہے سوائے ایسے لوگوں کے جو خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے وعدہ و وعید کو سچا جان کر اس کے عذاب سے ڈرتے اور اس کے ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں۔

مجاہد، ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں لفظ ظن آیا ہے اس کے معنی یقین کے ہیں۔ بیضاوی نے آیت میں ظن کے معنی توقع کے لکھے ہیں۔ یعنی جو خدا سے ملنے کے متوقع ہیں۔ مادی کا قول ہے کہ آیت میں ملاقات سے موت مراد ہے اور ظن سے مراد انتظار یعنی جو لوگ موت کے انتظار میں ہیں ان پر نماز گراں نہیں ہے۔ کیونکہ نماز میں ان کو مناجاتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے اور جس بات کے انتظار میں یہ لوگ ہیں اس کے مقابلہ میں نماز کی مشقت ہیچ ہے۔

مقصود بیان

خود پابند احکام ہونے کا وعظ اور بعد کو دوسروں کو نصیحت کرنے کا حکم۔ لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ جو شخص پابند نہیں وہ دوسروں کو نصیحت بھی نہ کرے۔ کیونکہ خود پابند عمل ہونا واجب ہے اور دوسروں کو پابند بنانا دوسرا واجب ہے: ایک واجب کے ترک سے دوسرے واجب کی ممانعت نہیں ہو سکتی۔ تمام اوامر و نواہی کی تعلیم قوتِ شہوانیہ کا زور توڑنے کا حکم، نماز ادا کرنے کا وجوب، اس بات کا حکم کہ مرنے کے بعد یقیناً خدا کے سامنے جانا اور حساب دینا ہے۔ فروتنی اور عاجزی کرنے والوں کی مدح، قیامت پر ایمان رکھنے والوں کی لطیف پیرایہ میں تعریف، تعمیل احکام شریعت میں اگر تساہل یا تردد ہو تو نماز روزہ سے استعانت کا حکم وغیرہ۔

toobaafoundation.com

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے بنی اسرائیل تم یاد کرو میری اُن نعمتوں کو جو میں نے تم پر کی ہیں

وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور اس بات کو کہ میں نے تم کو دنیا جہاں والوں پر فضیلت دی

تفسیر چونکہ بنی اسرائیل کو اہل علم اور انبیاء زادے ہونے کی وجہ سے دوچند غرور اور تعصب تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے دوبارہ اپنی نعمتوں کو یاد دلایا اور فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم میری نعمتوں کو یاد کرو اور اس بات کو بھی یاد کرو کہ میں نے ایک زمانہ میں تمہارے آباؤ اجداد کو اس زمانہ کے تمام انسانوں پر شرف عطا کیا تھا۔ بڑے بڑے بادشاہ اور متبرک لوگ تمہارے خاندان کو مقدس اور متبرک جان کر ادب سے خدمت میں پیش کرتے تھے اور تمہارے خاندان کی عزت و حرمت اور علم و نبوت کی شہرت عالمگیر تھی۔ ابوالعالیہ، مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور اسمٰعیل بن ابی خالد کا قول ہے کہ عالمین سے مراد بنی اسرائیل کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ تمام عالم پر فضیلت مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ امت محمدیہ حکم نفس تمام امتوں سے افضل ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

اور اس دن سے ڈرتے رہو کہ کوئی شخص کسی شخص کے کام نہ آئے گا اور نہ قبول ہوگی اُس کی جانب سے سفارش

وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی بدلا اور نہ اُن کی کچھ مدد کی جائے گی

تفسیر یعنی اگر تم اپنی سرکشی اور تعصب سے باز نہیں آتے اور نعم الٰہی کے متن کرا نہیں کرتے اور شریعت کی خلاف ورزی اور بُت پرستی کرنے کی وجہ سے تم اپنی سلطنت و حشمت اور نبوت کو خاک میں ملا چکے تو غضب کو تو اور بڑھاتے رہو کہ ایک روز ضرور مرنا ہے اور مرنے کے بعد قیامت کے دن خدا کے سامنے حساب کتاب دینے کے لیے جانا ہے۔ اس روز وہاں کوئی شخص عذاب الٰہی کو کسی طریقہ سے دفع نہ کر سکے گا۔ نہ تو کوئی شخص تمہاری ذمہ داری کر سکے گا کہ تمہاری جانب سے تمام حقوق و محاسبہ اپنے سر پر لے لے اور نہ کوئی اپنی وجاہت ذاتی کی وجہ سے تمہاری سفارش کر کے عذاب کو معاف کرا سکے گا اور نہ کوئی مال و دولت یا کوئی اور معاوضہ لے کر تمہارے جرم کا عوض دے سکے گا اور نہ یہ ممکن ہوگا کہ کوئی خدا سے مقابلہ کر کے تمہاری مدد کرے اور اس صورت سے تمہاری نجات ہو جائے۔ جب دفع عذاب کے یہ کل طریقے ناممکن ہیں اور رہائی کی کوئی شکل نہیں ہے تو پھر تم کو عذاب الٰہی کا خوف کرنا چاہیئے اور شریعت محمدی کا پیرو بن جانا چاہیئے۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان ترغیب و ترہیب، بنی اسرائیل پر احسان کرنے کا بیان، دفع عذاب کا عدم امکان، اس امر کی تصریح کہ کوئی شخص کافروں کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ خدا پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ کافروں کی کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ کوئی کسی کے گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ کوئی مال عوض میں نہیں دے سکتا۔ وغیرہ

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ

اور (یاد کرو) جب فرعون والوں سے ہم نے تم کو رہائی دی وہ تم کو بُری تکلیف پہنچاتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو ذبح

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

کرڈالتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی

تفسیر حضرت یوسفؑ نے بنو اسرائیل کو مصر میں لاکر آباد کیا تھا اور چار سو برس کے اندر ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ فراعنۂ مصر کو ان پردیسیوں کا مصر میں رہنا پسند خاطر نہ تھا اور خود برسرِ حکومت ہونے کی وجہ سے اُن سے ٹیکس لیتے اور ذلیل کام کراتے تھے۔ عورتوں سے سوت کتواتے اور کپڑا بُنواتے اور مردوں سے راجِ مزدوری کا کام لیتے اور کھیت جُتواتے تھے۔ یہ ہمارے اس عیسیٰ میں تو مبتلا تھے ہی کہ ایک شب فرعونِ مصر ولید بن مصعب بن ریان نے خواب دیکھا اور صبح کو تمام کاہنوں کو جمع کر کے تعبیر پوچھی کہ میں نے بیت المقدس (یروشلم) کی طرف سے ایک آگ آتی دیکھی جس نے تمام مصر کو گھیر لیا اور جس جس کو ایک قبطی (خاندان عالقہ کے افراد) کو جلا دیا۔ یہ سُن کر تمام کاہنوں نے بالاتفاق کہا کہ بنو اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہونے والا ہے جو آپ کی ہلاکت اور زوالِ سلطنت کا سبب ہوگا۔ فرعون نے یہ سُنتے ہی تمام دائیوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو وہ فوراً قتل کر دیا جائے البتہ لڑکی چھوڑ دی جائے۔ غرض اس سوچ میں کئی ہزار معصوم بچے پیدا ہوتے ہی مارے گئے۔ اُس وقت سرداران قبط نے متفق ہو کر فرعون سے التجا کی کہ یہ بنی اسرائیل شور دریں۔ تمام ذلیل کام ان یہودیوں سے ہی متعلق ہیں۔ اگر یہ قتلِ عام اسی طرح جاری رہا اور بچے یونہی مارے جاتے رہے اور بوڑھے لوگ تو مر ہی رہے ہیں تو انجام کار ذلیل کام بھی ہم ہی کو کرنے ہوں گے۔ یہ سُن کر فرعون نے ترمیم کی کہ ایک سال قتل جاری رہا کرے اور دوسرے سال بند رہے۔ جس سال یہ قتل موقوف رہتا اس سال حضرت موسیٰؑ کے بڑے بھائی حضرت ہارونؑ پیدا ہوئے اور جس سال قتل جاری تھا اُس سال حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے اور خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو خوف سے بھی لطیف حکمت کی وجہ سے محفوظ رکھا۔ اسی واقعہ کی طرف آیت زیرِ ارشاد رہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل! اُس نعمت کو یاد کرو کہ جب ہم نے تم کو فرعون کے ساتھیوں سے نجات دی تھی وہ لوگ تم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کیا کرتے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا کرتے تھے۔ لیکن اس مصیبت سے تم کو نجات دی اور اس مصیبت و نجات میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی بڑی آزمائش تھی۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان بنی اسرائیل پر احسان وانعام کا بیان اور رسول اللہ کے زمانہ کے یہودیوں کو دعوتِ اسلام، اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ جب انسانی مصائب انتہا کو پہنچ جاتے ہیں اور انسان صبر کرتا ہے تو خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ آیت سے ایک امر یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خدا کی آزمائش کی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی تو تکلیف و مصائب میں مبتلا کر کے آزمائش کی جاتی ہے اور کبھی راحت و آرام پہنچا کر امتحان کیا جاتا ہے۔ وغیرہ

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہارے واسطے دریا کو پھاڑ کر تم کو تو نجات دیدی اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور تم دیکھتے رہے

تفسیر حضرت موسیٰ کی بعثت سے قبل فرعون اور فرعون کے ہم قوم بنی اسرائیل پر بڑے مظالم کیا کرتے تھے اور بنی اسرائیل اس امید پر ان مظالم کو برداشت کرتے رہتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر ہم میں سے خدا تعالیٰ مبعوث فرمائے گا جس کی وجہ سے ہم کو اس بلا سے نجات مل جائے گی۔ لیکن موسیٰؑ کی بعثت کے بعد بھی اُن کی تکلیفوں میں کمی نہ ہوئی بلکہ اور اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت موسیٰ فرعون کو مختلف معجزات کے ذریعہ ہدایت کرتے تھے کہ اس ظلم کو چھوڑ دے یا میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے تاکہ میں ان کو اُن کے آباواجداد کے ملک شام میں لے جاؤں۔ لیکن فرعون نے نہ مانا۔ موسیٰؑ کے قول سے سرتابی کی بلکہ موسیٰؑ کے قتل کے درپے ہو گیا۔ بالآخر بحکم خدا موسیٰؑ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے باہر نکل گئے اور فرعون کو خبر بھی نہ ہوئی۔ عمرو بن میمون وغیرہ تابعین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر بحرِ قلزم پہنچے۔ سمندر بھرا ہوا تھا اور نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ حضرت یوشع بن نون نے حضرت موسیٰؑ سے عرض کیا کہ فرمایئے خدا تعالیٰ نے آپ کو کدھر جانے کا حکم دیا ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت یوشع نے فوراً سمندر میں گھوڑا ڈال دیا۔ لیکن دھارا میں پہنچ کر موجوں کے تھپیڑے سے پھر کنارے پر آ لگے۔ تین بار اسی طرح واقعہ ہوا۔ اُس وقت بنی اسرائیل نے گھبرانا شروع کیا۔ اتنے میں فرعون کا لشکر نظر آیا جو بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا تھا۔ بنی اسرائیل لشکر کو دیکھ کر اور خوفزدہ ہو گئے اور کہنے لگے اب ہم ضرور گرفتار ہو جائیں گے اور موسیٰؑ سے کہنے لگے۔ کیا مصر میں قبرستان نہ تھے کہ تم ہم کو یہاں مروانے لائے۔ اب ہم تمہارے کسی جادو کا یقین نہیں کر سکتے۔ حضرت موسیٰؑ نے جھڑکا اور فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وہی مجھے راستہ بتائے گا۔ بالآخر موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ سمندر میں لاٹھی مارو۔ حضرت موسیٰؑ نے بارہ قبائل کے بارہ راستوں کے لیے بارہ جگہ لاٹھی ماری جس سے سمندر بارہ جگہ سے پھٹ گیا۔ پانی بلکہ کیچڑ بھی خشک ہو گیا۔ ہر گروہ کا ایک خشک راستہ بن گیا۔ پھر حکم ہوا کہ اب سمندر پار ہو جاؤ۔ سب لوگ خشک راہوں سے سمندر پار ہو گئے۔ اتنے میں فرعون بھی مع لشکر کے دوسرے کنارے پر آ پہنچا۔ ہامان نے کہا کہ موسیٰؑ بزورِ ساحری اس شان سے پار نکل گیا آپ بقوتِ خدائی اُتر چلئے۔ فرعون اگرچہ پار جانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن حمیت سے شرم کھا گیا۔ دریا میں گھس گیا اور اُسی خشک راستہ میں گھوڑا ڈال دیا۔ کیونکہ بحکیم الٰہی اس وقت خشک راستے موجود تھے۔ بنی اسرائیل دوسرے کنارے پر سہمے ہوئے و ترساں کھڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر میں سمندر برابر ہو گیا اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہو گیا۔ لیکن بنی اسرائیل پر پھر بھی خوف طاری تھا۔ جب سمندر سے فرعون کی ناپاک لاش باہر پھینکی گئی تب بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کا یقین ہوا اور مطمئن ہوئے۔ یہ واقعہ

toobaafoundation.com

ماہِ محرم روزِ عاشورہ کا ہے۔ صحیح روایت سے یہ واقعہ بھی ثابت ہے کہ جب بنی اسرائیل سمندر کو پار کر رہے تھے تو خدا تعالیٰ نے ہر خشک راہ میں اِدھر اُدھر سوراخ کھول دئے تھے تاکہ ہر گروہ دوسرے کے عبور کی حالت بھی دیکھ سکے۔ اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

ہماری اُس نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے بحرِ (قلزم) کو تمہارے لیے پھاڑ دیا تھا اُس میں خشک راستے بنا دیئے تھے اور ان راستوں کے ذریعہ سے تم کو فرعون سے نجات دی تھی۔ لیکن وہی چیز جو تمہارے لیے باعثِ رحمت تھی فرعون والوں کے لیے باعثِ عذاب ہوئی اور ہم نے تمہاری نظروں کے سامنے اُن کو غرق کر دیا۔

مقصودِ بیان قدرتِ الٰہی کا اظہار، اس امر کی طرف اشارہ کہ جو چیز فرمانبردار بندوں کے لیے باعثِ رحمت ہوتی ہے۔ وہ سرکش انسانوں کے لیے ذریعۂ عذاب ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کا جزت۔ اس امر پر تنبیہ کہ خدا تعالیٰ سرکشوں کی ایک وقت خاص تک رسّی ڈھیل چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن بالآخر گرفت کرتا ہے تو پھر رہائی ناممکن ہوتی ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر تم نے بچھڑا بنا لیا اس کے بعد

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

اور تم ظلم کر رہے تھے پھر ہم نے اس پر بھی درگزر کی شاید تم احسان مانو

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

اور (یاد کرو) جب ہم نے عطا کی موسیٰؑ کو کتاب اور قانونِ فیصل تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کے وہ حالات بیان کرتا ہے جو بحرِ قلزم سے پار اُتر کر ظہور پذیر ہوئے۔ آیات کی تفسیر سے قبل اصل قصہ جان لینا ضروری ہے۔ جب موسیٰ بحرِ قلزم کو عبور کر کے کوہِ طور کے پاس پہنچے تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تیس روز تک ترکِ دنیا کر کے ہماری عبادت کرو تاکہ اس دوران میں جسمانی اور مادّی کثافت کم ہو کر روحانیت غالب ہو جائے اور خدا سے ہم کلامی کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ حسبِ الحکم حضرت موسیٰؑ کوہِ طور کے جنگل میں عبادت، ریاضت اور مجاہدہ کے لیے چلے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کے جانے کے بعد بنی اسرائیل مطلق العنان ہو گئے اور چونکہ ان کی فطرت میں محسوس پرستی کا خمیر تھا، اس لیے محسوس معبودوں کی تلاش میں سرگرم رہے۔ بنی اسرائیل جب مصر سے آئے تھے تو قبطیوں سے کچھ زیورِ عاریۃً شادی کے بہانہ سے لے کر آئے تھے۔ وہ زیور بھی اُن کے پاس موجود تھا۔ سامری ایک پُرفن بازیگر تھا اور حضرت جبرئیلؑ کو اس نے اس وقت دیکھا تھا جب غرقِ فرعون کے وقت آپ بشکلِ بشری گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے تھے۔ اس وقت جبرئیل کے گھوڑے کی خاکِ قدم

toobaafoundation.com

اس نے تھوڑی سی مٹی اٹھالی تھی۔ وہ بھی اس کے پاس محفوظ تھی۔ بس اس نے حضرت موسیٰؑ کی خوبیت اور بنی اسرائیل کی بیوقوفی سے فائدہ اٹھایا اور قبطیوں والے زیور کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنایا اور اس کے پیٹ میں قدیم اسپ کی خاک ڈال دی۔ بچھڑا بولنے لگا۔ سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ یہی تمہارا اور موسیٰؑ کا رب ہے۔ حضرت ہارونؑ نے بنی اسرائیل کو بہت سمجھایا کہ بے وقوفو! دیکھو یہ خدا کی آزمائش ہے حضرت موسیٰؑ صرف ایک ماہ کے لیے گئے ہیں۔ تم ان کو آنے دو۔ ایسا کھلا ہوا شرک نہ کرو۔ لیکن کسی نے ان کا کہنا نہ مانا اور ارتداد کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت ہارونؑ خاموش ہو گئے۔ اُدھر حضرت موسیٰؑ کو دس روز کی مزید تاخیر ہو گئی۔ کیونکہ بجائے تیس دنوں کے خدا تعالیٰ (ترجیع کر کے ایک چلّہ مقرر کر دیا تھا۔ بے وقوف اسرائیلی ویسے ہی محسوس پرستی کی طرف مائل تھے۔ سامری نے اخوار کرنے میں اور اضافہ کیا۔ کہنے لگا۔ دیکھو تمہارا اور موسیٰؑ کا خدا تو یہ ہے۔ موسیٰؑ بھٹک کر کوہِ طور کی طرف گئے ہیں اور اسی وجہ سے اب تک نہیں آئے۔ بس پھر کیا تھا سوائے بارہ ہزار آدمیوں کے سب بے وقوف گوسالہ پرستی میں مشغول ہو گئے۔ مدتِ مقررہ کے بعد جب حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر سے احکام کی تختیاں لے کر آئے تو بنی اسرائیل کو اس باطل پرستی میں دیکھ کر غضبناک ہو گئے۔ تختیاں پھینک دیں۔ حضرت ہارونؑ پر غرب ناراض ہوئے اور سخت باز پرس کی۔ حضرت ہارونؑ نے معقول معذرت کی۔ سامری سے دریافت کیا تو اُس نے کھلی واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کو بڈھا دی جس سے وہ کوڑھی ہو گیا اور کوئی اُس کے پاس تک نہ آتا تھا اور نہ وہ کسی کو چھو سکتا تھا۔ اسی حالت میں وہ مر گیا۔ بالآخر خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اس بچھڑے کو دریا میں پھینک دو۔ اور تمہاری توبہ قبول ہونے کی یہ صورت ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔ چنانچہ ایک دن میں ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ آخر میں حضرت موسیٰؑ نے دوبارہ اتھا کی تورعانی کا حکم آیا۔ اس کے بعد دوبارہ حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر گئے تو بہت سے احکام لائے جو تختیوں پر لکھے ہوئے تھے اور انہی احکام کا مجموعہ تورات کے نام سے موسوم ہوا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اُس نعمت کو یاد کرو جب کہ ہم نے موسیٰؑ سے ایک چلّہ کا وعدہ کیا اور حکم دیا کہ چالیس شب تم عبادت کرو۔ چالیس شب گزرنے پر تم کو توریت عطا کی جائے گی۔ جس کے اندر ہدایت اور نور ہوگا۔ حسب الحکم موسیٰؑ کوہِ طور کے غار کی طرف گئے۔ اُن کے جانے کے بعد تم نے بنائے ہوئے گوسالہ کو معبود بنا لیا اور خود اپنے پیے خرابی کی۔ جو چیز قابلِ پرستش تھی اُس کی عبادت کرنے لگے۔ لیکن پھر بھی ہم نے تم پر احسان کیا اور تمہارے جرم سے درگذر کی تاکہ تم ہمارے احسان کا شکریہ ادا کرو اور اُس احسان کو بھی یاد کرو کہ ہم نے تمہاری ہدایت کے لیے موسیٰؑ کو ایک کتابِ تشریعت دی، جس کے ذریعہ سے حق و باطل، حلال و حرام اور احکام شیطانی و رحمانی میں امتیاز ہوتا تھا اور اس سے مقصود صرف تمہاری ہدایت تھی۔

مقصودِ بیان عبادت و صفائیِ نفس کے لیے چند روز کے لیے عارضی طور پر تعلقات دنیا ترک کر دینے جائز ہیں۔ شرک بڑا ظلم ہے۔ دینِ الٰہی اور کتابِ سماوی بڑی نعمت ہے۔ اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ یعنی اُس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ ہم جنس کی شرارت سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ آدمی آدمی کے لیے شیطان سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو ہدایت کرے اور کتابِ الٰہی اور قولِ پیغمبر کے موافق اُس کی بات ہو تو ماننا چاہیئے۔ ورنہ اس کو چھوڑنا اور گمراہ جاننا چاہیئے۔ سوادِ اعظم بڑا ہی دھوکے میں اس کا اندیشہ نہ نکلے گا۔ جو چیز خلافِ عادت واقع ہو اس کو کرامت ہی نہ سمجھ لینا چاہیئے جب تک شرع کے مطابق نہ ہو۔ اگر شرع کہ کسی کا کوئی مرشد ہو جائے اور پھر نادم ہو کر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ ہدایت کو کتابِ الٰہی ہی سے تلاش کرنا چاہیئے۔ کتابِ الٰہی

toobaafoundation.com

سے حق و باطل، کفر و اسلام، ہدایت و گمراہی، نور و تاریکی میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ

اور (یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! تم نے بیشک گوسالہ کو (معبود) بنا لینے سے اپنے اوپر ظلم کیا

الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ

سو توبہ کرو تم اپنے خالق کی جانب اور اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے تمہارے

بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

خالق کے نزدیک پھر اللہ متوجہ ہوا تم پر یقیناً وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

تفسیر جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو کوہ طور پر بنی اسرائیل کے گمراہ ہو جانے سے آگاہ فرمایا اور موسیٰؑ توریت لے واپس آئے اور بنی اسرائیل کو اپنی گمراہی کا احساس ہوا تو افسوس کرنے لگے اور نادم ہو کر توبہ کرنی شروع کر دی۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول ہونے کے لیے ایک دوسرے کو قتل کرنا لازم قرار دیا۔ کیونکہ جس شخص کو آخرت کا پختہ یقین ہوتا ہے اور اُس سے مغفرت کا پختہ وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ لامحالہ اس دارِ فانی کو چھوڑ کر آخرت کو پسند کرتا ہے اور یہ بھی درحقیقت ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ بالآخر بنی اسرائیل نے اپنے اہلِ قرابت کو مارنا شروع کیا۔ ہزاروں آدمی مارے گئے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کو رحم آیا اور خدا تعالیٰ سے معافی کی دعا کی اور خدا نے معاف فرمایا۔ اسی قصّہ کو آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اے قوم والو! تم نے گوسالہ پرستی کر کے خود اپنے لیے خرابی پیدا کی ہے۔ اب اپنے خالق کے سامنے توبہ کرو اور (توبہ کی صورت یہ ہے کہ باہم خود ہی ایک دوسرے کو قتل کرو۔ یہی تمہارے لیے خالق کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر جب موسیٰؑ کی ہدایت کے موافق تم نے عمل کیا تو خدا نے تمہاری توبہ قبول کی کیونکہ خدا توّاب رحیم ہے۔

سعید بن جبیر نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا تھا کہ قبولِ توبہ کی صرف یہ شکل ہے کہ اگر باپ بیٹے سے یا بیٹا باپ سے ملے تو قتل کر دے۔ بنی اسرائیل نے اس حکم کی تعمیل کی اور خدا تعالیٰ نے قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا (ابن جریر)۔ اس روایت کی تفصیل ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں آئی ہے کہ جب قتل کا حکم صادر ہوا تو جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی تھی اُن کو اس حکم سے مطلع کیا گیا۔ انھوں نے ہر تسلیم جھکا دیا اور جنھوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی وہ تلواریں کر اُٹھے اور اس وقت ایک تاریکی چھا گئی اور انھوں نے گوسالہ پرستوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کی دعا سے تاریکی دور ہوئی اور قتل کا حکم معاف ہوا۔ مجاہد کی روایت میں مقتولین کی تعداد ستّر ہزار ظاہر کی گئی ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ تاریکی دور ہونے کے بعد حضرت موسیٰؑ مقتولین کی لاشیں دیکھ کر غمگین ہوئے تو خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ موسیٰ کیوں غمگین ہوتے ہو جو لوگ مقتول ہوئے وہ میرے پاس زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں اور جو لوگ باقی رہے ہیں میں نے اُن کی توبہ

toobaafoundation.com

قبول فرمائی۔ یہ فرحت آگیں پیام سن کر حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کا غم دور ہوا۔

مقصود بیان آیت میں ایک لطیف ترین اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہو، خواہ ہوا پرست ہو، یا ہوا پرست، یا زندہ پرست یا مُردہ پرست یا مکدست پرست۔ بہرحال جو غیر اللہ کا پرستار ہو۔ اس کے لیے مناسب ہے کہ نفس کے گوسالہ کی قربانی کرے۔ قوتِ شہوانیہ وغضبیہ کے افعال کو دائرۂ شریعت کے اندر محدود کردے۔ حکیم الٰہی کے خلاف نفس سے کوئی کام نہ لے۔ اپنی رضا وارادہ کو تسلیم حکم الٰہی میں فنا کردے اس سے حیاتِ جاودانی اور غذائے روحانی حاصل ہوجائیگی۔ آیت اس مضمون پر بھی دلالت کرتی ہے کہ خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ وہ ایسے امور تعلیم فرماتا ہے جن سے حیاتِ جاودانی وابستہ ہے اور گناہ گار بلکہ کافر و مرتد بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ایک اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ چونکہ خدا ہی خالقِ کائنات ہے۔ اس لیے اُس کو قتلِ نفس کا حکم صادر کرنے کا اختیار ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ

اور (یاد کرو) جب کہا تم نے اے موسیٰؑ ہم ہرگز نہ یقین کریں گے جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں تو تم کو بجلی نے

الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

آپکڑا اور تم دیکھ رہے تھے پھر تمہارے مرے پیچھے ہم نے تم کو زندہ کر کے اُٹھایا تاکہ تم احسان مانو

تفسیر ابن جریر، بغوی اور سیوطی نے بیان کیا ہے کہ جب گوسالہ پرستی کی سزا میں بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا حکم ہوا تو موسیٰؑ نے ستر شخص اپنی قوم میں سے منتخب کیے اور ان لوگوں کو لے کر کوہ طور پر معذرت کے لیے گئے۔ ان لوگوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ تم اپنے رب سے کلام کرو ہم سنتے ہیں۔ اس ہمکلامی کی وجہ سے موسیٰؑ کا چہرہ ایسا نور ہوگیا تھا کہ ان کو دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس وجہ سے کہنے لگے کہ ہم نے صرف باتیں سُنی ہیں۔ لیکن جب تک خدا کو بالمشاہدہ اور علی الاعلان آنکھوں کے سامنے نہ دیکھ لیں گے ہم ہرگز یقین نہ ہوگا۔ ناگہاں گستاخی پر ایک بجلی گری اور سب مر گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے جو یہ دیکھا تو عرض کیا الٰہی میں ان کو بنی اسرائیل کے سامنے کیا جواب دینے کے لیے ساتھ لایا تھا اب یہ تو مر گئے۔ میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا۔ تب خدا نے دوبارہ پھر ان کو زندہ کر دیا۔ یہی واقعہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری ۷۰ عنایت کو بھی یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کوہ طور پر کہا تھا کہ ہم تمہارے قول پر صرف کہنے سے ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس طرح یقین کر سکتے ہیں تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پھر تم کو اس گستاخی کی سزا میں بجلی گری اور تم کو ہلاک کر دیا گیا اور تم اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے لیکن ہم نے تم کو پھر زندہ کیا تاکہ تم اس کا شکریہ ادا کرو اور شریعت موسوی کو دل وجان سے قبول کرو۔

ربیع بن انس کہتے ہیں کہ آیت میں صعق سے مُراد موت ہے اور ان لوگوں کی موت وہ موت مقررہ نہ تھی جو ہر آدمی کو آتی ہے۔ بلکہ یہ موت بطور سزا دہی کے داقع ہوئی تھی۔ اس کے بعد ان کو زندہ کر دیا گیا تھا تاکہ قدرتِ الٰہی کا نظارہ کریں اور اپنی موت مقررہ تک زندگی

toobaafoundation.com

کے نفوس پورے کریں یہ ہی قول حضرت قتادہ کا ہے۔

سدی اور محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب یہ لوگ بجلی سے جل کر مر گئے تو حضرت موسیٰ کھڑے ہو کر رونے لگے اور دعا کرنے لگے کہ الٰہی میں بنی اسرائیل کو کیا کہوں گا۔ ہزاروں وہاں مارے گئے اور جو کچھ اچھے اچھے چھانٹے گئے تھے وہ یہاں ہلاک ہو گئے۔ اَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ یعنی الٰہی اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم کو ایسے فعل کی وجہ سے ہلاک کرے گا جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا ہے یہ تو تیرا امتحان ہی امتحان ہے۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے موسیٰ پر وحی نازل فرمائی کہ یہ ستر بھی انہی گوسالہ پرستوں میں سے ہیں۔ لیکن خدا نے ان کو پھر زندہ کر دیا۔ الخ

مقصودِ بیان

خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی موجب سزا ہے۔ ہر شخص کا مرتبہ علیحدہ ہے۔ جب تک استعداد حاصل نہ ہو مشاہدہ کی طلب بھی حرام ہے اور مشاہدہ کی استعداد ہو تو معائنہ کی درخواست ناجائز ہے۔ جوں جوں قابلیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے مراتب قرب بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل تجلی غضبی میں گرفتار ہوئے تھے۔ موت مقدر سے نہ مرے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ فرما دیا۔ دنیا میں مشاہدۂ الٰہی تو ممکن ہے لیکن معائنہ ناممکن ہے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ

اور (یاد کرو) ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا (اور ہم نے حکم دیے (یاد کرو) ہم نے جو

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ

بہترین چیزیں تم کو رزق دی ہیں انہیں سے کھاؤ اور ان لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور (یاد کرو)

قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا

جب ہم نے حکم دیا کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں پس کھاؤ اس میں سے جہاں چاہو بافراغت اور گھسو

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

دروازہ میں سجدے کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے جاؤ تو ہم بخش دیں گے تمہارے قصور اور زیادہ دیں گے نیک بندوں کو تو

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ

بدل ڈالا شریروں نے قول کو (اور کہنے لگے وہ قول) جو نہ بتایا گیا تھا ان کو پس ہم نے نازل کیا ان شریروں

toobaafoundation.com

ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى

پر آسمانی عذاب ان کی عدول حکمی کے سبب سے اور (یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے

لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا

لیے پانی مانگا تو ہم نے حکم دیا کہ مار اپنی لاٹھی پتھر پر (لاٹھی کا مارنا تھا کہ) کہ اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے (اور) ہر قوم

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي

نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا (اور ہم نے حکم دیا) کھاؤ اور پیو خدا کے رزق میں سے (مگر) ملک میں فساد

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

پھیلاتے مت پھرو

تفسیر ان آیات کی تفسیر سے قبل ہم آیات کا پورا قصہ لکھنا چاہتے ہیں تاکہ آیات کا مضمون اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ اس کے بعد آیت کے ہر ہر ٹکڑے کو علیحدہ علیحدہ بیان کریں گے۔

جب بنی اسرائیل کو قوم عمالقہ سے جہاد کرنے کے لیے ملک شام کو جانے کا حکم ہوا تو چلہ کو تو چل دیے۔ لیکن راستہ میں قوم عمالقہ کی جسمانی قوت اور شان و شوکت کی اطلاع ہوئی تو تعمیل حکم میں جھجکے اور تغافل کیا۔ اس پر ان کو بیابان عرب کے ایک سنسان میدان میں چالیس سال تک حیران پریشان پھرنے کی سزا ملی۔ بہتیرا چلتے تھے لیکن اپنے آپ کو جہاں سے چلے تھے وہیں پاتے تھے۔ آخر کار جب دھوپ کی تیزی اور بھوک پیاس کی شدت سے گھبرا اٹھے تو موسیٰؑ سے دعا کے خواستگار ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ کی دعا سے سارے دن ان پر بادل سایہ کرتا تھا اور روزانہ فجر سے طلوع آفتاب تک ترنجبین یا کوئی اور شے جو دھنیے کے دانوں کی طرح ہوتی تھی اور کہ کہ برف پر جم جاتی تھی، جس کو لے کر بنی اسرائیل روٹیاں پکا کر کھاتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ چیز شہد سے زیادہ شیریں تھی تو اکتا کر یہ سونا منہ کرنے کے خواہشمند ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے ان کے ڈیروں خیموں کے پاس بٹیریں بکثرت جمع ہونے لگیں جن کو نہایت آسانی سے یہ پکڑ لیتے تھے اور دونوں لطیف چیزوں سے پیٹ بھر لیا کرتے تھے۔ مگر یہ حکم تھا کہ ہر روز صرف اپنے کھانے کی مقدار جمع کر لیا کرو۔ ہاں جمعہ کے روز دو دن کی خوراک لے لیا کرو۔ کیونکہ ہفتہ کے دن یہ آسمانی رزق نہیں اترے گا اس لیے صرف جمعہ کے دن تو دو روز کی خوراک لے لیا کرو اور دیگر ایام میں کسی دن اگلے روز کا کچھ فکر نہ کرنا اور اگلے دن کے لیے کچھ جمع نہ کرنا۔ یہ لوگ عرصہ تک بے محنت آسمانی کھانا کھاتے رہے۔ آخر خلاف حکم الٰہی من و سلویٰ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے کھانا نازل ہونا بند ہو گیا اور جمع کیا کرا سب سڑ گیا اور سزا میں گرفتار ہوئے۔ جب مشقت سفر سے تھک گئے اور حضرت موسیٰؑ سے رہائی کی التجا کی تو خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دریائے یردن کے کنارے تک پہنچا کر کنعان کی تمام زمین دکھائی اور فرمایا کہ تم خود تو اس ملک میں جانے نہ پاؤ گے بلکہ تمہاری جگہ

toobaafoundation.com

یہیں ہوگی۔ اب بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ میں تم کو یہ ملک دیتا ہوں اور عنقریب تم اس شہر یریحو کو جس کو اریحا کہا جاتا ہے فتح کرو گے۔ لہٰذا جب تم اس ملک میں داخل ہو تو خدا کی نعمتیں اور طرح طرح کے میوے کھانا لیکن اس کے مشکریہ میں یہ بات ضرور ہے کہ شہر کے ساتوں دروازوں میں سے جس دروازہ میں داخل ہو تو اپنی فتح و بہادری پر نہ اترانا بلکہ سجدہ کرتے ہوئے نہایت عاجزی سے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا۔ ہم تمہارے گناہ معاف کردیں گے اور تم میں سے جو لوگ نیک ہیں ان کو اس کے معاوضہ میں اور زیادہ عطا کریں گے جب حضرت یوشع بن نون کے عہد نبوت میں بنی اسرائیل نے یہ ملک اور شہر فتح کیا تو بجائے تواضع اور استغفار کے اور بد کار بن گئے اور طرح طرح کی بدکاریاں اور حکم الٰہی میں دل لگیاں کرنے لگے۔ چنانچہ حِطَّةٌ (استغفار) کی بجائے حِنْطَةٌ فِيْ شَعْرَةٍ یعنی گیہوں اور جَو کہتے ہوئے داخل ہوئے اور سجدہ کی بجائے بچوں کی طرح سرین کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں جا گھسے۔ اس عدول حکمی پر آسمانی عذاب نازل ہوا اور ان میں ہیضے کی وبا پھیلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دم ستر ہزار آدمی مر گئے۔ اس کے علاوہ اپنی بادشاہوں کے ہاتھوں سے تباہ و برباد ہوئے اور اپنے اعمال بد کا نتیجہ پا یا۔

خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ایک احسان اور بھی جتلایا کیا تھا۔ وہ یہ کہ بیابان رفیدیم و ایلم اور قادس وغیرہ میں جب بنی اسرائیل تھے اور پانی نہ ملا تھا اور حضرت موسیٰؑ سے بیاس کی شکایت کی تھی تو حضرت موسیٰؑ نے بحکم الٰہی اپنا عصا پتھر پر مارا تھا۔ جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ ہی فرقے تھے۔ ہر فرقہ کا ایک جدا گھاٹ پیدا ہو گیا تھا۔ آیات مذکورہ میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اب ہم ذیل میں آیات کی تفسیر کرتے ہیں:-

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ یعنی یاد کرو جب کہ ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کیا تھا تاکہ تم دھوپ کی تیزی اور آفتاب کی تمازت سے محفوظ رہو۔ غَمَامَ ایک سپید ابر تھا جس سے وادی تیہ میں بنی اسرائیل پر سایہ ہو جاتا تھا۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى اور ہم نے تم پر ترنجبین اور بٹیریں نازل کی تھیں۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ مَنّ ایک چیز تھی جو درختوں پر جم جاتی تھی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مَنّ ایک قسم کا گوند تھا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ گاڑھے شیرہ کی شکل میں اوس کی طرح گرتی تھی۔ سدی کہتے ہیں کہ ادمد کی پتیوں پر گرتی تھی۔ قتادہ کا قول ہے کہ یہ میں برف کی طرح گرتی تھی جس کا رنگ دودھ سے زیادہ سپید اور مزہ شہد سے زیادہ شیریں ہوتا تھا اور فجر سے طلوع آفتاب تک اس کی ریزش ہوتی تھی۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ مَنّ ایک چیز شہد کی طرح ہوتی تھی، جس کو پانی میں گھول کر پیتے تھے۔ وہب ابن منبہ کا قول ہے کہ مَنّ باریک میدہ کی طرح نازل ہوتی تھی جس کی روٹی پکا کر کھاتے تھے۔ ابن کثیر نے ایک حدیث مختلف طرق سے استخراج کی ہے کہ کماۃ (گھنبی) بھی مَنّ کی ایک قسم ہے (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سلویٰ ایک پرند سمانی (لوایا بٹیر) کے مشابہ تھا۔ ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن مجاہد، شعبی، ضحاک، حسن، عکرمہ اور ربیع وغیرہ سے مروی ہے کہ سلویٰ اسی بٹیر کو کہتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ سلویٰ ایک پرند تھا جس کا رنگ مائل بسرخی تھا ہوائے جنوبی اس کو تیہ میں لاتی تھی۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ یعنی ہم نے جو رزق تم کو عطا کیا اس میں سے پاک اور صاف متھرا کھاؤ۔ نہ لہنیز فتح کے کھاؤ۔ نہ سڑا کر کھاؤ۔ یعنی جمع نہ کرو اس سے یہ چیزیں سڑ جائیں گی۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ لیکن ان لوگوں نے حکم نہ مانا نتیجہ یہ ہوا کہ اشیائے مذکورہ مر گئیں۔ اس سے

toobaafoundation.com

انھوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ اپنے ہی لیے خرابی کی۔ آسمانی رزق بند ہو گیا۔

حاصل یہ کہ جب بنی اسرائیل تیہ میں گرفتار ہوئے تو خدا تعالیٰ نے اُن کو آیاتِ قدرت دکھائیں اور اُن کے ایمان کو پختہ کیا۔ لیکن انہوں نے سرتابیاں اور نافرمانیاں کیں اور کہنے لگے کہ ہم کو یہ غذا پسند نہیں۔ ایک ہی قسم کی غذا کب تک کھائے جائیں۔ اس کے علاوہ اس سنسان بیابان میں پھرتے پھرتے ہم تنگ آ گئے۔ مشقتِ سفر سے اُکتا گئے۔ اب ہم آبادی میں جانا چاہتے ہیں۔ اس پر خدا نے حکم دیا۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ کہ اس آبادی یعنی اریحا یا یریحا یا ایلیا میں داخل ہو۔ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا اور وہاں جا کر جو کچھ چاہو فراخی اور وسعت کے ساتھ کھاؤ۔ کسی چیز کی ممانعت نہیں۔ ہر طرح کا اناج اور میوہ وہاں بکثرت ہے وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ لیکن شہر کے دروازہ میں داخل ہو تو فتح کے غرور میں سرمست نہ ہونا، بلکہ نہایت عاجزی اور فروتنی کے ساتھ شکرِ الٰہی میں جھکے ہوئے داخل ہونا اور استغفار کہتے جانا۔ اگر تم اس حکم کی تعمیل کرو گے تو ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے اور تم نیکوکار ہو جاؤ گے اور مرتبۂ محسنین میں داخل ہو جاؤ گے اور محسنین کی نعمتوں میں ہم مزید اضافہ کرتے ہیں۔ لہٰذا تم کو بھی دو بالا نعمت عطا کریں گے اور دیگر ممالک کی حکومت تم کو مرحمت فرمائیں گے۔ ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ کے نزدیک سجدہ سے مراد آیت میں رکوع ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ۔ لیکن ظالموں نے بات کو بدل ڈالا۔ جو قول اُن سے کہا گیا تھا اُس کو بگاڑ ڈالا۔ حِطَّةٌ کو حِنْطَةٌ فِيْ شَعْرَةٍ بنا لیا اور سجدہ و رکوع کی بجائے سُرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا الخ لہٰذا ہم نے ظالموں پر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے ایک پلید عذاب نازل کیا۔ طاعون میں اُن کو مبتلا کیا کہ ایکدم ستر ہزار مر گئے۔ صحیحین میں طاعون کو رجز کہا گیا ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى الخ۔ یعنی اے بنی اسرائیل تم اُس نعمتِ الٰہی کو بھی یاد کرو کہ جب تم نے موسیٰؑ سے بیاس کی شکایت کی اور پانی بیابان میں کہیں موجود نہ تھا تو موسیٰ نے ہم سے پانی کے لیے دعا کی۔ ہم نے حکم دیا کہ پتھر پر لاٹھی مارو۔ موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی۔ فوراً پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے یعنی تمام فرقوں نے علیحدہ علیحدہ اپنا چشمہ دریافت کر لیا اور ہر ایک کا گھاٹ جدا جدا ہو گیا اور ہم نے کہہ دیا کہ خدا کا رزق کھاؤ پیو۔ لیکن زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ اعتقادِ توحید میں شیطانی وسوسہ نہ قبول کرو۔ احکامِ توریت قبول کرنے سے انکار نہ کرو، جہاد سے پہلو تہی نہ کرو اور خدا کی ناشکری نہ کرو۔

حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی دو شاخہ تھی۔ پانچ گز لمبی تھی۔ اس کا دو شاخہ سرا اندھیرے میں چمکتا تھا اور اس کا نام علیق تھا (سراج، معالم التنزیل) مقاتل کا قول ہے کہ عصا کا نام بنقہ تھا۔ حضرت آدمؑ اس کو جنت سے ساتھ لائے اور بطور توارث حضرت شعیب کو پہنچی تھی اور شعیب سے حضرت موسیٰؑ کو ملی تھی۔ مگر یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔

مقصودِ بیان

قدرتِ الٰہی کا ثبوت بغیر اسباب کے رزق پہونچانے کا بیان، خدا کی رحمت اور رافت و تربیت کا اظہار، اس امر کی طرف اشارہ کہ احکامِ الٰہی سے سرتابی کر کے انسان خود اپنا نقصان کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا۔ تکبر، رعونت اور غرور کی ممانعت، فروتنی، انکسار اور تواضع کا حکم، بنی اسرائیل کی سرشت بد طور فطرتِ سیئہ کا اظہار اور اس بات کی طرف ایک لطیف تلمیح کہ خدا کی گرفت کا دائرہ وسیع ہے اور جس شخص پر دنیوی یا اُخروی عذاب ہوتا ہے یا ہو گا وہ اسی کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ رزقِ الٰہی کی اباحت و حلت کا بیان، کفر و شرک، عصیان طغیان، حق تلفی اور بداخلاقی کی ممانعت یہ سب فساد کی شکلیں ہیں۔

toobaafoundation.com

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ

اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے تو آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے

لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا

کہ ہمارے لیے زمین کی اگائی ہوئی چیزیں یعنی ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز عطا کرے

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا

موسیٰ نے کہا کیا تم اس چیز کو جو ادنیٰ ہے بہتر چیز کے بدلے میں لینا چاہتے ہو (تم بڑے احمق ہو) اترو

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ

کسی شہر میں تو تم کو ملے گا جو کچھ تم مانگتے ہو

تفسیر خداوند تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بے محنت و مشقت کے لطیف غذا عنایت فرمائی۔ صاف ستھرا شیریں پانی پینے کو مرحمت کیا لیکن فطری جہالت رکھنے والے کور بصیرت انسان کہنے لگے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ۔ موسیٰؑ ہم ایک قسم کی چیز پر صبر نہیں کر سکتے۔ ہر روز ہم کو من وسلویٰ ہی ملتا ہے۔ ہم کو یہ بات پسند نہیں ہے۔ ہماری طبیعت اور چیزوں کو بھی چاہتی ہے۔ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا الخ۔ آپ ہمارے لیے خدا سے دعا کیجئے کہ زمین کی سبزیاں، ترکاریاں، ککڑیاں، گیہوں، مسور، پیاز ہم کو عطا کرے۔ اس سے ہمارا ذائقہ بدلے گا اور کچھ لطف حاصل ہوگا۔ ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے تو ہماری طبیعت اکتا گئی۔ ابن عباسؓ، مجاہد، ربیع بن انس اور سعید بن جبیر کے نزدیک فوم بمعنی لہسن ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین نے فوم بمعنی گیہوں لکھا ہے۔ قرطبی نے بروایت عطاء و قتادہ بیان کیا ہے کہ فوم اس غلہ کو کہتے ہیں جس کی روٹی پکائی جاتی ہے خواہ کوئی غلہ ہو۔ بنی اسرائیل نے ان چیزوں کی خواہش صرف اس وجہ سے کی کہ وہ نعمت الٰہی کے لائق نہ تھے۔ جس چیز کے لائق تھے اسی چیز کی خواہش کی۔ کیونکہ یہ لوگ لطافت، نورانیت کی بہ نسبت مادی کدورت کی طرف زیادہ مائل تھے اور ان چیزوں کو اس مادی زبان کے ذائقہ میں دخل ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی فطرت کے مطابق غذا کی استدعا کی۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الخ۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم بھی عجیب احمق ہو۔ افضل کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اور اعلیٰ کو چھوڑ کر ردی چیز کو چاہتے ہو۔ وہ رزق الٰہی جو لطیف و بابرکت ہے بغیر محنت و مشقت کے تم کو ملتا ہے اور اس کا مزہ اور لطافت مناسب روحانیت ہے اور اس کو کھا کر تم درجات آخرت حاصل کرنے کے واسطے فارغ البال ہو۔ ایسی بیش بہا سہل الحصول لطیف غذا کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو مانگتے ہو جو صرف اسی جسمانی زبان کے مزہ سے متعلق ہیں اور اس کے باوجود بغیر مشقت اور محنت کے وہ تم کو حاصل

toobaafoundation.com

بھی نہیں ہو سکتیں اور وہ لطافت بھی حاصل نہ ہو گی جو عبادت کے مناسب ہے۔ آخر کیوں اس کو پسند کرتے ہو۔ لیکن بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کا کہا فوراً نہ مانا۔ مجبور ہو کر موسیٰ نے دعا کی اور حکم الٰہی ہوا کہ اِهْبِطُوْا مِصْرًا الخ۔ کسی شہر میں جا کر اُترو۔ وہاں تمہاری خواہش کی چیزیں مل جائیں گی۔ مصر سے مصر فرعون مراد نہیں ہے۔ عام شہر بلکہ چند شہر مراد ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی اور چھ لاکھ آدمیوں کا اجتماع خلافِ عادت ہے۔ مُراد یہ ہے کہ وادی تیہ کے قریب قریب جو دیہات، آبادیاں اور شہر ہیں اُن میں جا کر اترو۔ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ سدی، قتادہ اور ربیع بن انس سے بھی یہی مروی ہے۔

مقصودِ بیان جو لوگ فطرتاً نورانیت اور روشنی روح سے محروم ہیں وہ سرمایۂ حیات میں سے اُن چیزوں کے خواستگار ہوتے ہیں جن سے ان کی جسمانی اور مادّی کثافت میں اضافہ ہو اور نورِ روحانیت اور تجلّیات چلا جائے۔ قویٰ شہوانیہ کا مقتضا اور خواہش بجا طور پر پورا کرنا قوتِ روحانیت کے مُردہ ہونے کی دلیل ہے۔ یکسوئی اور مادّہ پرست انسانوں سے علیحدگی ہی نورِ فطری کو چمکانے اور روشن کرنے کا ذریعہ ہے اور مادّی تمدن رکھنے والوں سے اختلاط مادّی قویٰ کو روحانی قوت پر غالب کر دیتا ہے۔ بنی اسرائیل کو رہ بصیرت تھے۔ ان کو لطیف و کثیف اور روحانیت و مادّیت کا امتیاز نہ تھا۔ اسی لیے لطیف کو چھوڑ کر کثیف کو خواہاں ہوئے۔ عام انسانوں کی طبیعت جدّت اور نیرنگی کی خواہاں ہوتی ہے۔ خواہ مطلوب متروک سے ادنیٰ ہی ہو۔ وغیرہ

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ

اور اُن پر محتاجی اور ذلّت کی مار پڑی اور وہ اللہ کے غصّہ میں آ گئے یہ اس

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ

لیے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کا ناحق خون کرتے تھے۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ع

اور یہ گنہگار نافرمان اور زیادتی کرنے والے تھے

تفسیر جب بنی اسرائیل نے من وسلویٰ اور لطیف نعمتوں پر صبر نہ کیا اور سبزیاں، ترکاریاں اُن کو منظورِ خاطر ہوئیں تو آبادیوں سے قریب جا کر اُن کو کاشتکاری وغیرہ کی اجازت دی گئی۔ پہلے خدا تعالیٰ نے اُن کو عزت عطا کی تھی۔ اُن کے آباؤ اجداد کو حضرت موسیٰ اور یوشع وغیرہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا تھا اور فرمانبرداری کے صلہ میں تمام عالم پر اُن کو بزرگی و شرف عطا کیا تھا اور ممالک شام یمن، مصر وغیرہ کی حکومت اُن کے سپرد فرمائی تھی۔ لیکن ان کی اولاد میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے توحیدِ الٰہی کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کیا اور طاعت و عدل کو چھوڑ کر انبیاء و صالحین کی قبروں کی پرستش شروع کر دی۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے ہر قوم و قبیلہ اور ہر شہر و گاؤں میں ایک ہی وقت بکثرت نبی مبعوث فرمائے۔ ان کے علاوہ خاص خاص علماء اور بھی تھے جو بغیر کسی دنیوی طمع کے اُن کو نصیحت

toobaafoundation.com

کرتے تھے۔ لیکن بنی اسرائیل کے قلوب اس قدر سیاہ ہو چکے تھے کہ جو کوئی دینِ توحید کی اُن کو نصیحت کرتا وہ اُس کے دشمن ہو جاتے، اس کو گمراہ سمجھتے۔ یہاں تک کہ قتل کر دیتے۔ چناں چہ ایک زمانہ میں تین سو علما اور صلحاء کو قتل کیا۔ جب نوبت اس حد تک پہنچ گئی تو خدا تعالیٰ نے اپنی نعمت و فضیلت اُن سے واپس لے لی اور دریائے غضب میں موج آئی اور مذکورۂ ذیل ان کا انجام ہوا:۔

فَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ الخ یعنی اُن کفر پسند بنی اسرائیل پر ذلت و خواری کی مار پڑی۔ اول ایرانیوں نے ان کو برباد اور ذلیل کیا۔ پھر رومیوں کے غلام ہوئے اور آخر میں مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کیا۔ اپنی حکومت جاتی رہی۔ نہ وہ پہلی سی عزت رہی نہ حکومت۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی خدا تعالیٰ کا اُن پر غضب نازل ہوا۔ ضحاک اور سعید بن جبیر نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وہ غضب الٰہی کے مستوجب و مستحق ہو گئے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ غضبِ الٰہی اُن پر طاری ہو گیا۔ ابن جریر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان حرکات کا آخری رجوع غضبِ الٰہی کی طرف ہوا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ الخ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سزا اور عذاب ان کے واسطے سخت نہ سمجھنا چاہیے اور نہ اس کو ناانصافی پر مبنی سمجھنا چاہیے بلکہ اُن کے عظیم الشان قصور کو دیکھنا چاہیے کہ آیاتِ قدرت، معجزاتِ نبوت اور کتب الٰہیہ کا متواتر انکار کرتے جاتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، اسی لیے خدا تعالیٰ نے اُن کو ذلت، مسکنت اور غضب کی سزا دی۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں نے ایک ہی وقت میں تین سو انبیاء کو قتل کیا تھا (ابوداؤد، طیالسی)۔ آیت کے آخری ٹکڑے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فقط انھوں نے کفر اور قتلِ انبیاء ہی کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ اعمال، اقوال اور عقائد میں یہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کو یوسف نجار کا بیٹا اور جادوگر کہتے تھے اور حضرت مریمؑ کو بدکاری کا الزام لگاتے تھے۔ یہ سب ان کی بہتان بندی اور افترا پردازی تھی۔ بس اسی بنا پر ان کے لیے ذلتِ آخرت کے باوجود ذلتِ دنیا بھی مقرر کی گئی اور دین و دنیا میں عذابِ الٰہی اُن پر مسلط ہوا۔

مقصود بیان

خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے تاکہ نعمت باقی رہے۔ کیونکہ جس قوم کو جو نعمت عطا ہوتی ہے، جب تک وہ قوم شکریہ پر قائم رہتی ہے۔ اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی نعمت میں کوئی تغیر نہیں فرماتا لیکن جب وہ قوم خود اس کو جہل ڈالتی ہے اور فسق و فجور میں پڑ کر شریعتِ الٰہی پر قائم نہیں رہتی تو خدا تعالیٰ بھی نعمت زائل کر دیتا ہے۔ ایک خاص اشارہ آیت میں اس طرف بھی ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ کبھی رضائے الٰہی میں اپنے اختیار و پسند کو دخل نہ دے اور خدا داد نعمت کا جو کچھ نتیجہ نکلے اس پر راضی رہے۔ یہ ہوس نہ کرے کہ بجائے اس کے اگر ایسا ہوتا تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ کسی چیز کے خیر و شر سے وہ خود ناواقف ہے اُس کو معلوم نہیں کہ کام اگر اس کی خواہش کے مطابق ہو گیا تو کیسا نتیجہ برآمد ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ ثبات، یقین اور استقامت دین کی دعا کرتا رہے۔ ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ جسم خاکی کی تکمیل ایسے امور و اسباب سے کرتا رہے جو حصولِ نورانیت کے مانع نہ ہوں، بلکہ تکمیلِ معارف کے لیے مدد گار ہوں۔ کیونکہ حصولِ کمالات کے لیے بقائے جسم ضروری ہے۔ آیت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عذابِ الٰہی اگرچہ سخت ہو پھر بھی جرم کے مقابلہ میں سخت نہیں ہوتا۔ صرف سزا کو دیکھ کر خدا کو ظالم و بے انصاف نہ کہا جائے۔ بلکہ اپنے قصور کو دیکھا جائے اور اس پر غور کیا جائے کہ یہ سزا ہم کو ہمارے قصور و جرم کی ہی ملی ہے۔

نکتہ: آیت سے تین امور بھی واضح ہوتے ہیں۔ (۱) بنی اسرائیل ناشکری اور کفر و شرک میں مبتلا تھے (۲) انبیاء کو انھوں نے قتل کیا تھا۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ وغیرہ (۳) قول، فعل اور عقیدہ میں یہ حد سے آگے بڑھ گئے تھے۔

toobaafoundation.com

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ

یقیناً جو لوگ مسلمان بنے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور بے دین (ان میں سے)

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ

جو بھی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لادے اور نیک کام کرے تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

پاس ثواب ہے اور نہ ان کو کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

تفسیر اس سے پہلی آیت میں یہود کی ذلت اور اُن پر قہرِ الٰہی کا نازل ہونا بیان کیا گیا تھا جس سے یہود کو مایوسی ہوئی کہ اب ہمارا بارگاہِ الٰہی میں کہاں ٹھکانا ہے۔ ہم کچھ بھی کریں ہمارے آبائی فساد کے جرائم معاف نہیں ہو سکتے ورنہ ہماری یہ دینی ذلت دور ہو سکتی ہے تو آیاتِ مذکورہ میں اس مایوسی کو دور کیا گیا ہے۔

ابن کثیر نے آیت کی اس طرح تفسیر بیان کی ہے کہ خدا کو کسی کی ذات سے عداوت نہیں اور نہ خاندانی وجاہت و پستی کا اس کے نزدیک کوئی امتیاز و اعتبار ہے۔ بلکہ صرف ایمان و اعمال پر دار و مدار ہے۔ کوئی بھی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مومن پہلے یا دورِ اسرائیلی کے یہودی یا حضرت عیسیٰؑ کے عہد کے نصاریٰ یا اپنے زمانہ کے صابی۔ بہرحال زبانی دعویٰ معتبر نہیں۔ بلکہ ان میں سے جس کا حقیقی اور خالص ایمان خدا پر اور روزِ قیامت پر ہوگا اور اعمال نیک ہوں گے تو اس کو اجر ضرور خدا کے ہاں سے ملے گا۔ نہ اس کو عذاب کا خوف ہوگا۔ نہ اس بات کا رنج ہوگا کہ ہائے ہم نے کیوں عمر کو ضائع کیا اور غلط مذاہب اور بے خیالات کی پابندی کو نجات کا راستہ سمجھ کر جہنم کو پہنچے۔

یہود درحقیقت یہودا کی طرف منسوب ہیں۔ یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام تھا۔ چونکہ سلطنت یہودا کی اولاد میں رہی تھی اس لیے بادشاہوں کے خوش کرنے کو لوگوں نے اپنے آپ کو یہودی کہلانا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ سب قوم کا لقب یہودی ہو گیا۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ کے مددگاروں اور اتباع کرنے والوں کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نصرت و مدد کی تھی۔ اس لیے اس لقب سے موسوم ہوئے۔ صابئین کے معنی میں اختلاف ہے۔ مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر اور حسن بصری سے روایت ہے کہ یہ لوگ بے دین تھے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس، سدی، ابو الشعثاء، جابر بن زید، ضحاک اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ صابی جماعت زبور پڑھتی ہے اور اہلِ کتاب ہے۔ قتادہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ زبور پڑھتے، قبلہ رُخ نماز پڑھتے تھے اور ملائکہ کی پرستش کرتے تھے ابو العالیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عراق کے تھے۔ تمام انبیاء کو مانتے تھے اور یمن کی طرف رُخ کر کے پنجوقتہ نماز ادا کرتے تھے بعض لوگ ان کو نوح کی اُمت قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ ستارہ پرست کہتے ہیں۔ بہرحال کچھ بھی ہو آیت سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ صابی اہلِ کتاب ہی تھے۔ اگرچہ رفتہ رفتہ مذہب میں تغیرات کر کے ستارہ پرست یا ملائکہ پرست یا کچھ اور بن گئے ہوں جس طرح کہ عیسائی

toobaafoundation.com

اور یہودی رفتہ رفتہ شرک کرنے لگے۔

مقصودِ بیان

خدا کے نزدیک وجاہت ذاتی، عزت خاندانی اور دولت وحکومت کا اعتبار نہیں۔ جو شخص سچے دل سے مومن ہوگا، نیک اعمال رکھتا ہوگا، وہی خدا کے نزدیک معزز و باکرامت ہے۔ یہودی، عیسائی اور صابی اپنے اپنے زمانہ میں حق پر تھے۔ اب دورِ محمدی میں یہودیت، عیسائیت اور صابئیت کا کمال یہی ہے کہ محمدؐ پر ایمان لایا جائے ورنہ نبوتِ محمدی کی انکار کی صورت میں نہ کوئی حقیقی معنی میں یہودی رہ سکتا ہے۔ نہ کوئی سچا عیسائی نہ صابی۔ زبانی دعوی سے کچھ بھی کہہ لیا جائے۔ وغیرہ

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تم پر طور کو معلق کر دیا لے لو جو ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی کے ساتھ

وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا

اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم بچ جاؤ پھر اس کے بعد تم نے روگردانی کی تو اگر

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اللہ کا فضل اور اُس کی مہربانی تم پر نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ حالوں میں سے ہوتے

تفسیر

موسیٰؑ کو حکم ہوا تھا کہ کوہ طور پر آکر چلہ کشی کرو تو تم کو توریت ملے۔ حسب الحکم حضرت موسیٰؑ وہاں جا کر عبادت میں مشغول ہوئے۔ ادھر یہودیوں نے سامری کے اغوا سے سونے چاندی کا بچھڑا پوجنا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ کو معلوم کیا گیا کہ اپنی قوم کی خبر لو وہ مشرک بن گئے۔ یہ حکم پاکر حضرت موسیٰؑ واپس آئے۔ دیکھا تو واقعی بدکرداں حالت تھی۔ بالآخر خدا تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اگر یہ مشرک لوگ باہم ایک دوسرے کو قتل کریں تو بیشک آخرت کے دائمی عذاب سے بچ سکتے ہیں، ورنہ اس کے علاوہ ان کی توبہ قبول ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس وقت سب گھبرا گئے کیا کریں۔ آنکھوں دیکھتے اور اپنے ہاتھوں اپنے بھائی بندوں کا خون کرنا بہت مشکل ہے اور ایسا کیئے بغیر بھی چارہ نظر نہیں آتا۔ غرض موسیٰؑ دست بدعا ہوئے اور حضرت موسیٰؑ کی دعا سے ایک سیاہ بادل اوپر سے اُترا۔ جس سے تمام قوم پر اندھیرا چھا گیا۔ اور اندھا دھند ایک نے دوسرے کو خواہ باپ ہو یا بیٹا قتل کرنا شروع کیا۔ شام تک ستر ہزار قتل ہوئے تب حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ بارگاہِ صمدی میں گڑگڑائے۔ اس وقت بادل دور ہوا اور باقیماندہ قوم کو معافی مل گئی۔ اس کے بعد جب موسیٰؑ نے اُن کے سامنے آسمانی کتاب یعنی تورات پیش کی اور اس کے احکام پر پابند ہونے کا حکم دیا تو یہ پھر شرارت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے تو ایسے سخت احکام نہیں مانے جاتے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کو پابند بنانے کی ایک صورت یہ کی کہ ہلاک کرنا تو مناسب نہ سمجھا بلکہ بچوں کی طرح زبردستی عہد لیا۔ جس کی شکل یہ ہوئی کہ پہاڑ اُن کے سروں پر معلق کر دیا اور فرمایا کہ یا تو توریت پر

toobaafoundation.com

عمل کرنے کا عہد کرو، ورنہ سب دوبارہ ہلاک کر دیئے جاؤ گے اس وقت چارہ ناچار اُن کو ماننا پڑا۔ اسی واقعہ کی طرف آیات میں اشارہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ۔ اور اس وقت کے میثاق کو یاد کرو جب ہم نے تمہارے آباء واجداد کے سروں پر کوہ طور کو معلق کر دیا تھا۔ طور اُس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر سبزہ ہو اور جس پہاڑ کا نام بھی ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کو شرف مناجات حاصل ہوا تھا اور توریت ملی تھی۔ ابن عباسؓ، مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن، ضحاک اور ربیع بن انس وغیرہ کے نزدیک یہاں کوہ طور ہی مراد ہے۔

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ۔ یعنی ہم نے تمہارے آباء واجداد سے کہا تھا کہ اب توریت کو عزم قوی اور شوق فراں پذیری کے ساتھ لے اور مضبوطی کے ساتھ اس پر کاربند ہو جاؤ۔ وَاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ اور جو احکام و مسائل توریت میں ہیں اُن سے نصیحت حاصل کرو۔ اخلاق ظاہر و باطن درست کرو اور معارف و حقائق سے آراستہ ہو جاؤ۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اور امید رکھو کہ اس اطاعت و فرمان پذیری کے ذریعہ سے تم کو عذاب الٰہی سے نجات مل جائے گی۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ جب یہودیوں نے قبول احکام سے انکار کر دیا تو خدا تعالیٰ نے پہاڑ کو ان کے سروں پر معلق کر دیا اور قریب تھا کہ اُن کے سروں پر گر پڑے یہودی گھبرا کر سجدہ میں گر پڑے۔ لیکن کنکھیوں سے دیکھتے رہے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور عذاب دور کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہود اب بھی اسی طرح سجدہ کرتے ہیں کہ ایک آنکھ کا کچھ حصہ کھلا رکھتے ہیں اور اُس سے دیکھتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی سجدہ بہتر ہے۔ اسی سے عذاب الٰہی دور ہوا تھا۔

ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ۔ یعنی اس کے کچھ دنوں کے بعد ہی تم عہد پر قائم نہ رہے اور احکام توریت کی خلاف ورزی کرنے لگے۔

فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ اب اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی تباہ ہو جاتے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت شمعونؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور دیگر انبیاء کو کتاب کی نصیحت فرمائی اور ان حضرات نے سمجھایا اور یہودیوں کو راہ راست پر لائے۔ یہ خدا کا فضل تھا۔ ورنہ یہودی قوماً تباہی کا سامان کر ہی چکے تھے۔

مقصود بیان

خدا تعالیٰ رحیم ہے اور طریقہ ہدایت کو خوب جانتا ہے۔ کبھی عذاب دے کر، کبھی نعمتوں سے سرفراز کر کے، کبھی ڈرا دھمکا کر اور کبھی صرف سمجھا کر نصیحت فرماتا ہے اور اس سب سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ گنہگار انسان عذاب سے بچ جائے۔ کسی کو عذاب سے بچانے یا عذاب دینے کے ساتھ غرض و رابطہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ انسان ہی کے اعمال کا نتیجہ ہے اور اُسی کی بہبودی یا تباہی اس سے وابستہ ہے۔ مختلف انبیاء، ریفارمرز اور علماء و صلحاء جو عام انسانی حالت اور بداخلاقی کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمائے۔ یا اس دورِ اسلام میں مخلص علماء و صلحاء پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ صرف خدا کی رحمت ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ میری مخلوق طالب میں مبتلا ہو اور ان کی نصیحت سے فرمانبردار بن جائے۔ وغیرہ

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْکُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَہُمْ کُوْنُوْا

اور جن لوگوں نے تم میں سے ہفتہ کے بارے میں زیادتی کی تھی تو ہم نے اُن سے کہہ دیا کہ

toobaafoundation.com

قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا

ہو جاؤ تم بندر ذلیل پس ہم نے بنایا اس واقعہ کو عبرت اُن کے لیے جو زُوبرو تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝

اور نصیحت (بنایا) واسطے پرہیزگاروں کے

تفسیر حضرت موسیٰؑ کے بعد یوشعؑ پھر کالبؑ، پھر حزقیلؑ وغیرہ انبیاء ہوئے اور بنی اسرائیل کے اخلاق کی اصلاح کرتے رہے۔ لیکن بنی اسرائیل کچھ دنوں تک تو نصیحت مانتے تھے بعد میں پھر بُت پرستی میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت الیاسؑ، یسعؑ اور ذوالکفلؑ وغیرہ کو یکے بعد دیگرے مبعوث فرمایا۔ لیکن بنائے فساد یہ تھی کہ یہ پیغمبر علیحدہ ہوتا تھا اور بادشاہ علیحدہ۔ پیغمبر کے پاس کوئی مادّی طاقت حکومت اور اسباب جنگ نہ ہوتا تھا کہ بنی اسرائیل کو مجبور کر کے شریعتِ موسوی کا پابند بنائے اور بادشاہوں کے پاس حکومت، دولت، اور سامانِ جنگ ہوتا تھا۔ اس لیے بادشاہوں کی وجہ سے ہی فسادِ شریعت ہوتا تھا۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو نبی بنا کر بھیجا اور بادشاہت سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت داؤدؑ نے تمام بنی اسرائیل کو زبردست سلطنت مطیع بنایا اور جس سرکشی سے انبیاءؑ کو قتل کرتے تھے۔ اُس کی سزا اُن کو مل گئی۔ حضرت داؤدؑ کے ہی زمانہ میں ملک شام کے غربی جانب سمندر کے کنارے ایک آبادی تھی جس کا نام ایلہ تھا۔ اس میں تقریباً اسّی ہزار یہودی آباد تھے اور اُن کی تجارت کا مدار مچھلیوں پر تھا۔ انہی کا قصہ آیتِ مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل بروایت ابن عباسؓ یہ ہے کہ اہلِ ایلہ کے لیے سنیچر کا دن عبادت کے لیے مخصوص طور پر مقدس بنایا گیا تھا اور حکم تھا کہ اس دن شکار نہ کرنا۔ بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی جب حد سے آگے بڑھ گئی تو خدا تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور امتحاناً یہ صورت کر دی کہ ہفتہ ہی کے دن تمام مچھلیاں پانی کی سطح پر تیرتی کر آجایا کرتی تھیں اور باقی ایام میں پانی کے اندر رہتی تھیں۔ اس طرح ایک مدتِ دراز گذر گئی۔ ایک روز ایک شخص نے سنیچر کے روز ایک مچھلی پکڑ کر ڈور سے باندھ کر دریا میں چھوڑ دی اور دریا کے کنارے ایک کیل گاڑ کر ڈوری کا کنارہ اُس کیل سے باندھ دیا تاکہ مچھلی جا نہ سکے۔ پھر اتوار کا دن ہوا تو اس کو پکڑ لایا۔ اسی طرح اُس نے دوسرے سنیچر کو بھی کیا۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے بھی اسی طرح خفیہ طور پر یہ حرکت کرنی شروع کر دی اور اسی طرح ایک زمانہ دراز گذر گیا۔ خدا تعالیٰ نے اُن پر کوئی عذاب نازل نہیں فرمایا۔ پھر یہ لوگ بہت دلیر ہو گئے اور علی الاعلان دریا کے قریب تر بہ گھر بے حوض کھود کے اور دریا سے نالیاں کاٹ کر حوضوں تک پہنچا دیں۔ ہفتہ کے دن حسبِ معمول مچھلیاں پانی کی سطح پر آئی تھیں اور نالیوں میں ہوتی ہوئی حوضوں میں آجاتیں لیکن ان کی گہرائی اور پانی کی قلت کی وجہ سے نکل نہ سکتی تھیں۔ اتوار کے دن بنی اسرائیل مچھلیاں پکڑ لیتے تھے اور علانیہ بازاروں میں فروخت کرتے۔ حضرت داؤدؑ نے منع فرمایا کہ ایسی حرکت نہ کرو۔ حضرت داؤدؑ کے ساتھ بارہ سو یہودی تو متفق ہو گئے۔ بلکہ پہلے ہی سے یہ لوگ اس گناہ میں شریک نہ تھے اور دوسروں کو بھی اس جرم سے منع کرتے تھے۔ باقی یہود کے دو گروہ ہو گئے ایک علی الاعلان نافرمانی کرنے والا اور مچھلیاں پکڑ کر فروخت کرنے والا تھا اور دوسرا گروہ خود تو شکار نہ کرتا تھا لیکن دوسروں کو شکار کرنے سے منع بھی نہ کرتا تھا بلکہ ناصح گروہ سے کہتا تھا کہ جس قوم کو خدا ہلاک کرنا چاہتا ہے تم اس کو

toobaafoundation.com

کس طرح نصیحت کر سکتے ہو۔ بہر حال اس یوم عبادت کی بے حرمتی حکم الٰہی کی نافرمانی اور قدرتی وگناہ کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس مبارک فرقہ کو ایک روز بندر کی صورت پر مسخ کر دیا۔ دل بھی اُن کے بندروں کے دل کی طرح بے عقل ہو گئے اور صورتیں تو بندروں کی ایسی ہو ہی گئیں (حضرت مجاہد کا بھی قول اور یہی مطلب ہے) اور یعنی لعنہ کے اخذ خذ سب مجرم گروہ اپنے اپنے مکانوں کے اخذ نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گئے۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل تم قطعاً خوب جانتے ہو کہ کن لوگوں نے سنیچر کی بے حرمتی کرنے میں حد سے تجاوز کیا تھا۔ لہٰذا خدا نے بھی اُن ظالموں کے متعلق کہہ دیا کہ ملعون بندر فوراً بن جاؤ۔ وہ لوگ بندر بن گئے اور تین دن کے اندر سب ہلاک ہو گئے اور یہ واقعہ اگرچہ بنی اسرائیل کے ایک فرقہ کا ہوا تھا، لیکن درحقیقت یہ اگلی پچھلی قوموں کی عبرت حاصل کرنے کے لیے کیا گیا تھا تاکہ خدا کی نافرمانی اور محرماتِ الٰہی کی شکست کا وبال اُن کے پیش نظر ہو اور وہ سرتابی کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اور جن لوگوں کے اندر پرہیزگاری کا مادہ ہے یا اُن کے مقدر میں پرہیزگار بننا لکھ دیا گیا ہے وہ اس واقعہ سے نصیحت حاصل کریں۔

مقصودِ بیان حصولِ عبرت اور نصیحت پذیری کی تعلیم، خدا تعالیٰ کی قوتِ وجلال کا اظہار، نافرمانی و سرتابی اور محرماتِ الٰہی کی شکست کا وبال اس امر کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ جن کے اندر تقویٰ کا مادہ ہے اور فطرتاً اُن کے اخذ خود چمک رہا ہے۔ وہی آیاتِ قدرت سے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا

اور (یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم ایک گائے حلال کرو وہ کہنے لگے

اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالُوا

کیا تم ہم کو مسخرہ بناتے ہو موسیٰؑ نے کہا خدا مجھے اپنی پناہ میں رکھے کہ میں ایسا نادان بنوں قوم بولے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا

پورے تو اپنے رب سے دعا کر وکہ وہ ہمارے لیے کھول کر بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہو موسیٰؑ نے کہا خدا فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ

فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ قَالُوا

بوڑھی ہو نہ بچھیا درمیانی جوان ہو اب جو حکم تم کو دیا گیا ہے اُس کو بجا لاؤ کہنے لگے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ

اپنے رب سے ہمارے لیے اتنا اور دریافت کر دو کہ اُس کا رنگ کیسا ہو موسیٰؑ نے کہا خدا فرماتا ہے وہ گائے زرد ہو جس کا رنگ

toobaafoundation.com

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ

کھلتا ہوا نظر نواز ہو کہنے لگے اپنے رب سے ہمارے لیے اتنا اور دریافت کرلو وہ کھول کر بتادے

اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ قَالَ

کہ وہ گائے کس قسم کی ہو؟ ہم کو اُس گائے میں ابھی تک اشتباہ ہے اگر خدا نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت یاب ہوں گے موسیٰ نے کہا

اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ گائے محنت کرنے والی نہ ہو کہ زمین جوتتی ہو اور نہ کھیت کو سینچتی ہو

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا

صحیح سالم بے داغ ہو بولے اب تم ٹھیک پتہ لائے چنانچہ انھوں نے گائے ذبح کی (اگرچہ) ایسا

يَفْعَلُوْنَ ۝

کرتے نظر نہ تھے

تفسیر ابن ابی حاتم، ابن جریر، عبید بن حمید، آدم بن ابی ایاس کی تفسیروں سے نیز تفسیر معراج وغیرہ سے اقتباس کرکے ذیل میں پورا قصہ جو آیاتِ مذکورہ بالا سے متعلق ہے لکھا جاتا ہے۔ اس قصہ میں بھی آیاتِ قدرت اور دلائل معرفت بہت ہیں جن میں سے بعض کو ہم مقصود بیان میں انشاء اللہ بیان کریں گے۔

تفسیروں میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک آدمی تھا۔ اُس کے پاس ایک بچھیا تھی اور یہ بھی اس کی بہت خدا پرست تھی۔ مرتے وقت اُس نے اپنی بیوی کے مشورہ سے اس بچھیا کو جنگل میں چھوڑ دیا اور خدا تعالیٰ کی امانت میں دے دیا اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی میں اس گائے کو تیری امانت میں اپنے چھوٹے بچے کے لیے دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا۔ یتیم بچہ کو نیک والدہ پرورش کرتی رہی۔ جب لڑکا بالغ ہوا تو وہ بھی بہت سعید نکلا۔ ماں کے خلاف حکم کوئی کام نہ کرتا تھا اور ہمہ تن ماں کی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری میں مصروف تھا۔ ایک دفعہ اس کی والدہ نے خوش ہوکر کہا کہ بیٹا فلاں جنگل میں ایک گائے تیرے باپ نے خدا کی دو دیعت میں تیرے لیے سپرد کی تھی تم اس کو جاکر لے آ۔ بیٹا جنگل کو گیا اور امانت الٰہی کا نام لے کر گائے کو آواز دی۔ گائے فوراً دوڑتی چلی آئی۔ بچہ نے نہایت خوشنما صاف بے داغ تھی۔ نہ بچہ تھی نہ بوڑھی، اور درمیانی عمر کی تھی۔ یہ شخص گائے کو لے کر اپنی والدہ کے پاس آیا۔ والدہ نے اجازت دے دی کہ اس کو لے جاکر بازار میں فروخت کرکے اپنی اہل و عیال کی پرورش کا سامان درست کرے۔ لیکن جو رام لگیں میرے مشورہ کے بغیر نہ بیچنا۔ یہ شخص گائے کو بازار لے گیا۔ ایک خریدار نے کچھ قیمت لگائی۔ اس نے کہا اچھا مگر میں اپنی والدہ سے دریافت کرلوں۔ خریدار نے

toobaafoundation.com

کہا اگر تم بغیر مشورہ کے بچھڑے دو تو دو چند قیمت دیتا ہوں۔ لیکن اس سعید انسان نے گائے نہ دی اور والدہ سے اگر مذکرہ کیا۔ والدہ نے منع کر دیا۔ دوسرے روز اسی خریدار نے دو دو چند قیمت لگائی اور اسی طرح روز قیمت میں اضافہ کرتا رہا لیکن نیک بیٹے کی نیک ماں ہمیشہ نیچ سے انکار کرتی رہی۔ ایک روز اس عدت نے کہا کہ بیٹا اُس خریدار سے مشورہ کر کہ گائے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ واقعی ہم کو فروخت کر دینا چاہئے یا نہیں۔ کیونکہ عورت خدا پرست تھی سمجھ گئی کہ خریدار یا تو کوئی فرشتہ ہے یا کوئی خدا رسیدہ بزرگ۔ الغرض لڑکے نے جا کر اُس شخص سے ماں کا پیام کہا۔ اُس نے جواب دیا کہ اپنی والدہ سے میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ عنقریب بنی اسرائیل کو اس گائے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ہموزن سونا دیکر خریدیں گے اس وقت تم فروخت کرنا بالفعل مت بیچو۔

اب ہم اس قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا مالدار تھا اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بھتیجے موجود تھے۔ ان کے علاوہ کوئی اور وارث نہ تھا۔ ایک روز مشورہ کر کے ایک بھتیجے نے اپنے چچا کو قتل کر کے لاش کو گاؤں کے رقبہ سے باہر دوسرے گاؤں کے رقبہ میں پھینک دیا اور صبح کو خود ہی اُن کے خون کا مدعی ہوا اور دوسرے گاؤں کے آدمیوں پر قتل کا الزام لگایا اور دیت کا مطالبہ کیا۔ اُس گاؤں کے آدمیوں نے انکار کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں گاؤں کے آدمی لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن کچھ لوگ سمجھدار بھی تھے۔ انھوں نے کہا کہ بھائیو لڑائی کیوں کرتے ہو۔ رسولِ خدا آخر موجود ہیں اُن سے چل کر دریافت کرو۔ جس شخص کا نام بتا دیں بس وہی قاتل ہے۔ چنانچہ بالاتفاق سب حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مدعی نے عرض کیا یا نبی اللہ! ان گاؤں والوں نے میرے چچا کو قتل کیا ہے۔ مجھے قصاص دلوائیے یا دیت دلوائیے۔ وہ لوگ چونکہ بے قصور تھے اس لیے انھوں نے عرض کیا یا صفی اللہ! ہم لوگوں کو دیت اور تاوان سے کچھ دقت اور دشواری نہیں ہے۔ لیکن، مقتول کے بھتیجے ہم پر الزام لگاتے ہیں اور ہم کو اس بات کی شرم ہے کہ بے الزام ہم پر ہمیشہ قائم رہے گا اور مقتول کے خاندان والے ہم سے ہمیشہ دشمنی کریں گے۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ آپ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ تاکہ قاتل کا نام دریافت ہو جائے۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی۔ حکم الٰہی ہوا کہ ایک گائے کو ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارو۔ مقتول زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ حضرت موسیٰؑ نے لوگوں کو اللہ پاک کا حکم سنا دیا۔ اُس پر وہ لوگ لگے جھگڑا کرنے اور گائے کے متعلق سوال پر سوال کرنے شروع کر دیئے۔ وہ گائے کیسی ہو، کس رنگ کی ہو، کس عمر کی ہو، کس قسم کی ہو؟ آخر سب کا جواب دے دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی گائے اُسی یتیم لڑکے کے پاس ملی جس کے عوض ہموزن سونا دیا گیا۔ بنی اسرائیل نے بالطبع ناخواستہ اس کو خریدا اور ذبح کر کے اُس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا۔ مقتول فوراً زندہ ہو گیا اور اپنے بھتیجوں کے نام بتا دیئے اور ظاہر کر دیا کہ فلاں بھتیجے نے مجھے قتل کیا ہے۔ اس مقتول کا نام عامیل تھا۔ غرض قاتل سے قصاص لیا گیا۔ اب ہم آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى الخ۔ یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے اُن کی استدعا کے جواب میں کہا تھا کہ قاتل کا نام معلوم کرنے کی یہ صورت ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ بنی اسرائیل نہایت بیباکی اور بدتمیزی سے کہنے لگے کہ کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو۔ یہ مذاق کا کونسا موقع ہے۔ ہم قاتل کا نام دریافت کرتے ہیں تم گائے ذبح کرنے کو کہتے ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا میں جاہل نہیں ہوں، پیغمبر ہوں ایسے موقع پر مذاق کرنا جہالت ہے اور میں جاہلوں کے گروہ میں داخل ہونے سے بھی خدا کی پناہ چاہتا ہوں، تم گائے ذبح کرو۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اپنے خدا سے دریافت کرو کہ گائے کا سن کیا ہونا چاہیے؟ بنی اسرائیل کا مقصود اس سوال سے

toobaafoundation.com

تاخیر تعمیل اور سرتابی و طفیانی تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو ایسی بوڑھی ہو جس کی نسل منقطع ہو گئی ہو اور نہ اس قدر بچی ہو کہ زمین کے قابل نہ ہو بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ اب تم تاخیر نہ کرو بلکہ جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اس کی فوراً تعمیل کرو۔ ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کو معمولی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن چونکہ انھوں نے خود اپنے واسطے سختی کو پسند کیا۔ اس لیے خدا تعالیٰ بھی اُن کے واسطے تیزیں اضافہ کرتا گیا۔ خیر بنی اسرائیل بولے کہ اچھا خدا سے دعا کیجئے کہ اس گائے کا رنگ کیا ہونا چاہیئے۔ اس کا بیان بھی ضروری ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے صاف کھلے ہوئے زرد رنگ کی ہونی چاہیئے۔ جس کا رنگ باصرہ نواز ہو اور آنکھوں کو بھلا معلوم ہوتا ہو۔ گویا انتہائی شفافیہ ہونے سے اس کے رنگ میں دو سرخ چھائیں نظر آتی ہوں اور اس کا رنگ بدلتا ہو اور ایک لہر سی معلوم ہوتی ہو۔ بنی اسرائیل بولے کہ ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ ہمارے فہم میں گڑبڑ ہو گئی۔ آپ خدا سے دعا کیجئے کہ ہم کو صاف طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ گائے ایسی ہو گی اور اس صفات و حلیہ کی ہو گی اور ان شاء اللہ ہم مقصد کو پہنچ جائیں گے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہو کہ کاشتکاری کے کام نہ آتی ہو۔ نہ تو کھیتیاں جوتتی ہو، نہ کھیتیوں کو سینچتی ہو، اس سے محنت کا کوئی کام نہ لیا جاتا ہو اور کسی طرح کا اس میں کوئی نقص و عیب نہ ہو اور بے داغ ہو، کوئی دھبہ نہ ہو۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہاں آپ نے سچ بات کہی اور پورا بیان کیا۔ بالآخر بنی اسرائیل نے ایسی گائے ذبح کر دی۔ لیکن انھوں نے اتنے سوال جواب اور حیل و حجت سے کام لیا کہ اُن کے ارادہ سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کام نہ کریں گے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر بنی اسرائیل انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی ذبح نہ کر سکتے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

اور جب کہ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا اور ایک دوسرے پر اس کے قتل کا الزام رکھنے لگے تھے اور جو کہ تم چھپاتے تھے اللہ کو

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

اسی کا فاش کرنا تھا اس لیے ہم نے حکم دیا کہ اس مُردہ کے گائے کا کوئی ٹکڑا لگا دو اسی طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ تم کو

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

(اپنی قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ

تفسیر یہ گذشتہ آیات کا تتمہ ہے بلکہ گذشتہ آیات سے اصل مقصود یہاں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا (یعنی اس واقعہ کو یاد کرو اور اس سے عبرت حاصل کرو جبکہ تمہارے اسلاف میں سے ایک شخص نے دوسرے شخص کو قتل کر دیا اور پھر اس کے قاتل کے متعلق تم نے باہم اختلاف کیا تھا۔ دو فریق بن گئے تھے اور ہر ایک نے دوسرے پر قتل کا الزام لگایا تھا۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۔ لیکن جس چیز کو تم چھپاتے تھے اس کو خدا ضرور ظاہر کر دینے والا تھا۔ اس سے کوئی بات مخفی

toobaafoundation.com

نہیں ہے وہ قاتل کا نام بتا سکتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اُن کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب انھوں نے گائے ذبح کر لی اور بہتیرا قاتل کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی بدکاری کس طرح ظاہر ہوگی فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ گائے کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کی لاش پر مارو۔ وہ فوراً زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دے گا۔ چنانچہ جب گائے کا ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا گیا تو مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت مقتول زندہ ہو کر اُٹھا تھا تو اُس کی لاش سے خون جاری تھا حالانکہ اس وقت اس کو قتل اور دفن ہوئے ایک زمانہ گزر گیا تھا۔ پھر اُس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا۔ سدی کہتے ہیں کہ اس نے اپنے چچیرے کا نام بتایا تھا۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ نام بتانے کے بعد وہ بدستور سابق مُردہ ہو گیا۔ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔ یعنی خدا تعالیٰ نے جس طرح اس مقتول کو مرنے کے بعد زندہ کر کے اُسی طرح خدا مُردوں کو زندہ کر دے گا۔ اس میں کسی طرح شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ اور خدا تعالیٰ تم کو اپنے آثار قدرت اور آیاتِ قوت دکھاتا ہے تاکہ تم کو سمجھ حاصل ہو اور تم غور کرو کہ جس طرح خدا ایک مُردہ کو مرنے کے بعد زندہ کر سکتا ہے اور وہ مُردہ گذشتہ زندگی کا واقعہ بیان کر سکتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ سب مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور سب اپنی گذشتہ زندگیوں کے واقعات بتا سکتے ہیں۔

مقصودِ بیان

آیات سے ضمناً اور اشارۃً مندرجہ ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں:۔ تقرب باری تعالیٰ پیشِ نظر رہنا چاہیئے۔ حکم باری تعالیٰ کی تعمیل کی جائے۔ یتیم کو بہر صورت ممکن فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ خدا کے بھروسہ پر جو کام کیا جاتا ہے اُس کا نتیجہ بہترین ہوتا ہے۔ اس لیے خدا پر توکل کرنا چاہیئے۔ اولاد پر شفقت و رحمت کی جائے۔ ماں کے احکام کی پابندی کی جائے۔ والدہ کی اطاعت کا ثمرہ بالآخر اچھا نکلتا ہے۔ خدا سے دعا کرنے والے کے واسطے لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی دُعا نذر پیش کرے۔ جو چیز خدا کی نذر دنیا میں پیش کی جائے وہ بہترین اور بیش بہا ہونی چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو عمدہ ہونی چاہیئے۔ درحقیقت مؤثر خدا و مدد تعالیٰ ہے اسباب صرف امارات اور ذرائع ہیں۔ بنی اسرائیل سخت جاہل تھے۔ تعمیلِ حکمِ الٰہی میں تاخیر اور تالم ٹول کرنا چاہتے تھے۔ معرفتِ الٰہی سے قطعاً ناآشنا تھے۔ قدرتِ الٰہی اور راز خداوندی سے بالکل ناواقف تھے۔ بے موقع مذاق کرنا جہالت کی علامت ہے اور کسی پیغمبر اور ریفارمر کے لائق نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آثارِ قدرت درحقیقت آیاتِ الٰہی ہیں جن کو بصیرت کوش دماغ ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہی اُن سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ وہ ان کو ضرور زندہ کرے گا۔ بعثِ جسمانی حق ہے۔ دوبارہ زندگی میں پہلی زندگی کے واقعات انسان ضرور بتائے گا۔ اس لیے حساب کتاب حق ہے۔ پورے قصہ میں ایک دقیق ترین اشارہ اور باریک لطیفہ اور بھی ہے۔ جس کی وضاحت ذیل کی تقریر پر غور کرنے سے ہوتی ہے۔ نفسِ انسانی یعنی نفس کی قوتِ شہوانیہ (ایک گائے ہے اور ٹھیک جوشِ جوانی کے زمانہ میں نفسِ انسانی یعنی وہی قوتِ شہوانیہ کی گائے نظر زیبِ خوش منظر اور جاذبِ توجہ ہوتی ہے۔ اس تقریر کے سمجھنے کے بعد غور کرنا چاہیئے کہ جو شخص اپنے نفسِ امّارہ کی معتقیتی موت چاہتا ہو اس کو اپنے نفس کی گائے عین جوشِ جوانی کے زمانہ میں جبکہ یہ گائے جاذبِ نظر و طالبِ دنیا بن رہی ہو اور دنیوی میل کا کوئی داغ اس پر نہ ہو اور معاصی کا کوئی عیب و نقصان بھی نہ ہو۔ ایسی حالت میں قوتِ شہوانیہ کی گائے کو ذبح کر دینا چاہیئے۔ اُس کا زور توڑ دینا چاہیئے تاکہ ردع کرنی زندگی حاصل ہو اور وہ تمام ملکہ الکرات اور لاہوت کے واقعات کا اظہار کر دے

toobaafoundation.com

وعقل وہم کے درمیان جو اختلاف وتنازعہ رہتا ہے وہ دفع ہو جائے اور اصل قاتل یعنی وہم کا پتہ چل جائے اور پھر اس سے قصاص لے لیا جائے۔ یعنی ہر قسم کے شک وتردد کو دور کر کے صادق ایمان اور پختہ یقین حاصل کر لیا جائے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے سو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا اُن سے بھی زیادہ سخت

وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ

اور بعض پتھر تو ایسے ہیں کہ اُن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور اُن میں سے

مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے

تفسیر جب گذشتہ آیات میں یہود کو ترہیب اور ترغیب کامل طور پر کر دی گئی اور نصیحت وعبرت کے مضامین کی انتہا ہو گئی تو اب فرماتا ہے کہ ان واقعات وعجائبات قدرت کے دیکھنے کی تم کو ایک مساوات ہو گئی۔ تم پر اس کا اب کوئی اثر نہیں ہوتا اور تم پکے گھڑے کی طرح ہو گئے۔ گناہ کرتے کرتے تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے۔ جس طرح پتھر میں کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اسی طرح تمہارے دلوں میں انبیاء کی نصیحت اثر نہیں کرتی بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ تم سنگدل ہو۔ پتھروں سے تو کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے اور ان میں تو کچھ تاثر کا مادہ بھی ہے۔ کیونکہ بعض پتھروں کے اندر سے پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں جن سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے۔ بعض پتھروں کی جھریوں سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے اور بعض پتھر پہاڑ کی چوٹیوں سے گر پڑتے ہیں۔ گویا خشیت الٰہی سے لرز کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور تمہارے دلوں میں یہ بات بھی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم پتھروں سے بھی زیادہ سخت دل ہو۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور پھر بدستور مُردہ ہو گیا تو یہودیوں کو ان آیات الٰہی کے دیکھنے سے نرم دل ہونا چاہیے تھا کیونکہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تھا مگر بجائے اس کے انہوں نے اور تکذیب کرنی شروع کر دی اور کہنے لگے واللہ ہم نے تو نہیں مارا ہے۔ اسی لیے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قلوب پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ کیونکہ بعض پتھروں سے تو بحکم الٰہی دریا جاری ہو جاتے ہیں اور بعض شق ہو جاتے ہیں اور بعض خوف الٰہی گر پڑتے ہیں اور اُن کے تالاب میں قدرت الٰہی اور خوف خداوندی کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا۔ یحییٰ بن یعمر سب کہتے ہیں کہ بعض پتھروں سے نہریں جاری ہوتی ہیں اور اُن کے گرنے وغیرہ کی کثرت ہے اللہ ہی پتھروں سے پھوٹ کر صرف کسی قدر پانی بہتا ہے وہ گرنے کی قلت ہے اور جو پتھر بخوف الٰہی گر پڑتے ہیں وہ دل کا خشوع وخضوع ہے اور بعینہٖ انسو کے گرنے کی طرح ہے۔ امام رازی اور قرطبی وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ پتھروں کا گرنا یہ حقیقی معنی میں ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں ہر جنس کے واسطے اپنی معرفت کے لیے جدا جدا فہم پیدا فرمایا ہے۔ جس سلسلہ خلقت اور تمام اہل سنت کا مذہب ہے

toobaafoundation.com

مقصود بیان

بعض انسانوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ دنیا کی کوئی نصیحت و عبرت اُن کے لیے سود مند نہیں ہوتی۔ اگرچہ فیضِ الٰہی ہر ایک پر جاری ہے۔ لیکن قابلیت علیحدہ علیحدہ ہے۔ جاندار اور بے جان مخلوق بھی خدا تعالیٰ سے خوف کرتی اور اس کی توحید و ربوبیت کا اقرار کرتی ہے۔ اگرچہ اس کا طریقہ معرفت جدا ہے۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ لوگوں کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور فیضِ ہدایت کا قصور ہے بلکہ یہ کفار و مشرکین کی استعداد کا قصور ہے ورنہ فیضِ ہدایت عام ہے۔ اہلِ بصیرت کے لیے آیت میں ایک خاص ہدایت اور بھی مضمر ہے۔ وہ یہ کہ قلوب چار قسم کے ہیں ہر ایک گروہ جو نورِ الٰہی سے منور اور اس میں مستغرق ہو جاتے ہیں اور اُن سے علم کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ یہ قلوب انبیاء، خاصانِ خدا اور اولیاء کرام کے ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ قلوب جو ان علوم سے ایک خاص حصّہ حاصل کر کے جمع رکھتے ہیں اور پھر اُس کو پھیلا کر دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں۔ یہ علمائے راسخین کے قلوب ہیں۔ تیسرے وہ دل ہیں جن کے اندر صرف خشوع و اطاعت ہوتی ہے ہر وقت خوفِ الٰہی سے لرزتے ہیں لیکن اُن کے دلوں سے نہ علم کی نہریں جاری ہیں اور نہ اُن کے حصّہ علم سے عوام کو نفع پہنچتا ہے۔ یہ زاہدوں، عابدوں اور پرہیزگاروں کے دل ہیں۔ چوتھے وہ قلوب ہیں جن پر علم کا شرف کبھی پہنچا اور نہ وہ خوفِ الٰہی سے نرم ہوتے ہیں۔ بلکہ ہدایت سے مایوس، عذاب سے پُر خواہشاتِ نفسانی سے لبریز اور سرکشی میں کامل ہوتے ہیں۔ ایسے قلوب کو موجوداتِ عالم میں سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ اس لیے فرمایا کہ اُن کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ

کیا تم اُمید رکھتے ہو کہ یہود تمہارا کہنا مان لیں گے حالانکہ انہی میں کے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سُنتے تھے

كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

پھر سمجھے بوجھے اس کو بدل دیتے تھے اور وہ جانتے (بھی) تھے

تفسیر

یعنی اے مسلمانو! کیا تم کو اس بات کی آرزو ہے کہ یہ یہودی تمہاری بات مان لیں گے۔ حالانکہ اُن کے اسلاف میں سے موسیٰؑ کے زمانہ میں اور اُن کے بعد بھی ایک فریق ایسا تھا کہ کلامِ الٰہی کو سُن کر دانستہ تحریف کرتا تھا۔ جب اُن کے اسلاف کی یہ عادت تھی تو پھر تم کو اُن کے متقدمین سے ایمان کی کس طرح اُمید ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ شریر طینت اور خبیث جبلّت ہیں۔ ان سے ایمان کی طمع نہ رکھو۔

اِن آیات میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دیتا ہے کہ ان لوگوں کی سرشت خراب ہے۔ تم کو ان سے اُمید نہ رکھنی چاہیے کہ یہ اسلام قبول کریں گے۔ کیونکہ ان کے اسلاف تو باوجود یکہ کبھی وقت یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق پر جانتے تھے اور توریت کو آسمانی کتاب مانتے تھے پھر بھی اغراضِ نفسانیہ کی وجہ سے اس میں تحریف کرتے تھے۔ پھر یہ بھی بعید از قیاس ہے۔ ان کے نزدیک تو تمہارا دین اور قرآن حق ہی نہیں۔ یہ کس طرح تمہاری بات مان سکتے ہیں۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود یوں کے اسلام سے مایوسی اور پیشین گوئی، اسلاف یہود کی شریر طینتی کا بیان، مسلمانوں کو تسلی وغیرہ۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۖ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ

اور جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں ایک دوسرے کے پاس

بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ

ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم بتائے دیتے ہو مسلمانوں کو جو کچھ ظاہر کیا اللہ نے تم پر تاکہ وہ جھگڑیں تم سے اس کے ذریعہ سے تمہارے رب کے پاس

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝

تو کیا سمجھتے نہیں ہو کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ لوگ جو چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں سب اللہ کو معلوم ہے۔

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم عام دے دیا تھا کہ مدینہ میں سوائے مسلمان کے کوئی نہ داخل ہونے پائے۔ اس پر بعض یہودی مسلمانوں کی خبریں معلوم کرنے کی غرض سے منافقانہ اسلام لائے اور صبح کو اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے مسلمانوں سے ملتے جلتے اور اپنا اقتدار جتاتے کہ تورات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد اور تعریفیں بھی کھول کر دکھاتے تھے اور شام کو واپس جا کر جب اپنے شیاطین الانس یعنی سردارانِ یہود اُبی اور کعب بن اشرف اور وہب بن منبہ وغیرہ کے پاس بیٹھتے تو وہ ان کو ملامت کرتے تھے کہ یہ تو خوب! تم اپنے علم اور اپنی کتاب میں سے مسلمانوں کو کیوں سند اور ثبوت دے دیتے ہو۔ یہ مسلمان دلیل پیش کریں گے کہ خدا کے ہاں یعنی توریت میں ہمارے نبی کی تعریف موجود ہے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا۔ یعنی جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں یعنی محمد رسول عربی کے نام کے طفیل سے ہم لوگ تھوڑا زمانہ ہوا کہ تم لوگوں پر فتحمندی کی دُعا مانگا کرتے تھے اور حکم توریت کے موافق خود ان کے منتظر تھے۔ (محمد بن اسحاق عن ابن عباس)

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ الخ۔ لیکن جب باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور تنہائی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو مسلمانوں سے صرف ظاہر میں ایمان کا اقرار کیا تھا اور دل سے ہم مومن نہیں ہیں۔ غرض جب یہ لوگ اپنے خواندہ گدھوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو اُن کے خوش کرنے کو اظہار کرتے ہیں کہ آپ لوگ مطمئن رہیں ہم دل سے مسلمان نہیں ہیں۔ وہ لوگ جواب دیتے ہیں اور ملامت کرتے ہیں کہ تم ذری مصلحت سے ایمان ظاہر کرتے ہو اور دل سے نہیں مانتے ہو تو خیر یہ بہتر ہے۔ لیکن اُن سے ایسی باتیں کیوں ظاہر کرتے ہو کہ محمد بیشک پیغمبر برحق ہیں اور ہم کو توریت میں اُن پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور ہم مدت سے اُن کے ظہور کے منتظر تھے اور زمانہ جاہلیت میں اُنہی کے فضائل بیان کرتے تھے اور اُنہی کے نام پاک کا واسطہ دلا کر اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دُعائیں کیا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ منافقین مسلمانوں

toobaafoundation.com

سے تو خلوت کے لیے مذکورہ باتوں کا اظہار کر دیا کرتے اور یہاں سے جا کر جب اپنے علماء سے ملتے تو وہ کہتے تم یہود کے سامنے ان باتوں کا اظہار کر کے ہمارے خلاف حجت قائم کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں کہ وہ انہی باتوں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم پر حجت قائم کریں گے کہ انھوں نے جان بوجھ کر کفر کیا ہے۔ پھر ہم سب کے سب عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ خدا تعالیٰ اس کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ کس قدر احمق ہیں۔ کیا ان کو یہ نہیں معلوم کہ خدا تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

مقصود بیان

یہودیوں کے ایک خاص گروہ کے نفاق اور حماقت کا بیان۔ تورات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود ہونے کی طرف ایک لطیف اشارہ خدا کے علم کی وسعت اور اُس کے عالم الغیب ہونے کا ثبوت وغیرہ

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝

اور کچھ لوگ ان میں سے اُن پڑھ ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کے سوائے آرزوؤں کے اور یہ اُن کا خیال ہی خیال ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ

تو بڑی خرابی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سے ہے۔ تاکہ لیویں اس

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝

کے عوض سے تھوڑے سے دام تو بڑی خرابی ہے اُن پر اُن کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کی اور بڑی خرابی ہو اُن کے واسطے اُنکی کمائی سے

تفسیر

یہود چونکہ پیروں اور پیغمبروں کی اولاد تھے اس لیے خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنی خصوصیت ظاہر کرتے تھے۔ کبھی کہتے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور کبھی کہتے کہ سوائے چند روز کے یعنی جتنے دنوں ہم نے گوسالہ پرستی کی اس کے علاوہ ہم کو دوزخ کی آگ کبھی بھی نہ دکھے گی۔ کبھی کہتے کہ جنت ہمارے باپ دادا کی میراث ہے۔ ہمارے سوا اس میں کوئی نہیں جائے گا۔ ان عورتِ مہنیدہ باتوں اور اغراضِ خوش عقیدوں پر نا خواندہ عوام پھولے نہیں سماتے تھے۔ اُن کی حماقت ظاہر کرنے کو خدا تعالیٰ نے وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ نازل فرمایا۔ لیکن جو لوگ پڑھے لکھے تھے۔ مذہبی عالم تھے، اُن کی کیفیت ہی عجیب تھی۔ انھوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ تورات میں اس طرح لکھا دیکھا تھا کہ نبی آخر الزماں کی آنکھیں سُرخیں، بال گھونگر یالے، قد متوسط اور صورت نہایت دلکش ہوگی۔ ان علماء نے حسدی وجہ سے اس کو مٹا دیا اور لکھ دیا کہ نبی آخر الزماں کا قد لمبا، آنکھیں نیلی اور بال سیدھے ہوں گے۔ ان کے متعلق خدا تعالیٰ نے فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ نازل فرمایا۔

آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے جو لوگ بے پڑھے لکھے ہیں اور علم سے واقف نہیں اُن کی تو یہ کیفیت ہے کہ تورات وغیرہ آسمانی کتب سے تو واقف نہیں ہیں کہ حقیقت کا علم ہو سکے۔ صرف چند خیالی ڈھکوسلے اپنے داروں میں جملے کے ہیں مثلاً ہم خدا کے محبوب ہیں، بیٹے ہیں۔ ہم ہی جنت میں جائیں گے۔ ہمارے باپ دادا انبیاء اور پیر تھے وہ ہم کو دوزخ سے چھڑا لیں گے۔ اگر ہم کو عذاب ہوا بھی تو چند دن کے

toobaafoundation.com

لیے ہوگا۔ استحقاقِ نبوت ہمارے خاندان ہی کو حاصل ہے۔ باقی جو پڑھے لکھے آدمی تھے وہ امراء کی مرضی کے مطابق غلط مسائل اور جھوٹی روایات گھڑ کر دیا کرتے تھے اور کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے تورات میں موجود ہے۔ اس ذریعہ سے ان کو کچھ مال اور مرتبہ مل جاتا تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اُن کے اس لکھنے پر بھی تف ہے اور اس کمائی پر بھی تف ہے۔

مقصودِ بیان ولایت، نبوت، یا علم و پیشوائی خاندانی میراث نہیں ہے۔ جنت کا کوئی ٹھیکیدار نہیں۔ خیالی ڈھکوسلے کچھ فائدہ بخش ثابت نہیں ہو سکتے۔ امراء کی خوشنودی کے لیے احکام الٰہی میں تحریف کرنی حرام ہے اور تحریف سے جو کمائی حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئے گی بھی نہیں۔ بجز گنتی کے چند روز کے آپ کہہ دیجئے کیا تم نے اللہ سے کوئی اقرار

عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

لیا ہے کہ وہ اپنے اقرار کے خلاف نہ کرے گا یا اللہ پر (جھوٹ) بولتے ہو جو تم جانتے نہیں ہو۔

تفسیر اس آیت میں پہلے مضمون کی تکمیل کی گئی ہے اور یہودیوں کے فاسد خیالات کا بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ یعنی یہود یہ کہتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اگر ہم کو آگ نے بھی کہے گی تو چند روز کے لیے۔ جتنے دنوں ہم نے گوسالہ پرستی کی تھی یعنی چالیس روز یا سات روز۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ الخ۔ تم اُن سے کہہ دو کہ کیا تم نے خدا سے اس کا کوئی عہد لے لیا ہے کہ خدا اپنے عہد سے خلاف ورزی نہ کرے گا اور تم کو باوجود کفر و شرک اور گناہوں کے عذاب نہ دے گا یا بغیر علم و دانش کے یونہی افترا پردازی کرتے ہو جس کا کوئی ثبوت تمہارے پاس موجود نہیں ہے۔

بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ

اصل بات یہ ہے کہ جو شخص گناہ کرے اور اس کے گناہ اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخی ہیں

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ایسے لوگ جنتی لوگ جنتی

الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

ہیں وہ ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے

toobaafoundation.com

تفسیر اس آیت میں یہود کے خود تراشیدہ خیالات کی اور ان کے خواص و عوام کی جو برخود غلط ہو رہے تھے تردید ہے اور دو طرح پر ایک کاری ضرب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ۔ یعنی اصل بات یہ ہے کہ جو شخص گناہ کرتا ہوا اور اس کے گناہ چاروں طرف سے اس کو گھیر لیں کسی طرف سے ایمان و اصلاح کے داخل ہونے کی جگہ نہ رہے اور دل سیاہ ہو کر بالکل بند ہو جائے تو وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ ایسے لوگ دائمی جہنمی ہیں ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے۔ ابن عباس، مجاہد، ابو العالیہ، حسن، قتادہ اور ربیع بن انس وغیرہ کا قول یہ ہے کہ آیت میں خطیئہ سے مراد شرک ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ۔ ہاں جو لوگ سچے مومن ہیں اور ان کے اعمال بھی ایسے ہیں وہ ضرور جنت میں جائیں گے اور ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ کوئی ہو مشرک و کافر خواہ مخواہ میں بتلا ہو گا اور مومن فوز و فلاح جنت میں جائیں گے۔

مقصود بیان مشرک کا دائمی جہنمی ہونا اور مومن صالح کا ہمیشہ کے لیے جنتی ہونا آیت سے ثابت ہے۔ کفر و شرک اور معاصی سے تہ یب ہے اور ایمان و اعمال صالحہ کی طرف ترغیب ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَیْنِ

اور (یاد کرو) جب ہم نے اقرار لیا بنی اسرائیل سے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ

اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا

سلوک کرنا اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ (بھی) اور لوگوں سے نیک بات کہنا اور نماز

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

پڑھنا اور زکوٰۃ دینا پھر تم سب پھر گئے سوائے تھوڑے آدمیوں کے تم میں سے اور تم ہو ہی پھر جانے والے۔

تفسیر یہاں سے چند آیات تک خدا تعالیٰ یہود کے انہی قبائل خاسرہ کی تردید فرماتا ہے جو اس کے لیے گمراہ کن تھا کہ صرف چند دنوں کے لیے ہم دوزخ میں رہیں گے اور دس نہم ناصد کی تردید بالکل طور پر آیت میں کی گئی ہے۔ چنانچہ ہم فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تورات میں تم سے عہد لیا تھا کہ تم صرف اللہ اور صرف اللہ کی عبادت کرو گے۔ فرائض نمازی اور فرائض مالی بھی پورے پورے طور پر بجا لاؤ گے یعنی سوائے خدا کے کسی کی پرستش نہ کرو گے، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو گے، قرابت داروں کے ساتھ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے اچھی بات کہو گے، نرمی سے ان سے کلام کرو گے اور ان کے ناحق کی بات کہو گے اور نماز و زکوٰۃ ٹھیک ٹھیک ادا کرو گے لیکن بجز تھوڑے سے لوگوں کے تم نے اپنے عہد کو توڑ دیا اور عہد کو توڑتے چلے آئے ہو، میثاق سے خلاف ورزی کی اور جو شخص ایسا مضبوط عہد توڑے کیا وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا؟

toobaafoundation.com

مقصود بیان آیت کے تفصیلی مضامین تو ظاہر ہی ہیں۔ اجمالی صورت میں خدا تعالیٰ فرائض خلق و فرائض خالق کی ادائیگی کی تعلیم دینی چاہتا ہے۔ شرک کی ممانعت، والدین سے حسن سلوک، اقارب کی پرورش، یتیموں اور غریبوں کی ہمدردی کا حکم دیتا ہے۔ نماز اور روزہ کا

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ

اور (یاد کرو) جب ہم نے اُس سے اقرار کیا کہ آپس میں خون نہ بہانا اور جلاوطن نہ کرنا اپنوں کو اپنے

دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ

گھروں سے پھر تم نے اقرار کیا اور تم گواہ ہو پھر وہی تم ہو کہ آپس میں خون

اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ

کرتے ہو اور اپنے ایک فریق کو اُن کے گھروں سے نکال دیتے ہو اُن کے مقابلہ میں ایک دوسرے

بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

کی گناہ اور ظلم کے ساتھ مدد کرتے ہو اور اگر وہی لوگ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو عوض دے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ تم پر ان کا

اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ

نکالنا ہی حرام کیا گیا تھا تو کیا تم کتاب کی بعض بات کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو پس کوئی سزا نہیں ایسے شخص کی

يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ

جو تم میں سے ایسا کرے بجز رسوائی کے دنیوی زندگی میں اور قیامت کے دن لوٹا دیئے جائیں گے

اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

سخت سے سخت عذاب کی طرف اور اللہ بے خبر نہیں ہے اُس سے جو تم کرتے ہو یہی لوگ ہیں جنھوں نے

اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا

دنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید لیا تو نہ تو اُن سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ

toobaafoundation.com

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ۸۱

اُن کو مدد دی جاوے گی

تفسیر رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی مدینہ میں رہتے تھے وہ پہلی آیت کے مضمون کے متعلق کہتے تھے کہ یہ بُرائیاں تو ہمارے بزرگوں کی ہیں ہم بنی یعقوب ہیں۔ اُن سے بڑے ہیں اس لیے ہم کو آتش دوزخ صرف چند روز کے لیے چھوئے گی۔ پھر ہم لوگ چھوٹ جائیں گے۔ اُن کے اس خیال کی تردید خداوند تعالیٰ ان آیات میں کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے توریت میں قول وقرار لیا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا، کسی کو جلاوطن نہ کرنا اور اگر اپنی قوم میں سے کسی کو کسی کا غلام یا باندی یا دوسرے کا قیدی پاؤ تو عوض دے کر رہا کرا لینا۔ اس کے بعد بنی قریظہ جو یہود کا ایک فرقہ تھا قبیلہ اوس کا حلیف ہو گیا تھا کہ وقت پر ہم تمہاری مدد کریں گے اور دوسرے قبیلہ یعنی بنی نضیر نے خزرج سے ایسا ہی معاہدہ کر لیا تھا۔ اب جس وقت اوس وخزرج میں لڑائی ہوتی تو بنو قریظہ اور بنو نضیر اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کرتے تھے اور اُن کے ساتھ مل کر اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرتے تھے اور جب ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر غالب آتا تو اُس کے گھروں کو مسمار کر دیتا، آبادی کو ویران اور باشندوں کو جلاوطن کر دیتا تھا۔ لیکن اگر کوئی ہم قوم گرفتار ہو کر آتا تو سب مجتمع ہو کر چندہ سے اس کو رہا کرا لیتے تھے۔ اگر کوئی کہتا کہ تم عوض دے کر کیوں رہا کراتے ہو؟ تو کہتے کہ اللہ سے ہمارا قول وقرار ہے۔ لیکن جب اُن سے وریافت کیا جاتا کہ لڑتے کیوں ہو؟ جلاوطن کیوں کرتے ہو اور آبادیاں کیوں ویران کرتے ہو! تو کہتے کہ ہم سے اُن لوگوں کی دولت نہیں دیکھی جاتی جن سے ہم معاہدہ کر چکے ہیں۔ غرض چار احکام میں سے ایک حکم یعنی قیدی کے رہائی کے حکم کو تو مانتے تھے۔ باقی تین احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے اور قول وقرار کے خلاف، ایک دوسرے کو ہلاک کرتے، جلاوطن کرتے اور بھائی بندوں کے مقابلہ میں دوسروں کی مدد کرتے تھے۔ اسی تفصیل کی طرف آیات میں اشارہ ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاءَكُمْ یعنی تم نے اپنے ہوا میں وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے اسلاف سے بھی عہد لیا تھا کہ آپس کے لوگوں کا خون نہ بہائیں گے اور اُن کو اُن کے گھروں سے نکال کر باہر نہ کریں گے اور تمہارے اسلاف نے اس کا اقرار کیا تھا اور اس عہد کو مانا تھا اور تم بھی اس بات کو دل سے حق جانتے ہو کہ تمہارے بزرگوں سے یہ عہد لیا گیا تھا۔ لیکن اب تم کو اُس قول وقرار کے بعد کیا ہو گیا ہے کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے اور ان کو جلاوطن کرتے ہو اور اپنی ہی قوم والوں پر چڑھائی کرتے ہو۔ اُن کے مقابلہ میں غیروں کو مدد دیتے ہو اور توریت کے احکام کی خلاف ورزی کر کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہو اور ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہو۔ حالانکہ بھائی بندوں کو قتل کرنا اور جلاوطن کرنا تمہارے لیے حرام کر دیا گیا تھا۔ ہاں اگر تمہارے پاس وہ لوگ قیدی بنا کر لائے جاتے ہیں تو فدیہ دے کر اُن کو رہا کراتے ہو تو کیا توریت کے بعض احکام کو تم مانتے ہو اور بعض سے سرتابی کرتے ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اُن کے منکر ہو۔ فدیہ دے کر رہا کرنے کا حکم تو مانتے ہو اور باقی تینوں احکام کو خط جا۔ تمہیں ایسے لوگوں کی تو یہی سزا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں اُن کو رسوائی اور ذلت ہو اور فقط دنیوی ذلت پر ہی کفایت نہ کی جائے۔ بلکہ قیامت کے دن سخت تر عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ (قرآن کا یہ حکم پیشین گوئی پوری ہوئی۔ بنو قریظہ تو نہایت ذلت کے ساتھ قتل کیے گئے اور قبیلہ اوس ہی نے جہاں کا حلیف تھا ان کو قتل کیا۔ باقی بنو نضیر اور فینقاع کو ملک شام کی طرف جلاوطن کیا گیا) خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہارے کرتوت سے غافل نہیں ہے۔ تمام باتوں کا اُس کو علم ہے۔ ہاں اس لیے کافروں کے

toobaafoundation.com

لیے مہلت دے رکھی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الخ۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ عام یہودیوں کی بجائے تمام سلف وخلف کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے کہ یہ تمام فرقہ ہی ایسا ہے۔ انھوں نے آخرت کی کچھ پرواہ نہ کی اور اس جہان کے عیش وآرام کو حاصل کرنے کے بدلے میں دنیا کے فانی کو حاصل کرنا مقدم سمجھا۔ اس لیے یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ نہ اُن کے عذاب میں کسی قسم کی تخفیف ہوگی اور نہ کوئی ان کی مدد کرے گا۔

مقصود بیان حب الوطنی اور محبت قومی کی تعلیم۔ اپنی قوم کے خلاف غیروں کو مدد دینے کی ممانعت۔ خونریزی اور جلاوطن کرنے کی سزا۔ اپنی قوم کے خلاف جتھہ بندی کرنے اور اُن کو قتل وجلاوطن کرنے پر تنبیہ وتہدید۔ ہم قوم قیدیوں غلاموں اور لونڈیوں کو عوض دے کر رہا کرانے کی بہترین تبلیغ۔ اس امر کی طرف ایک لطیف اور دقیق ترین اشارہ کہ جو شخص قوم کی غداری کرتا ہے، غیروں کو اپنی قوم کے خلاف مدد دیتا ہے اس کو علاوہ عذاب آخرت کے دنیوی رسوائی اور ذلت سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ آخری نتیجہ پر اس فانی زندگی اور اسباب زندگی کو ترجیح دینے والے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ وغیرہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۖ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بعد ہم نے متواتر رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ

ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

ابن مریم کو معجزات دیئے اور روح پاک (جبرئیل) سے ہم نے اُن کو مدد دی تو کیا جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول

بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝

تمہاری خواہش کے خلاف کوئی حکم لے کر آیا تو تم نے تکبر اور اعراض کیا ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کر ڈالتے تھے

تفسیر انسان کو خدا نے دو قوتیں یعنی نظری وعملی عطا فرمائی ہیں۔ انہی دونوں قوتوں کی اصلاح سے نجات ابدی وابستہ ہے۔ گزشتہ آیات تک تو بنی اسرائیل کی وہ خرابیاں بیان کی گئی تھیں جو قوت عملیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مثلاً اقارب اور اجنبیوں کے حقوق ادا نہ کرنا۔ اس قوت کی خرابی اور فساد سے انسان بہت زیادہ گنہگار رہتا ہے۔ لیکن کافر نہیں ہوتا۔ اس لیے گزشتہ آیات کے بعد بھی بنی اسرائیل کے اس دعوے کا کہ ابطال نہیں ہوا تھا کہ ہم چند روز سے زیادہ دوزخ میں نہیں رہ سکتے۔ اب اس آیت میں کامل طور پر ان کے باطل دعوی کی تردید کر دی۔ کیونکہ قوت نظری کی کمل خرابی یہ ہے کہ انبیاء کی تکذیب کی جائے۔ اُن کو قتل کیا جائے اور جو احکام شرع کے خلاف ہوں اُن کو متکبرانہ انداز میں ٹھکرا دیا جائے۔ چنانچہ اسی مطلب کی وضاحت کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ: یعنی ہم نے موسیٰ کو توریت عطا کی۔ لیکن جب یہودیوں نے اس کے احکام کی خلاف ورزی کی اور اپنی خواہشات کے موافق اُس میں تحریف وتبدیلی کر لی تو ہم نے موسیٰ کے بعد متعاقب انبیاء بھیجے جو احکام توریت کی پابندی

toobaafoundation.com

کرتے تھے اور یہ انبیاء موسیٰؑ کے قدم بقدم چلے آتے تھے۔ لیکن یہودیوں نے انبیاء کو قتل کرنا شروع کیا اور توریت میں پھر تحریف کرنے لگے تو اس وقت آخر میں وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انجیل دے کر توریت کے بعض احکام مثلاً جہاد و حرمت گوشت شتر و شراب وغیرہ کو منسوخ کیا۔ لیکن چونکہ ان کے ماننے کے واسطے معجزات کی بھی ضرورت تھی اس لیے خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو معجزات بھی دیئے اور روح القدس کو ان کی امداد پر مقرر کیا (روح القدس سے مراد بعض کے نزدیک حضرت جبرئیلؑ بعض کے نزدیک انجیل اور بعض کے نزدیک خود حضرت عیسیٰؑ کی روح مقدس ہے) لیکن یہودی سرکشی سے باز نہ آئے۔ حضرت زکریاؑ و یحییٰؑ کے قتل کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے جانی دشمن بن گئے اور انجیل و توریت میں مرضی کے خلاف جو احکام تھے ان کو تحریف کر دیا۔ انبیاءؑ کی بے ادبی کی۔ ان پر تشنیع کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ الخ۔ ان یہودیوں کی عجیب حالت ہے۔ جب بھی کوئی رسول ان کی مرضی کے خلاف احکام الٰہی لایا۔ انہوں نے متکبرانہ انداز میں اس سے اعراض کیا اور آخر میں انبیاء کے ایک فرقہ کو قتل کر ڈالا اور دوسرے فریق کی تکذیب کی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے موسیٰؑ کو تورات عطا کی اور وقتاً فوقتاً دین موسوی کی اصلاح کے لیے پے در پے انبیاء بھیجے۔ آخر میں عیسیٰ کو کھلے کھلے معجزات دے کر بھیجا۔ لیکن یہود کی خباثت پھر بھی نہ گئی۔ یہاں تک کہ جب کسی رسول نے ان کی مرضی کے خلاف کوئی حکم دیا تو سرکشی کر کے ٹال دیا اور اس پر بھی بس نہ کیا بلکہ بہت سے انبیاء کو تو جھٹلایا اور بہت کو ناحق قتل کر دیا اور اس کے باوجود محبت الٰہی اور منصب ابدی کے دعوے دار بنے رہے۔

مقصود بیان موسیٰؑ کو توریت دی گئی۔ توریت کی تائید کے لیے وقتاً فوقتاً انبیاء بھیجے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تائید روح مقدس سے کی گئی۔ یہودی غرور کے ساتھ احکام انبیاء کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ بہت سے انبیاء کو انہوں نے قتل کر دیا تھا توریت میں تحریف کرتے تھے۔ وغیرہ

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اور کہتے ہیں ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ بلکہ پھٹکار دی ہے اُن کو اللہ نے اُن کے کفر کے سبب سے تو بہت کم ایمان لاتے ہیں

تفسیر جبکہ قرآن مجید نے یہودیوں کے شبہات باطلہ کا بالکل استیصال کر دیا اور کوئی معقول جواب اور قابل قبول دلیل اُن کے پاس نہ رہی تو جاہلانہ جواب پر اُتر آئے اور کہنے لگے کہ ہم اپنے دین پر ثابت قدم ہیں آپ کی کوئی بات قبول نہ کریں گے ہمارے دلوں پر غلاف ہیں جس کے اندر خزانۂ علوم مخفی ہے۔ غیر دین کی بات ہمارے دلوں میں داخل نہیں ہو سکتی اور نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ غلاف والاف کچھ نہیں ہے بلکہ اُن کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن پر لعنت اور پھٹکار کر دی ہے۔ اسی لیے آیات الٰہی میں سے کم باتوں پر ایمان لاتے ہیں (یعنی بعض دلوں پر یہ لعنت کا حجاب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ایمان لے آتے ہیں دوسرے کفر کے دلوں پر لعنت کا حجاب ہے۔ یا یہ مطلب کہ تھوڑے احکام کو مانتے ہیں بیشتر احکام کو نہیں مانتے۔

مقصود بیان۔ یہودیوں پر خدا کی لعنت ہے اور لعنت کی وجہ اُن کا کفر ہے۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا

اور جب اُن کے پاس اللہ کے ہاں سے کتاب آپہنچی جو تصدیق کرتی ہے اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے اس سے

مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا

پہلے فتح طلب کیا کرتے تھے کافروں پر سو جب آیا اُن کے پاس جس کو پہچان

عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

رکھا تھا تو انکار کرنے لگے پس اللہ کی پھٹکار کافروں پر

تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یہودیوں کی جب کبھی قبائل اوس وخزرج سے لڑائی ہوتی تھی اور برتری نظر آتی تھی تو نبی اُمّی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دُعا مانگتے تھے اور دشمن پر فتح وغلبہ چاہتے تھے اور یہ پاک وسیلہ لاتے ہی فوراً اُن کو فتح حاصل ہو جاتی تھی اور جب حضور والا نور تشریف فرما ہوئے تو یہودی کافر ہو گئے اور ایمان نہ لائے۔ ایک بار حضرت بشیر بن براء، داؤد بن سلمہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے اُن لوگوں سے کہا کہ یہود یو! تم تو اس سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دشمن پر فتحیاب ہونے کی دعا کیا کرتے تھے پھر اب کیا وجہ ہے کہ ایمان نہیں لاتے۔ اس کے علاوہ ہم جب حالتِ شرک میں تھے تو تم ہم سے محمد کی توصیف اور حلیہ مبارک بیان کرتے تھے۔ اب ذرا انصاف سے دیکھو کہ یہ وہی حلیہ ہے یا نہیں۔ یہ سُن کر سلام بن مشکم یہودی نے جواب دیا کہ یہ وہ نہیں ہے جن کا ہم ذکر کرتے تھے۔ اُس وقت آیت مذکور نازل ہوئی۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب ان یہود کے لیے خدا کی طرف سے ایک ایسی کتاب آئی جس میں اصول دینِ موسوی کی تصدیق ہے اور جو کفار ومشرکین کے مقابلہ میں بمنزلہ شاہد عدل کے ہے تو یہ لوگ اُس کے منکر ہو گئے اور مزید طرفہ یہ ہوا کہ جس نبی آخر الزماں کے یہ منتظر تھے اور جس کے توسّل سے کافروں کے مقابلہ میں فتحیاب ہونے کی دُعائیں کیا کرتے تھے جب وہی جانا پہچانا نبی اُن کے پاس آیا تو اس کا انکار کر بیٹھے۔ اسی لیے انکار کرنے والوں پر صرف اُن کے کفر کی وجہ سے خدا کی لعنت ہے۔

آیت کے آخری ٹکڑے کے ثبوت میں مفسرین نے سلمہ بن تیس کی ایک روایت نقل کی ہے۔ سلمہ کہتے ہیں کہ ہمارے محلّہ میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک روز اُس نے ہم سے عالمِ آخرت کے ثواب وعذاب کا تذکرہ کیا۔ ہم نے دلیل دریافت کی۔ کہنے لگا عنقریب مکہ اور یمن کی طرف سے ایک نبی مبعوث ہوگا وہ اس بات کو ثابت کرے گا۔ ہم نے پوچھا وہ کب ظاہر ہوگا؟ اُس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ اگر یہ لڑکا طبعی کر پہنچا تو دیکھ لے گا۔ چند روز کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی خبر مشہور ہوئی تو ہم نے اس یہودی سے کہا کہ اب تو ان پر ایمان کیوں نہیں لاتا؟ وہ شرمندہ ہو کر کہا کہ یہ وہ شخص نہیں ہیں۔

نکات اور توضیح قصّہ محمد بن اسحاق، مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہ علماء نے بیان کیا ہے کہ جب توریت نازل ہوئی اور بنی اسرائیل ایمان لائے اور توریت میں حضور کو اُمّی اور اُمّتِ محمدیہ کے فضائل پڑھے اور یثرب

toobaafoundation.com

یعنی مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہونے کا قصہ دیکھا تو ان اسرائیلیوں کو بڑا شوق ہوا۔ جب حضرت موسیٰؑ کی وفات کے زمانۂ دراز کے بعد بخت نصر نے ملک شام کو پامال اور بیت المقدس کو ویران کر دیا تو اسرائیلیوں نے اس حادثہ میں سوائے ممالک عربیہ کے کہیں اور اس دلجانہ پایا۔ اسی طرف چل دیئے اور چونکہ اسرائیلی علماء واقف تھے کہ پیغمبر آخر الزماں قصبۂ ذات النخل یعنی مدینہ میں ہجرت کے بعد تشریف لائیں گے اس لیے تلاش کرتے رہے کہ قصبۂ ذات النخل کہاں ہے ڈھونڈتے ڈھونڈتے یثرب پر گذر ہوا تو یہیں رہ پڑے۔ یہ لوگ ہارونی نسل کے تھے۔ ان میں سے ایک جماعت خیبر کو بھی چلی گئی تھی۔ مدت تک یہاں بڑے کروفر سے رہتے رہے۔ زمانۂ دراز کے بعد یعرب بن قحطان کی اولاد میں سے قبائل اوس و خزرج جو ملک سبا کے رہنے والے تھے یثرب کو آئے اور یہودیوں پر غالب آگئے اور یہودیوں پر اس قدر مظالم کیئے کہ یہودی تنگ آگئے اور مجبور ہو کر دعا کرنے لگے کہ الٰہی ہم کو پیغمبر آخر الزماں سے جلد ملا دے۔ قبائل اوس و خزرج اُن کی اس دعا کو سُن کر تعجب کرتے اور دریافت کرتے یہ کیا بات ہے؟ یہودی جواب دیتے کہ وہ نبی عظیم الشان ہوں گے اور ہم ان کی حمایت میں تم کو ہلاک کریں گے۔ کچھ زمانہ کے بعد قبائل اوس خزرج میں باہم نفاق ہوا اور قریب سو برس کے باہم قتال رہا۔ یہودیوں کے بھی دو فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ اوس کا مددگار بن گیا اور دوسرا خزرج کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے قریب ہی ان میں باہم ایسی خونریز جنگ ہوئی جو عرب میں اب تک یادگار ہے۔ اس جنگ کا نام یوم البعاث ہے۔ پھر جب حضورؐ تشریف لائے تو قبائل اوس و خزرج نے تو حضور کی تصدیق کی اور یہودی اسی عداوت کی وجہ سے کفر پر جم گئے اور نقطہ یہی نہیں بلکہ اوس و خزرج والوں کو بہکانا شروع کیا۔ لیکن اُن کا اغوا سود مند نہ ہوا اور اوس و خزرج والے انصار کے نام سے موسوم ہو گئے۔

مقصود بیان

حسد و عداوت بُری بلا ہے انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔ کتنا ہی سرکش انسان ہو اسلام اس کو راہ راست عالیہ پر پہنچا دیتا ہے۔ یہودی سخت متعصب اور کینہ توز قوم ہے۔ کافر خدا کی رحمت سے دور ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور حضورؐ کا حلیہ اسرائیلی علماء پہلے سے جانتے تھے۔ قرآن اور توریت اصول میں متحد ہیں۔ قرآن اصول توریت کی تصدیق کرتا ہے۔ وغیرہ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا

بُرے مول خریدا انھوں نے جانوں اپنی کو کہ اُس کا انکار کرتے ہیں جو اُتارا ہے اللہ نے اس حسد میں کہ

اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل (وحی) نازل فرماتا ہے سو وہ

بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

غصہ پر غصہ کے مستحق ہو گئے اور کافروں کے لیے دردناک سزا ہے۔

toobaafoundation.com

تفسیر مجاہد کہتے ہیں کہ یہودیوں نے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپایا۔ حالانکہ اُن سے عہد لے لیا گیا تھا کہ حضورؐ کے اوصاف ظاہر کریں مگر انھوں نے نفسانی خواہشات کی وجہ سے حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کیا اور حسد و بغاوتِ نفس کی وجہ سے کفر پر اڑے رہے۔ ان آیات میں اسی مطلب کی وضاحت کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ الخ یعنی خدائی احکام اور آسمانی کتاب کو چھوڑ کر اپنے نفسانی خواہشات کو جو یہودیوں نے قابلِ ترجیح سمجھا اور آسمانی احکام کا انکار کیا یہ بُری بات ہے۔ ان کے کفر کرنے اور خواہشاتِ نفس کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اس بات پر حسد ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے رسولِ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کو نسلِ عربی سے پیدا کر کے اپنی رحمت نبوت اور قرآن سے کیوں سرفراز فرمایا اور بندوں میں سے اپنی مشیت کے موافق کیوں حاملِ رحمت کا انتخاب کیا۔ اس سرکشی، حسد اور کفر کا نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند تعالیٰ کے دو بالا غضب میں مبتلا ہو گئے۔ شروع میں آیاتِ الٰہی کا انھوں نے انکار کیا اور انبیاء کی تکذیب کی اور اُن کو قتل کیا۔ اس بنا پر اُن پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور کافروں کے لیے اہانت کُن عذاب دنیا و آخرت میں مقرر ہی ہے۔ انھوں نے کفر کیا۔ اس لیے خدا نے ان کو ذلت و خواری میں مبتلا کیا اور آخرت میں اُن کے لیے عذاب مقرر کیا۔

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ یہود نے جو قرآن کا صرف اس وجہ سے انکار کر دیا کہ خدا تعالیٰ کیوں جس پر چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے وحی نازل کرتا ہے ہمارے خاندان میں کیوں نبی کو مبعوث نہ کیا تو اُن کی اس سعی و تجارت کا نتیجہ اچھا نہیں ہے۔ انھوں نے اپنی جان اور حیاتِ ابدی کو دے کر کفر کو لے لیا۔ یہ بُری بات ہے۔ اس کے عوض اُن پر دوچند غضبِ الٰہی نازل ہوا اور آخرت میں تو اس کا ثمرہ عذاب ہی ہے۔

مقصودِ بیان یہودی خداوند تعالیٰ سے ضد کرتے تھے۔ خدا مختارِ مطلق ہے جس کو اہل اور قابل جانتا ہے اس کو اپنے فضل و رحمت سے سرفراز فرماتا ہے اور نبی بناتا ہے۔ نبوت کسبی نہیں ہے، نہ کسی کی میراث ہے، نہ کسی کی خاندانی وجاہت و اعزاز کو اس میں دخل ہے۔ یہودی دانستہ صرف ضد سے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے تھے، ورنہ فی الحقیقت حضورؐ کی نبوت سے اچھی طرح واقف تھے۔ خصوصیت کے ساتھ کافروں کو جو عذاب ہوگا وہ اہانت آمیز اور ذلیل کُن ہوگا اور اس عذاب سے مقصود علاوہ جسمانی تکالیف کے ذلت و خواری بھی ہوگی۔ ہاں مسلمانوں کو جو عذاب ہوگا اس سے مقصود مسلمانوں کی ذلت و حقارت نہ ہوگی بلکہ صرف گناہوں کی نجاست دور کرنے کے لیے ان پر عذاب ہوگا۔ وغیرہ۔

مذکورہ بالا متعدد آیات میں یہ امر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہودیوں کا ایمان فی الحقیقت قوریت پر بھی نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کو بھی یہ لوگ نہیں پہچانتے تھے۔ لیکن صراحۃً اس بات کو ثابت نہیں کیا گیا تھا۔ آئندہ آیات میں خدا تعالیٰ یہود کے اس دعویٰ ایمان کا صراحۃً مدلل رد کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے اُتارا ہے اُس پر ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُس پر ایمان لاویں گے جو ہم پر اُتارا گیا ہے

toobaafoundation.com

وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَآءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ

اور اس کے ماسوا کا کفر کرتے ہیں حالانکہ وہ سچا ہے جو اُن کے پاس ہے اُس کی تصدیق بھی کہہ دو کہ پھر

تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝

اللہ کے پیغمبروں کو کیوں قتل کرتے ہو اگر تم ایماندار ہو

تفسیر یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ اُن کو دلی ایمان اور نفسانی دعویٰ میں امتیاز نہیں رہا تھا۔ کیونکہ اُن کے دلوں پر قہر لگی ہوئی تھی اس لیے وہ قلبی تصدیق اور نور زبان سے واقف ہی نہ تھے۔ خیالی اقرار کو ہی ایمان سمجھتے تھے۔ حالانکہ فی الحقیقت اُن کا یقین ایمان دلوں میں نہ تھا بلکہ صرف اندرونی حواس تک اس کی انتہا تھی۔ لہٰذا اوپر کی آیات میں خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کی عبرت کے واسطے یہودیوں کا حال بیان فرمایا جس کی تفصیل یہ ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ یعنی جب یہودیوں وغیرہ سے کہا جاتا ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے محمدؐ پر نازل فرمایا ہے اُس کو مانو اور اُس کی پیروی کرو کیونکہ یہ توریت و انجیل کی بشارت کے موافق ہے۔ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر نازل کی گئی ہے اُس کو تو ہم مانتے ہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ ہم توریت کو مانتے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں ہم انجیل کو مانتے ہیں۔ وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَآءَهُ اور اپنی کتاب کے علاوہ اور کتابوں سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں یعنی یہودی اور نصرانی قرآن کو نہیں مانتے۔ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ حالانکہ قرآن بالکل سچا ہے واقعی خدا کی کتاب ہے۔ کیونکہ اُن کتابوں کی اصول کے اعتبار سے تصدیق کرتا ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس ہیں یعنی ان کے انبیاء پر نازل کی گئی ہیں اور جب یہ لوگ قرآن کو نہیں مانتے تو جس چیز کی قرآن تصدیق کر رہا ہے اس کو بھی نہیں مانتے۔ پھر ان کا یہ دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ہاں ہم اپنی اپنی کتاب پر ایمان ہے۔ کیونکہ ایمان باللہ کے واسطے یہ لازم ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس سب کو مانا جائے اگرچہ بعض اعمال جزئیات میں کتب قدیمہ پر عمل نہ کیا جائے۔ لیکن اصول کے اشتراک کی وجہ سے سب کو حق مانا جائے۔ اب اگر ایسی صورت میں بھی ان کو مومن ہونے کا دعویٰ ہے تو خدا تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ اے نبی! آپ کہہ دیجئے اگر تم واقعی توریت پر ایمان رکھتے ہو تو پہلے انبیاء کو تمہارے اسلاف کیوں قتل کیا کرتے تھے اور تم اُن کے اس فعل کو کیوں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہو۔ اب اگر وہ جواب دیں کہ انبیاء معجزات نہیں لائے تھے کہ ہم اُن کی شناخت ہوتی کیونکہ

وَلَقَدْ جَاءَكُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ

اور موسیٰؑ تمہارے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے مگر پھر تم نے اُن کی غیر حاضری میں بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم

ظَالِمُونَ ۝ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا

ناحق کوش تھے اور جب ہم نے تمہارا اقرار لیا اور تمہارے اوپر طور کو اٹھایا (اور کہہ دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو

toobaafoundation.com

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ

دی ہے اس کو مضبوطی سے لو اور اُس کے احکام سنو تو بولے ہم نے سُن تو لیا مگر مانا نہیں بات یہ تھی کہ اُن کے کفر کی وجہ سے پھڑا اُن کے

الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

دلوں میں رچ گیا تھا کہدو اگر تم ایمانداری کا دعویٰ کرتے ہو تو تمہارا (یہ) ایمان تم کو بڑے کام سکھاتا ہے۔

تفسیر موسیٰ تمہارے پاس کھلے کھلے (نو) معجزات یقیناً لائے تھے۔ لیکن اُن کے بعد تم نے گوسالہ کو معبود بنا لیا اور خود اپنا نقصان کیا جو قابل پرستش نہ تھا اُس کی پرستش کی اور جو عبادت کے قابل تھا اس کی عبادت ترک کر دی۔ پھر گوسالہ پرستی کے بعد تم کو تنبیہ کی گئی اور توریت عطا کی گئی۔ لیکن پھر بھی تم نے اس کے احکام کی تعمیل سے انکار کیا تو خدا تعالیٰ نے کوہ طور کو تمہارے سروں پر معلق کر دیا اور فرمایا کہ جو احکام ہم نے تم کو عطا کئے اُن کو مضبوطی کے ساتھ لے لو اور سختی کے ساتھ اُن پر عمل کرو۔ احکام کو اچھی طرح سے سُنو۔ یہ عہد تم سے لے لیا۔ لیکن یہودیوں نے کہا کہ ہم نے سُن تو لیا لیکن ہم اس کو مانتے نہیں ہیں۔ یعنی ظاہر میں تو انھوں نے کہہ دیا تھا کہ ہم نے سُن لیا تاکہ کوہ طور اُن کے سروں پر سے ہٹ جائے۔ لیکن باطن میں یہی کہا کہ ہم نہیں مانیں گے۔ کیونکہ کفر کی وجہ سے اُن کے دلوں میں گوسالہ کی محبت سرایت کر گئی تھی اور شراب کی طرح رگ و پے میں پھیل گئی تھی۔ اے نبی! تم اُن سے کہہ دو کہ اگر تم ایسی حالت میں ایماندار ہو تو تمہارا یہ ایمان جس چیز کا تم کو حکم دیتا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے بلکہ باطل ہے۔ تمہارا ایمان تم کو آیات الٰہی کے انکار، انبیاء کی مخالفت اور قتل محمد صلعم کی نبوت سے انکار اور قرآن کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیتا ہے تو یہ حق نہیں ہے۔ تم دعویٰ ایمان میں بالکل جھوٹے ہو۔ تمہارے دلوں میں قطعاً ایمان نہیں ہے

مقصودِ بیان اگر قرآن پر ایمان نہ ہو تو کسی کتاب الٰہی پر ایمان نہیں۔ کیونکہ قرآن آسمانی کتب کے اصول کی تصدیق کرتا ہے۔ قتلِ انبیاء کفر ہے کوئی آسمانی کتاب اس کی اجازت نہیں دیتی۔ زیادہ سرکش اور معاند انسان کو سختی اور زبردستی کے ساتھ بھی پابندِ احکام بنانا جائز ہے۔ کیونکہ انسان اور جاہل انسان بچوں کی طرح ہے اور اس کی ضد بھی بچوں کی ہٹ سے کم نہیں جس طرح شفیق والدین اور سرپرست اولاد کو زبردستی راہِ راست کی ہدایت کر سکتے ہیں اسی طرح سرکش انسانوں کو سختی کے ساتھ پابندِ شریعت بنانا جائز ہے۔ یہودی سخت منافق تھے۔ ظاہر میں تو کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم مانتے ہیں اور باطن میں وہی سرتابی کرنے کا خیال جاگزیں تھا۔ وغیرہ

یہود کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ جنت ہمارے لیے مخصوص ہے۔ نجات ابدی ہمارا ہی حصہ ہے۔ سعادت آخری ہم کو ہی حاصل ہوگی کوئی دوسرا نہیں۔ اور قوم اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تورات کے ہمسر دنیا کوئی کتاب، اور موسیٰ کی برابر کوئی نبی نہیں ہو سکتا پھر ہم کسی اور کتاب اور نبی کو کیوں مانیں اور تورات و موسیٰ کے مقابلہ میں کیوں کسی کی اصل جائیں۔ یہ خیال فاسد انسان کی ترقی اور کامیابی کے سب سے بڑا سدِ راہ ہے اور سعادت بشری کے حق میں زہر قاتل ہے۔ خدا تعالیٰ اسی خیال کو ذیل کی آیات میں باطل کرتا ہے اور ایک زبردست دلیل بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

toobaafoundation.com

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ

کہہ دو کہ اگر دارِ آخرت کی خوبی خدا کے ہاں تمہارے ہی لیے مخصوص ہے اور لوگوں کے لیے نہیں

النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

ہے تو مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔

تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر خدا تعالیٰ کے ہاں صرف تمہارے ہی لیے سعادتِ اُخروی منحصر ہے اور دوسرے لوگ اس سے محروم ہیں تو تم موت کی تمنا کرو۔ کیونکہ جس کے واسطے جنت اور سعادتِ اُخروی یقینی ہو تو ضرور وہ موت کی تمنا کرے گا اس واسطے کہ جنت کی نعمتیں لازوال اور بے نظیر ہیں اور وہاں کے عیش و آرام اور راحت دچین دائمی اور پائیدار ہیں لہٰذا اُس کے حصول کی دعا کرنا اور ذریعۂ موت پر چڑھ کر وہاں پہنچنا ایک لازمی امر ہے۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ بطور پیشین گوئی اور اظہارِ غیب کے یہودیوں کے انکار کو ظاہر فرماتا ہے۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

اور وہ اپنے گناہوں کے پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے کبھی موت کی آرزو نہ کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

تفسیر یعنی (جو کفر) بدکاریاں، تحریف تورات، قتلِ انبیاء، انکارِ قرآن، عداوتِ رسول اللہ صلعم، ارتماد صریح اور اضافی ذمیمہ اُنہی سے سرزد ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے جہنم میں ان کا داخل ہونا قطعی ہے۔ اس وجہ سے یہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ موت کی تمنا سے مباہلہ اور موت کے لیے دعا کرنا مراد ہے۔ کیونکہ جب حضور اقدس صلعم نے یہودیوں کو دعوت دی کہ آؤ موت کے لیے دعا کریں۔ فریقین میں سے جو شخص جھوٹا ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا تو یہودیوں نے مُہلت مانگی اور عرض کیا کہ ابوالقاسم ذرا ٹھہر جایئے ہم غور کر لیں۔ پھر آپس میں کہنے لگے کہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ شخص پیغمبر ہے اگر اس سے مباہلہ کیا تو سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس مشورہ کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مباہلہ سے انکار کیا اور کہنے لگے ہمارے لیے ہمارا مذہب ہے اور آپ کے لیے آپ کا مذہب ہے۔ ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے اگرچہ سلسلۂ اسانید بھی صحیح ہے کہ اگر یہ یہودی موت کی تمنا کرتے تو سب مر جاتے۔ جہاں اور جس جگہ جو یہودی ہوتا وہ اُسی جگہ مر جاتا جانبر نہ ہو سکتا۔ ابن کثیر، قتادہ، ابوالعالیہ اور ربیع بن انس وغیرہ کے نزدیک بھی آیت میں تمنائے موت سے مباہلہ اور دعائے موت مراد ہے۔

جب یہودیوں نے باوجود دعوئ ایمان کے مباہلہ سے انکار کیا تو صریح ثابت ہو گیا کہ جس چیز پر یہ ایمان و یقین کا دعویٰ کرتے ہیں درحقیقت اس پر ان کا ایمان و یقین نہیں ہے۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ کفر و شرک کر کے اپنے آپ کو جنت اور رضائے الٰہی سے محروم کرتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت جہنمی ہیں۔ جنتی ہونے کا ان کا دعویٰ غلط ہے۔

toobaafoundation.com

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ

اور تم سب لوگوں سے زیادہ اُن کو جینے کا حریص پاؤ گے بلکہ مشرکین سے بھی زیادہ اُن میں سے ہر ایک چاہتا

لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۖ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ ۗ

ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو حالانکہ درازیٔ عمر اُس کو عذاب سے نہیں چھڑا سکتی

وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

اور اللہ اُن کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر یعنی یہودیوں کو تمام لوگوں سے زیادہ اس دنیوی زندگی کی آرزو ہے یہاں تک کہ جو لوگ مشرک ہیں مثلاً عرب کے بت پرست۔ ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے ہندو (اعاذہ اللہ ابن ابی حاتم والحاکم) اُن سے بھی زیادہ اُن کو جینے کی حرص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرک تو آخرت کے قائل ہی نہیں۔ اس لیے ان کے لیے سعادت و فلاح صرف اسی حیات فانی سے وابستہ ہے۔ اسی بنا پر اُن کو دنیوی زندگی کی حرص زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن یہودیوں کی عجیب کیفیت ہے کہ باوجود اقرار آخرت کے اور باوجود عوی جنت بلادلیل کے ان کو مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کی خواہشگاری، آرزومندی اور ہزاروں برس جینے کی حرص ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے دعوی میں جھوٹے ہیں اور ان کو اپنے جہنمی ہونے کا یقین ہے۔ ان یہودیوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ مدت طویل تک زندہ رہے لیکن یہ بطلاع خراس کو عذاب الٰہی سے رہائی نہیں دے سکتی۔ بالآخر جہنم میں جانا ہے۔ دنیوی فلاح کی اُمید اور اُخروی عذاب کے خوف سے گھٹتی ہی ہے۔ لوگ حیات دنیوی کے خواہشگار ہیں لیکن یا تو مر کر عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا پڑے گا کیونکہ خدا اُن کے اعمال و افعال سے بخوبی واقف ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک پیشینگوئی ہے کہ یہ لوگ جینے کی زیادہ آرزو رکھتے ہیں۔ اس کا دعوی زبانی ہے اور دلائل عقلی کے مقتضا بد کو خوب سمجھ رہے ہیں اس لیے وہ کبھی موت کی آرزو نہیں کریں گے بلکہ تمام لوگوں سے یہاں تک کہ مشرکین سے بھی دنیا و زندگی کے خواہشگار اور آرزومند رہیں گے۔ ہزار ہا برس جینے کی حرص کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک دنیا کے آگے کسی چیز کی وقعت نہیں۔ یہ صرف برکت سے بے نصیب ہیں۔ اس جہان کی نعمتوں کا دل سے شیفتہ ہیں۔ آخروی نعمتوں سے قطعی مایوس ہیں اس لیے عمر طویل کے آرزومند ہیں کہ جہاں تک ہو سکے دنیاوی لذائذ و کمالیات سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں اور جہاں تک ممکن ہو عذاب اُخروی سے بچے رہیں۔ لیکن ان کی کتنی ہی عمر ہو عذاب آخرت سے بچ نہیں سکتے۔ خدا ان کی بداعمالیوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اُن کے کرتوت خدا سے مخفی نہیں۔ پھر تھوڑی عمر ہو یا زیادہ اُن کی بداعمالی کی سزا ان کو ضرور دی جائے گی۔

فائدہ۔ علماء محققین کے نزدیک دنیا کی کلفت و مشقت یا مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنی ممنوع ہے لیکن اگر شوق آخرت میں موت کی خواہش کرے یا خاتمہ ایمان کے لیے مرنے کا آرزومند ہو تو جائز ہے۔ اس کثیر وغیرہ طلاء نے بھی تحقیق کی ہے۔

مقصد (بیان)۔ موت ایک پردہ ہے جو انسان کی اس مادی زندگی اور حیات ابدیہ کے درمیان حائل ہے۔ تقدیر اٹل ہے کسی نہ کسی

toobaafoundation.com

پردہ کے پیٹے ہی سعادت اخروی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اور جو فطرتاً یا طلاً گمراہی دل رکھتے ہیں وہ اس حجاب کے دُور ہونے کے صدمات عظیم کے عذاب میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ یہودی نجات ابدی کے متمنی تھے لیکن جھوٹے تھے اسی لیے ان کو دنیوی زندگی کی زیادہ حرص تھی۔ یہود دیر کی ایمان رفیعہ قیامت اور اس کے حساب کتاب پر ضرور تھا۔ اگرچہ اس فور ایمان کو دنیوی لالچ و خوف کی تاریکی نے چھپا لیا تھا۔ خدا تعالیٰ کے علم سے ماضیان کے اعمال کا کوئی حصہ مخفی نہیں ہے۔ وغیرہ

جب اقبال قبیحہ اور گناہوں کی شامت و نحوست سے قلب پر تاریکی کا غلاف ہو جاتا ہے اور فوز فطری چھپ جاتا ہے تو ملک آخرت اور نعمت حقیقی کی لذت سے محروم اور صرف خیالی معلوم ہونے لگتی ہے اور جسمانی کو درت بڑھ کر دنیا اور کرائب دنیا کی چاہت بڑھ جاتی ہے۔ انسان دنیا کے ہوا و ہوس اور نفس پرست انسانوں سے مانوس ہو جاتا ہے۔ انبیاء و صلحاء، علماء، ملائکہ اور نورانی مخلوق سے اس کو عداوت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ روشنی و ظلمت اور کدورت و نورانیت میں ضد ہے۔ اسی لیے خبیث یہودیوں نے حضرت جبرئیل سے عداوت پیدا کر لی تھی۔ اسی مناسبت سے ذیل کی آیات میں اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا

کہدو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو وہ یکے بگاڑ نہیں سکتا جبرئیل نے تو خدا کے حکم سے (یہ قرآن) تمہارے دل میں ڈالا ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ

حالانکہ یہ پہلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ایمان والوں کیلئے ہدایت و خوشخبری ہے جو شخص خدا کا اور اُس کے فرشتوں کا

وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ

اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو تو بلاشبہ اللہ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔

تفسیر

ان آیات کے شانِ نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ہم تمام روایتوں کو چھوڑ کر صرف دو روایتیں نقل کرتے ہیں:۔

(۱) ابن جریر، احمد، حاکم اور طبرانی وغیرہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ ایک بار کچھ یہودی عبداللہ بن صوریا کی زیر قیادت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے چار سوالات کا جواب دیجیے۔ اگر آپ صحیح جواب دیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے بہرحال قول اقرار کے بعد ابن صوریا نے عرض کیا کہ فرمائیے، سب سے پہلے حضرت یعقوبؑ نے اپنے اوپر کس چیز کو حرام کیا تھا۔ نیز آپ جس کا ذکر قرات میں ہے اس کی کیا علامت ہے۔ پیغمبر کے اندر کچھ نر اور مادہ کس طرح ہو جاتا ہے، اور کیوں ہو جاتا ہے۔ آپ کے پاس خبر ہے اور وحی کون لاتا ہے؟ حضورؐ نے ان سے میثاق اور اقرار ایمان لے کر ارشاد فرمایا۔ تم کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو ایک خطرناک مرض لاحق ہوا تھا اور جب مرض طویل ہو گیا تو انھوں نے نذر مانی کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے صحت عطا فرمادے گا تو میں اپنا مرغوب ترین کھانا پینا ترک کر دوں گا اور وہ خدا ہر گز نہیں کھاؤں گا جو مجھ سے زیادہ پسند ہے، یعنی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ۔ خدا تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرمائی

toobaafoundation.com

اور انھوں نے نذر پوری کی۔ باقی وہ بڑائی جس کا تورات میں ذکر ہے اُس کے صفات میں سے یہ بات ہوگی کہ اُس کی آنکھیں سوئیں گی لیکن دل بیدار رہے گا۔ نر و مادہ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ تم لوگ جانتے ہو کہ مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی رقیق اور زرد ان دونوں پانیوں میں سے جو پانی غالب آجاتا ہے بچہ ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ باقی وحی میرے پاس جبریل لاتے ہیں اور ہر نبی کے پاس جبریل ہی وحی لے کر جاتے تھے۔ یہودی بولے۔ آپ نے سب ٹھیک فرمایا۔ لیکن جبرئیل ہمارا جانی دشمن ہے۔ جبرئیل کے مزاج میں سختی بہت ہے۔ وہی عذاب نازل کرتا اور لوگوں کو ہلاک کرتا ہے۔ اگر میکائیل آپ کے پاس وحی لاتے تو ہم بلاشبہ ایمان لے آتے۔ اس قصہ کے بعد آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں۔

(۲) قاضی بیضاوی وغیرہ نے آیات کا شانِ نزول ایک یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ یہودیوں کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور اُن سے جبرئیل کے متعلق کچھ استفسار کیا۔ یہودی کہنے لگے کہ جبرئیل تو ہمارا دشمن ہے۔ ہمارے اسرار اور رازوں سے محمدؐ کو مطلع کرتا ہے اور یہی عذاب نازل کیا کرتا ہے۔ ہاں میکائیل مرنے الحال اور سلامتی کا فرشتہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا۔ اچھا خدا تعالیٰ کے نزدیک ان دونوں کا کیا مرتبہ ہے؟ یہودیوں نے جواب دیا کہ جبرئیل خدا کے دائیں جانب ہے اور میکائیل بائیں جانب ہے اور باہم ان دونوں میں دشمنی ہے۔ فاروق اعظم رضؓ نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا۔ اگر واقعہ یہی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو پھر ان دونوں میں دشمنی نہیں ہو سکتی۔ تم لوگ گدھوں سے بھی زیادہ بیوقوف ہو جو شخص ان دونوں میں سے کسی کا دشمن ہوگا وہ درحقیقت خدا کا دشمن ہوگا۔ یہ فرما کر حضرت عمرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُدھر حضرت جبرئیلؑ آیاتِ مذکورہ لے کر پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ حضور والاؐ نے ارشاد فرمایا۔ عمرؓ! تمہارے پروردگار نے تمہاری موافقت کی۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو وہ اپنی عداوت میں جل مرے۔ جبرئیل کو وہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور نہ جبرئیلؑ کا کوئی ایسا جرم ہے جو عداوت انگیزی کا سبب ہو۔ اگر اس نے یہ قرآن تم پر نازل کیا ہے تو فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ الخ۔ حکم خدا نازل کیا ہے۔ اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے اور یہ کوئی نئی کتاب نہیں ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اس سے گذشتہ کتابوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انجیل، تورات وغیرہ کتب حق تھیں اور خدا کی طرف سے نازل شدہ تھیں اور فقط یہ گذشتہ کتابوں کی تصدیق ہی نہیں کرتا بلکہ خود بھی قوانینِ عدل اور ضوابطِ نجات سے پُر ہے۔ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ جو بہ ایمان رکھنے والوں کے لیے بشارت اور ہدایت ہے راہ راست دکھاتا ہے اور راہ راست پر چلنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اس لعنت کے مصداق فقط یہودی ہی نہیں ہیں اور نہ صرف جبرئیل کی عداوت ہی موجبِ پھٹکار ہے بلکہ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ جو شخص خدا کا دشمن ہو، اس کی ذات و صفات کا منکر ہو، اُس کے احکام کو نہ مانتا ہو، قانونِ شریعت کا کفر کرتا ہو۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ اور جو شخص خدا کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور خصوصیت کے ساتھ جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو وہ کافر ہے اور اس کفر کا نتیجہ بد خود اُس کو اُٹھانا پڑے گا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۝ کیونکہ اللہ کافروں کا دشمن ہے، کافروں کو ان کی دشمنی کی سزا دینے والا ہے۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ جبرئیل جو کچھ کرتا ہے حکم الٰہی سے کرتا ہے اس نے قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بحکم خدا نازل کیا ہے۔ اب جو اس کا دشمن ہے خدا کا دشمن ہے۔ اس کے علاوہ تم کو خود قرآن پر غور کرنا چاہیے۔ غور کرنے کے بعد کوئی صحیح دماغ اور روشن حواس رکھنے والا انسان اس کا منکر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن تمام گذشتہ کتبِ الہامی کی

toobaafoundation.com

تصدیق کرتا ہے۔ اس کے اصول اور قوانین حرف بحرف دیگر کتب الٰہیہ کے موافق ہیں۔ اس لیے جو لوگ انبیاء کے پیرو ہیں وہ کسی طرح اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کا انکار درحقیقت ان کا انکار ہے۔ باقی جو لوگ کسی سابق نبی یا گذشتہ کتاب کے متقد نہیں ہیں۔ بلکہ جو کتاب مصالح دینی، فوائد دنیوی اور سعادت انسانی کا مجموعہ ہو اُس کو ماننے والے ہیں تو وہ بھی قرآن کا انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قرآن وادیٔ جہالت میں بھٹکنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ افراط و تفریط سے بھولے ہوئے انسان کو نکال کر اعتدال کا راستہ بتاتا ہے اور سعادت دارین سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ مزید برآں، جو فرقہ اہل ایمان ہے، انکار و کفر کے داغ اُن کے نورانی دل پر نہیں لگے ہیں قرآن کے لیے یہ قرآن باعث بشارت ہے۔

اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کی ذات صفات کا منکر ہو یا اس کے فرشتوں اور رسولوں کو نہ مانتا ہو خصوصاً جس کو مقرب ترین فرشتوں یعنی جبرئیل و میکائیل سے دشمنی ہو تو وہ یقیناً کافر ہے اور کافر کا ٹھکانا کہیں نہیں۔ نہ اس کو سعادت دارین حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خدا کافروں کا دشمن ہے۔

مقصودِ بیان

قرآن تین فرقوں کے نزدیک واجب التسلیم ہونا چاہیے۔ (۱) جو لوگ کسی آسمانی کتاب کو مانتے ہوں اور اس کے احکام کی تقلید کرتے ہوں (۲) جو لوگ کسی آسمانی کتاب کو اندھا دھند نہیں مانتے بلکہ ہر قانون اور ہر کتاب کو عقل کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یعنی محض مقلد نہیں بلکہ تنقید اور تبصرہ کا مادہ بھی ان میں ہے۔ (۳) جو لوگ ایمان لا چکے ہیں خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ لیکن اطمینان بخش اور تسلی خیز باتوں کے خواستگار رہتے ہیں۔ ان تینوں فرقوں کو قرآن گمراہی سے نکال کر ہدایت کی سطح پر لاتا ہے۔ اور ہدایت یافتہ لوگوں کو خوشنودیٔ الٰہی کی خوشخبری دیتا ہے۔ آیات سے امور ذیل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ جس شخص کی فطرت جذبۂ ایمان سے خالی ہے اُس کو قرآن سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن اُس کی سعادت کا ذمہ دار ہے۔ کسی ایک فرشتہ یا ایک کتاب الٰہی یا ایک پیغمبر برحق کا انکار کل کا انکار ہے اور یہ صریح کفر ہے۔ عقل انسانی ہدایت اور حصول سعادت کے لیے ناکافی ہے۔ بغیر کتاب الٰہی کے کسی کو نجات کا صحیح اور کامل راستہ نہیں مل سکتا۔ وغیرہ

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور ہم نے تمہارے پاس کھلی ہوئی آیات بھیجی ہیں اور سرکشوں کے سوا کوئی اُن کا انکار نہیں کرتا۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

کیا یہ لوگ جب کوئی قول قرار کریں گے تو ان میں کا کوئی نہ کوئی فریق اس قول قرار کو پھینک دے گا (ایک فریق نہیں) بلکہ انہیں کے اکثر بے ایمان ہیں

وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ

اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے رسول آیا جو اُن کی کتاب کی بھی تصدیق کرتا ہے تو اُن

toobaafoundation.com

فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ

اہل کتاب کے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت پھینک دیا گویا اُن کو کچھ

كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

خبر ہی نہیں ہے

تفسیر علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ ابن صوریا یہودی نے جو فدک کا رہنے والا تھا اور یہودیوں میں بڑا عالم تھا حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ محمدؐ! تمہاری جو نشانیاں ہم کو معلوم تھیں اُن میں سے کوئی نشانی بھی تم میں نہیں پائی جاتی اور نہ خدا نے تمہارے نبی ہونے کی کوئی دلیل بیان کی۔ اس کی تردید میں آیات ذکرہ نازل ہوئیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الخ۔ یعنی ہم نے تم پر کھلی ہوئی اور واضح آیات نازل کی ہیں دیکھنے والوں کے لیے۔ اُن سے تمہاری نبوت کا واضح ثبوت ہوتا ہے (کیونکہ ایک اُمّی شخص جب توریت وانجیل کا سبب وباب بیان کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی معرفت کے اسرار و حقائق ظاہر کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت نبوت ہو سکتا ہے۔ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ سوائے ان نافرمانوں کے ان آیات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ جو لوگ طاعت الٰہی اور خدا ایمان سے خارج ہیں اور ان کی عادت ہی یہ ہے۔ وہی لوگ ان واضح نشانیوں کا انکار کر سکتے ہیں اور یہودی چونکہ نافرمان اور خدا ایمان سے خارج ہیں اس لیے یہ منکر ہیں۔ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ تک کیونکہ یہودیوں نے جب سے حضرت الٰہی اور پابندیٔ شریعت کا کوئی عہد باندھا تو ایک فریق نے ضرور اس کی خلاف ورزی کی اور میثاق و معاہدہ کو پس پشت ڈال دیا۔ بلکہ ایک فریق پر ہی کیا منحصر ہے اُن میں سے اکثر مومن نہیں ہیں عہد کر کے اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

صدی سمجھتا ہیں کہ یہودیوں نے جب توریت اور قرآن کو ایک دوسرے کے موافق پایا تو توریت کے احکام کو بھی ترک کر دیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ انھوں نے اپنی کتاب پر بھی ایمان چھوڑ دیا ہے۔ اسی کے بیان کے لیے ذیل کی آیات نازل ہوئیں۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ الخ یعنی اہل کتاب کی سرتابی اور نقض عہد کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اُن کے پاس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور توراۃ وغیرہ کی تصدیق کی تو اہل کتاب نے اپنی کتاب کو بھی پس پشت پھینک دیا اور اس کے احکام کے بھی پابند نہ رہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو توراۃ وغیرہ کے الہامی ہونے کا بھی یقین نہیں ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے انکار کے لیے یہ عذر پیش کرنا کہ چونکہ اس کو جبرئیل لاتے ہیں اس لیے ہم اس کو تسلیم نہیں کر سکتے سراسر بارد عذر ہے۔ کیونکہ بصیرت کو شمع واضح اور بصر اندوز نظر آنے والوں کے لیے یہ اس میں بالکل واضح اور کھلی ہوئی نشانیاں نبوت کی موجود ہیں کوئی بات ایسی نہیں کہ سلیم حواس رکھنے والا اُس کا انکار کر سکے ہاں جس کی عادت ہی نافرمانی کی چلی آتی ہے وہ ضرور انکار کرتا ہے اور یہودیوں کی چونکہ نافرمانی کی عادت ہے اس لیے یہ انکار کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے جب کبھی احکام الٰہی پر پابند رہنے کا معاہدہ کیا ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کی اور سب سے بڑھ کر ان کے نقض معاہدہ کا ثبوت یہ ہے کہ جب انہی کی کتاب کی تصدیق رسول نے کی اللہ انہی اصول وکلیات کی ان کو تعلیم دی جو توراۃ میں موجود ہیں تو انھوں نے توراۃ پر بھی عمل ترک کر دیا۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان قرآن اور دیگر معجزات ثبوتِ نبوت کے لیے لکھی ہوئی نشانیاں ہیں۔ معجزہ نبوت کو ثابت کرتا ہے اور سوائے اس شخص کے جو حد شروع سے خارج ہو کوئی معجزہ کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہودی ہمیشہ عہودِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ قرآن توریت وغیرہ کے اصول کی تائید کرتا ہے۔ عہدِ الٰہی کی شکست حرام ہے۔ وغیرہ

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ

اور اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جو شیطان سلیمان کے عہد میں پڑھا (پڑھایا) کرتے تھے اور اس زمانہ میں کبھی سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى

بلکہ شیطانوں نے کفر کیا تھا جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جو

الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا حالانکہ ہاروت ماروت اس وقت تک کسی کو کچھ نہ سکھاتے تھے جب تک

يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ

یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش کے لیے ہیں تم کافر نہ بن جانا مگر لوگ ان سے ایسی باتیں سیکھتے تھے جن سے میاں بی بی میں

بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

تفریق ڈال دیں حالانکہ بغیر علم خدا کے وہ اس جادو سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِيْ

ایسی باتیں بھی سیکھتے تھے جو ان کو ضرر پہنچائیں نفع نہ دیں اور یہ جان چکے تھے کہ جو اس کا خریدار ہو اس کے لیے آخرت میں

الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۭ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

کوئی حصہ نہیں ہے اور جس چیز کے بدلے انھوں نے اپنی جانوں کو بیچا وہ بہت بُرا ہے کاش اُن کو سمجھ ہوتی

تفسیر ابن کثیر نے بروایت سدی ان آیات کے شانِ نزول کے متعلق ایک تفصیلی قصہ لکھا ہے۔ جس کو مختصر کر کے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں شیطان حسب معمول آسمان تک چڑھ جاتے اور فرشتوں میں ہم اکھٹے الٰہی

toobaafoundation.com

کا جو تذکرہ ہوتا تھا اس کو غور سے سنتے تھے اور جب ان کو معلوم ہو جاتا کہ فلاں تاریخ فلاں وقت یہ حادثہ ہوگا تو نیچے واپس آکر اپنے اطلاعات شیاطین یعنی انسان نما شیطانوں کے دلوں میں اُن تمام واقعات کا الہام والقاء کر دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو کاہن کہا جاتا تھا۔ کاہن کو اگر ایک واقعہ القائی صورت میں معلوم ہوتا تو وہ اس کے ساتھ دس جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا اور لوگ ان باتوں کو اپنی کتابوں اور بیاضوں میں لکھ لیتے۔ ملّتہ رفتہ بنی اسرائیل میں اس بات نے اعتقادی شکل قبول کر لی کہ شیطان یعنی جنّات غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس قسم کی سب بیاضوں کو جمع کرا کے ایک صندوق میں رکھ کر اپنے تخت کے نیچے دفن کرا دیا اور لوگوں میں اس طرح کی کفر آمیز باتیں کرنے کی تہدیدی ممانعت کرا دی۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد شیطانوں نے جاہلوں کو ورغلایا اور دفن شدہ کتابیں نکلوا کر کہا کہ انہی کتابوں کی بدولت حضرت سلیمانؑ جن وانس پر حکومت کرتے تھے درحقیقت نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے اور جادو سے ہی انھوں نے سب کو مسخر کر رکھا تھا۔ بنی اسرائیل نے ان کتابوں کو مطالعہ کر کے کفریات کی پیروی کی اور برابر حضرت سلیمانؑ کو جادوگر جانتے رہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حضرت سلیمانؑ کو سرکارِ عالی نے زمرۂ انبیاء میں داخل کیا تو یہودی کہنے لگے دیکھو یہ سلیمانؑ کو انبیاء کی فہرست میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ سلیمانؑ جادوگر تھے نبی نہ تھے۔ یہود کے اس خیال کی تردید مذکورہ آیات میں خدا تعالیٰ نے فرماری۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ۔ یعنی بنی اسرائیل نے اس سحر و کفر کی پیروی کی جو حضرت سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین جن وانس پڑھا کرتے تھے۔ معارفِ نبوت اور احکامِ الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف شیطانوں کا شائع کردہ باطل خیال تھا کہ سلیمان جادوگر ہیں۔ جادو کے زور سے انھوں نے سب کو مسخر کر لیا ہے۔ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ حالانکہ سلیمانؑ نے کفر نہ کیا۔ سحر کے زور سے کسی کو مسخر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے اور لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ اور بنی اسرائیل نے اُس سحر کی پیروی کی جو بطور امتحان، ہاروت و ماروت کو مقام بابل میں عطا کیا گیا تھا۔ یہ ہاروت و ماروت بہت نیک تھے اور یہاں تک اُن کی نیک نیتی کی نوبت پہنچی تھی کہ لوگ اُن کو فرشتہ کہنے لگے تھے حالانکہ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ وہ دونوں فرشتہ نما انسان جس کسی کو کلماتِ سحر سکھاتے تھے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم خدا کی طرف سے تمہاری آزمائش کے لیے مقرر ہیں تم کو تعلیم سحر تو دیتے ہیں مگر تم اس پر عمل نہ کرنا ورنہ کافر ہو جاؤ گے۔ حق و باطل اور کفر و ہدایت میں امتیاز تم کو کرنا چاہیئے۔ اگرچہ ہدا تعلیم کردہ سحر بھی خارقِ عادت ہے مگر چونکہ اس کا ورود مدارِ طہارتِ نفس، باطنی نہاست اور محبت شیاطین پر ہے، اس لیے تم کو اس سے احتراز کرنا چاہیئے اور تعلیم قوراتِ حاصل کرنا چاہیے جو طہارتِ نفس، پاکیزگی قلب اور نورِ معرفت پر مبنی ہے۔ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ لیکن یہ خبیث انسان ان کی تنبیہ پر عمل نہ کرتے تھے اور ایسے ایسے خبیث عمل اُن سے سیکھتے تھے جس کے استعمال سے میاں بیوی میں تفریق ہو جائے اور فقط سیکھنے پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ اس کو استعمال کر کے زوجین میں نفاق و فراق کرا دیتے تھے۔ حالانکہ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ بغیر حکمِ الٰہی وہ کسی کو اُس سحر سے بھی کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ جس طرح عالمِ محسوسات میں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت پر تمام تصرفات موقوف رکھے ہیں اسی طرح غیر محسوسات میں بھی تاثیر اسی کے ارادہ اور مشیت سے وابستہ ہے۔ اگرچہ ساحر کو قدرتِ الٰہی نظر نہ آئے اور وہ اپنے ہی عمل کی تاثیر سمجھے وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ لیکن یہ لوگ تاثیرِ قدرت سے غافل تھے اور وہی باتیں سیکھتے تھے جو اُن کے لیے غیر مفید بلکہ ضرر رساں تھیں۔ کیونکہ ساحر جب تک شیطان سے مناسبت حاصل نہ کرے، جب تک طہارتِ نفس اور مکارمِ اخلاق اور کرامتِ ظاہر و باطن کو ترک نہ کرے اور

toobaafoundation.com

جب تک ایمان اور موصوف کرانے سے نہ نکال دے اُس وقت تک اس کے سحر میں تاثیر نہیں ہوسکتی اور بنی اسرائیل نے ایسا سب باتیں برعمل کیا۔ لہٰذا ہر ایرا ہو گئے اور سوائے نقصان وغیرہ کے کوئی حقیقی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ اور ان لوگوں کو اس بات کا بھی علم تھا کہ جو شخص ایمان و ہدایت اور تعلیم کتاب الٰہی کو چھوڑ کر سحر و کفر کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اس کے لیے آخرت میں سعادت کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ لیکن انھوں نے اس علم کے باوجود حصہ آخرت کو چھوڑ کر حاصل دنیا کو ترجیح دی اور یہ نہ سمجھے کہ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔ جس چیز کے عوض اپنے آپ کو خرید رہے ہیں اور جس بات کو اپنے نفس کی سعادت و فلاح کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں وہ بڑی بات ہے سعادت کا ذریعہ نہیں ہے۔

چند ہدایات

بابل ضرور کسی شہر یا آبادی کا نام تھا، لیکن یہ آبادی کہاں تھی؟ اس کے متعلق مورخین و مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی اس سے نصیبین مراد لیتا ہے۔ کوئی نہاوند اور کوئی کوفہ و دامغان۔ ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا وہ خاص گوشہ مراد ہے۔ ابن کثیر نے بابل سے عراق مراد لیا ہے۔ بعض کے نزدیک بلاد بیت میں کوئی شہر تھا۔ اللہ بصیر ہے کہ بابل سے کونسا بابل مراد ہے جہاں نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ کے لیے لاٹ بنائی تھی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ علمائے ہیئت کے نزدیک بابل کی بلندی بحر اوقیانوس یا بحر ظلمات سے ستر درجہ پر ہے اور خط استوا سے بعد عرضی ۳۲ ہے۔

(۳) ہاروت و ماروت دو فرشتے تھے یا دو انسان تھے۔ اس کا فیصلہ کسی مرفوع حدیث سے تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کے متعلق کوئی مرفوع حدیث نہیں صرف اقوال صحابہ ہیں اور وہ اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں اس لیے کوئی تعامل یقین نہیں۔ اکثر کتب۔ درایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاروت اور دو فرشتے تھے جن کو آزمائش کے لیے انسانی جامہ میں بھیجا گیا تھا اور باقی قوی ان کو عطا کئے گئے تھے لیکن بیضاوی وغیرہ مفسرین نے تحقیق کے ساتھ آخری فیصلہ کر دیا ہے کہ ہاروت و ماروت دو شہزادے تھے جو نہایت متقی، پرہیزگار، خدا ترس اور صالح تھے۔ فرشتوں کی تعریف کی وجہ سے ان کو فرشتے کہتے تھے۔ یہی قول اقرب الی التحقیق ہے۔

مقصد بیان

خدا تعالیٰ کی آزمائش کا دائرہ بہت وسیع ہے ہر صورت سے خدا امتحان کرتا ہے۔ سحر و باطل سے بھی بنی نوع انسان میں تاثیر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ سحر سے عقل و ایمان ناممکن ہے۔ حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کبھی باہم شانہ ٹکراتے ہیں جن میں امتیاز کرنے کے لیے صرف اس امر کو جان لینا چاہیے کہ کس تعلیم کا دار و مدار ترقی نفسی پاکیزگی، روح اللہ مکارم اخلاق پر ہے اللہ کو کونسی تعلیم محبوب یعنی، نجاست باطن اور گندگی روح کو چاہتی ہے۔ اگرچہ دنیوی نتیجہ اور اشیائے عالم میں تصرفات کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوں۔ لیکن ظاہر و نفس میں تفاوت مفصل ہیں۔ اوّل تعلیم روحانی اور دوسری ضلالت شیطانی و نفسانی ہے۔ اگر سحر میں کلمات کفر کی آمیزش نہ ہو، خدا یا ایمان کی روشنی گل نہ ہوتی ہو، شیطان کی دوستی نہ کرنی پڑتی ہو تو پھر سحر کا سیکھنا جائز ہے بلکہ اس کی تعلیم ہے۔ بہرحال انصاف، بلاشبہ سے حاصل کرو، کلمہ کفر کو چھوڑ دو، ترجیحات پر ترجیح دیتے رہو۔ وغیرہ۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ ۚ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝

اور اگر یہ لوگ ایمان لے آتے اور متقی بن جاتے (تو اللہ کی طرف سے) ثواب (ان کے لیے) بہتر ہے کاش کہ ان کو معلوم ہوتا

toobaafoundation.com

تفسیر یعنی ان لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال دیا۔ لیکن اگر وہ رسول اور کتاب الٰہی پر ایمان لاتے اور معاصی کو چھوڑ کر متقی بن جاتے تو ان کو دائمی لازوال ثواب ملتا۔ بہرحال ان کے کفر بات اور بہودہ اعتقادات سے ہمیں کیا۔ ثواب الٰہی کا معمولی حصہ بھی ان کے بڑے سے بڑے منافع سے افضل ہے۔ کاش ان کو اس حقیقت کا پتہ ہوتا کہ ثواب الٰہی کس قدر بیش بہا ہے۔

مقصود بیان۔ ایمان واتقاء کی تعلیم، ترغیب ثواب، سعادت آخروی کی اہمیت دنیوی پر فضیلت وغیرہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ

مسلمانو! تم راعنا مت کہو اور انظرنا کہو اور سنو

وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے

تفسیر خطیب نے سراج المنیر میں لکھا ہے کہ مسلمان آنحضرت صلعم کی مجلس میں بیٹھ کر حضور کے فضائل و مواعظ سنا کرتے تھے اور جب کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو عرض کرتے تھے راعنا یعنی حضور ہماری رعایت کیجئے ہم نہیں سمجھے مکرر ارشاد فرمایئے۔ یہودی بھی یہی لفظ بولتے تھے اور اس سے دوسرے معنی مراد لیتے تھے۔ یعنی بیوقوف شیخی باز۔ کیونکہ راعن کے معنی احمق اور شیخی باز کے ہیں اور کبھی زبان دبا کر کہتے تھے راعینا یعنی اے ہمارے چرواہے۔ حضرتؐ اس بات کو سمجھ گئے اور کہنے لگے اے دشمنان خدا اب اگر میں نے تم سے یہ لفظ سنا تو خدا کی قسم تم کو قتل کر ڈالوں گا۔ یہودی بولے تم لوگ خود بھی تو یہ کہتے ہو ہمارا کیا قصور ہے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تم لفظ راعنا ہی کو چھوڑ دو جس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس لفظ کے معنی اگرچہ اچھے پیرایہ میں تم مراد لیتے ہو۔ لیکن کافروں کو اس لفظ کے دوسرے معنی میں استعمال کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ لہٰذا تم یہ لفظ ہی چھوڑ دو بلکہ اس کے بجائے دوسرا لفظ یعنی انظرنا بولو (مطلب ادا ہو جائے اور کافروں کو بھی بدتہذیبی کا بہانہ نہ ملے اور خوب غور کر کے دل کے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ سنا کرو (یا کم تم کو طلب رعایت اور تکرار کی ضرورت ہی نہ پڑے) ان یہودیوں کے لیے عذاب الیم مہیا ہے۔ ان کے دلوں میں کینہ اور دشمنی پوشیدہ ہے۔ اس لیے بدتہذیبی اور توہین رسول کے چھوٹے چھوٹے حیلے ڈھونڈتے ہیں تم ان کو بدتہذیبی کا موقع ہی نہ دو۔

مقصود بیان قول وفعل میں کافروں کی مشابہت حرام ہے۔ کافروں سے ولی دوستی ناجائز ہے۔ کیونکہ اس کے عشر عشیر نکلتے ہر وقت توہین اسلام ہے۔ نبی کی توہین خواہ ارادتاً یا اشارۃً یا کنایۃً ہو بہر صورت حرام ہے بلکہ اہل سنت کے نزدیک کفر ہے۔ آیت میں تہذیب ادب اور قواعد مجالست کی تعلیم دی گئی ہے۔ فرقہ مواجب کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے۔ ابرار وصلحاء اور ائمہ وعلماء کی نصیحت وفرمان کو دل کے کانوں سے سننے کی طرف بھی ایک لطیف ہے۔ توہین کرنے والوں کو تہدید وتھدید بھی دی گئی ہے۔

toobaafoundation.com

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو منکر اسلام ہیں وہ پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے پروردگار

عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ط

کی طرف سے بھلائی (یعنی وحی) نازل کی جائے حالانکہ خدا اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○

کیونکہ خدا بڑے فضل والا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں مشابہت کفار سے منع کیا گیا تھا۔ اس آیت میں اس حکم کی علت بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو کفار کی کینہ توزی کی اطلاع دی گئی ہے تاکہ مسلمانوں کو کفار کی مشابہت سے قطعی نفرت پیدا ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ دیگر مشرکین جوں یا اہل کتاب ان میں سے کوئی نہیں چاہتا اور پسند نہیں کرتا کہ پروردگار کی طرف سے کوئی وحی یا علم دین یا نصرت و امداد تم پر نازل ہو (مشرکین عرب تو وحی کے قائل نہ تھے لیکن جہالت سے حسد کرتے اور صرف جلی سے کہتے کہ بنی ہاشم میں ایک پیغمبر ہو اور تمام عرب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہوں۔ ہم اس کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے (دیوبندی) پھنچا ابوجہل کہتا تھا کہ بنو ہاشم نے فضائل و محاسن حاصل کیے تھے۔ لیکن ہم نے بھی کوشش کی اور کافی جدوجہد سے جب ان کے درجہ پر پہنچے تو اب انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم میں ایک پیغمبر ہے۔ اب تم کیسے برابری کر سکتے ہو تو واللہ ہم اس کو ہرگز نہیں مانیں گے۔ باقی اہل کتاب ضرور بعثت رسول کے منتظر تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ بنی اسرائیل ہو گا کیونکہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں جو پیغمبر بھیجے چلی آئی ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ اس لیے وہ جانتے تھے کہ ہم میں سے ہی کوئی نبی ہو گا۔ جب اولاد اسمٰعیل میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کو حسد ہوا اور رشک سے سرتابی کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا اپنی رحمت سے جس شخص کو چاہتا ہے نوازتا ہے کیونکہ وہ بڑے فضل والا ہے۔ خاندانی وجاہت اور نسلی امتیاز کو فضل الٰہی میں کچھ دخل ہے۔ فضل خدا میراث نہیں۔ خدا تعالیٰ قادر مطلق اور حکیم ہے۔ اس کی حکمت و مشیت میں کسی کو دخل نہیں۔ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے سرفراز کرتا ہے۔

مقصود بیان کفار و مشرکین کو مسلمانوں سے دلی عناد ہے اور ان کو اسلام کے قواعد و ضوابط پر رشک ہوتا ہے۔ وحی ہو یا علم دین یا نصرت و امداد سب خداداد چیزیں ہیں۔ نبوت وہبی چیز ہے۔ کسب کو اس میں دخل نہیں۔ اتقاء و زہد اور ریاضت و عبادت سے نبوت حاصل نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ازل میں مقدر فرما دیا تھا کہ فلاں شخص پیغمبر ہو گا۔ اس میں داخل رسالت ہونے کی صلاحیت ہے۔ بے ادب لوگ اس قرب و ادب سے بے بہرہ ہیں اور اپنی جہالت نفس سے دھوکا کھا کر نبوت کو کسبی قرار دیتے ہیں۔

toobaafoundation.com

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ

ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اتار دیتے ہیں

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

کیا تم کو معلوم نہیں کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر یہاں سے خدا تعالیٰ یہود کے شکوک و شبہات کا جواب دیتا ہے جو وہ قرآن اور اسلام کے متعلق کرتے تھے اور اہل اسلام کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہے اور تمہاری شریعت الہامی ہے تو تورات کو منسوخ کرنے کے کیا معنی خدا تعالیٰ کے احکام ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔ اگر یہ شریعت وہ قرآن جناب اللہ سے تو احکام تورات وغیرہ کو اس نے کیوں منسوخ کیا اور پھر خود ہی اس شریعت کے بعض احکام کو ایک وقت نافذ کیا اور دوسرے وقت موقوف کیا۔ کیا خدا تعالیٰ کو جیسے اس حکم کی قباحت کا علم نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے ان شبہات کے ازالہ کے لیے آیت بالا نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں۔ یعنی جس کے حکم یا تلاوت یا حکم و تلاوت دونوں کو موقوف کرتے ہیں یا بالکل تمہارے ذہن سے اس کے الفاظ فراموش کر دیتے ہیں تو اس میں خاص حکمت و مصلحت مضمر ہوتی ہے۔ پہلی آیت سے زائد مفید آیت نازل کرتے ہیں اور یہ آیت خواہ میں بھی ہوتی آیت سے یا تو قوی تر ہوتی ہے یا اس کی مثل ہوتی ہے، لیکن خدا کو مصالح کے لحاظ سے جو کرنا چاہتا ہے کر سکتا ہے جب چاہتا ہے ایک حکم دیتا ہے پھر اپنی مشیت سے اس حکم کو بدل دیتا ہے اور ایسا حکم دیتا ہے جس میں ثواب کی کثرت، خواہش کی زیادتی اور مشقت کی سہولت ہوتی ہے یا مشقت میں پہلے حکم کی برابری ہوتا ہے۔ لیکن دقائق حکمت اور کمیل نفس کے اعتبار سے اکمل ہوتا ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے پہلے توریت نازل کی۔ پھر انجیل، پھر اس کے بعض احکام مثلاً جہاد، حرمت شراب وغیرہ کو منسوخ کیا۔ پھر قرآن سے بعض احکام بھی منسوخ کر دیئے اور قرآن میں سے بھی جس وقت جو حکم چاہا اپنی حکمت بالغہ اور مشیت کاملہ سے منسوخ فرما دیا۔ حاصل آیت یہ ہے کہ قرآن میں جو احکام آیات کی تلاوت منسوخ ہوئی یا آیت کا حکم صرف منسوخ ہوا اور تلاوت باقی رہی یا تلاوت و حکم دونوں منسوخ کر دیئے گئے یہ سب مصلحت پر مبنی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں اور زمانہ کی ضرورتوں کو بھی طرح جانتا ہے۔ جیسا وقت اور موقع دیکھتا ہے ویسا ہی حکم نازل کر دیتا ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔ کیونکہ اول تو قانون کی تنسیخ کا اختیار میں ہے کسی دوسرے شخص کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ دوسرے باقتضائے زمانہ حکم کا بدلنا تو ہر حکیم کے دور بین اور انتہائی دانا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو اپنی مخلوقات میں تصرف کرنے کا حق ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اس پر نکتہ چینی کر سکے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے سوا تمہارا

toobaafoundation.com

اللہ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝

نہ کوئی یار ہے نہ مددگار

تفسیر کیا تم کو نہیں معلوم کہ آسمان و زمین خدا ہی کا ہے۔ خدا ہی ان کا مالک و حاکم ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے تم کو اس پر گرفت کرنے اور نکتہ چینی کرنے کا کیا حق ہے۔ خدا تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہاری سہولت کے لیے تدریجاً اور نسخ و نسخ احکام نازل فرمائے۔ اگر وہ یکدم نازل فرما دیتا تو دشواری اور بار پڑ جاتا۔ لیکن خدا نے تمہاری سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا نہیں کیا۔ کیا تم نے خدا کے تمہارا کوئی دوست، مددگار نہیں۔ اگر وہ اپنی رحمت سے تدریجی احکام نازل فرماتا اور بعض احکام کو منسوخ نہ کرتا تو کون اس سے منسوخ کرا سکتا۔

ہدایت خاص امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ نسخ انہی آیات میں ہوا ہے جن سے امر و نہی یا کسی حکم کی حلت و حرمت کا اثبات ہوتا ہے ان کیفیات میں نسخ نہیں ہو سکتا جن میں توحید و روز مرہ عبادات، عمومی فضائل کا بیان، اخلاق کریمہ کی تعلیم، اخلاق ذمیمہ کی ممانعت، گذشتہ اقوام کی خبریں، آئندہ واقعات کی پیشین گوئی یا احوال آخرت وغیرہ کا اطلاع یا وعدہ و وعید کے مضامین ہیں۔

مقتضی سوال خدا کی مصلحتوں میں بندہ کو دخل نہ دینا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کا ہر حکم ہمارے فائدہ کے لیے ہوتا ہے۔ خدا کی کوئی ذاتی غرض اس سے وابستہ نہیں ہے۔ زمانہ کی ضروریات اور انسانوں کے انقلاب قابلیت کی وجہ سے نسخ ضروری چیز ہے۔ اگر ہر تمام احکام کا نزول انسان کو صعوبت میں ڈالنا اور فطرت بشری کی کمزوری میں اضافہ کرنا ہوتا۔ چونکہ تمام عالم خدا کا پیدا کیا ہوا ہے اس لیے وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور اس کی مصلحتوں کو کوئی جان نہیں سکتا اور نہ کسی کو جہالت سے نکتہ چینی کرنے کا حق ہے۔ وغیرہ

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ

کیا تم اپنے رسول سے بھی ویسے ہی (الٹے) سوالات کرنا چاہتے ہو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے ہو چکے ہیں

وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝

اور جس نے ایمان کے عوض کفر لیا تو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا

تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر آپ ہمارے دین کی طرح آسمان سے کتاب لائیں اور ہمارے لیے نہریں جاری کر دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ یعنی تم رسول سے ایسے فضول سوالات کرتے ہو جو حضرت موسیٰ سے کیے گئے تھے۔ اگر تم کو اپنے نبی کا معجزہ دیکھنا ہو تو ہم خدا کو دیکھنا چاہیں گے۔ تو ایمان نہ لائیں گے۔ اور ایسا سوال کرنا ایمان کے بدلے کفر خریدنا ہے۔

toobaafoundation.com

یہ درخواست کی تھی کہ اس کوہ صفا کو سونے کا بنا دیجئے۔ ارشاد فرمایا اچھا اگر شرط یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کے لیے آسمانی مائدہ نقد ویسے ہی یہ سونے کا پہاڑ تمہارے لیے ہوگا۔ قریش نے اس سے انکار کیا اور اپنی بات سے ٹوٹ گئے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کیا تم اپنے رسول سے بھی ویسے ہی سوال کرنے چاہتے ہو جیسے موسیٰ سے کیے گئے تھے کہ ہم کو کھلا خدا دکھلا دو یا ہمارے لیے پتھر سے نہریں نکال دو اور مجھوں کتاب لے آؤ۔ یہ تمہارے سوالات بیہودہ اور لغو ہیں۔ ایمان لانے اور نور معرفت حاصل کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ تمہارا ارادہ بھی یہی ہے کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ویسی ہی بیہودگی کرو جو قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارات نبوت اور دلائل معجزات اس بات کے واضح قطعی آیات و علامات ہیں کہ یہ شاہد محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق ہیں اور یہ واضح ایمان موجود ہے تو پھر تم کفر کو ایمان پر کیوں ترجیح دیتے ہو۔ جو شخص ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے گا وہ سیدھے سادے راستے سے سرتابی کرے گا اور گمراہ ہو جائے گا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا

باوجود یکہ حق اُن پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے دلی حسد کی وجہ سے بہت سے اہل کتاب دل سے خواہشمند ہیں کہ

حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا

تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی لوٹا کر تم کو کافر بنا دیں سو تم درگذر کرو

وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾

اور خیال میں بھی نہ لاؤ تاوقتیکہ خدا اپنا حکم دے بھیجے بلاشبہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔

تفسیر مکرر سے یہ روایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ جس بیہودہ اخلطب اور ابو یاسر بن اخطب یہودیوں کو سب سے زیادہ عرب پر حسد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کے نعت و کمال گذشتہ کتب میں مذکور ہیں، امیوں اور ناخواندوں میں سے مبعوث فرمایا ہے جہاں تک ممکن تھا یہ یہود عرب کو اسلام سے بہکاتے تھے۔ انہی کے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ معالم التنزیل میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ایک قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں نے حضور کی نافرمانی کی نیز کی وجہ سے شکست پائی تو یہودیوں نے حضرت حذیفہ اور حضرت عمار کو یہ کہا تھا شروع کیا اور کہنے لگے کہ اگر تم دین پر حق پر ہوتے تو کبھی شکست کھاتے۔ سب اگر تم جناب دین کی طرف رجوع کرو گے تو زیادہ ہدایت پاؤ گے۔ حضرت عمار بن یاسر نے جواب دیا کہ تم لوگ واقف ہو کر جان بوجھ کر یہ کہتے ہو۔ یہود بولے ہم نے اپنا عہد توڑنے کا بڑا گناہ ہے۔ حضرت عمار نے فرمایا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں تیرے دین اسلام پر قائم رہوں گا اور تیرے رسول برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پھروں گا۔ لیکن تم لوگ بد عہد ہو کر معاہدہ توریت کو توڑ بیٹھے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا میں تو اس بات پر راضی ہو چکا کہ خدا تعالیٰ میرا رب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر ہیں۔ اسلام میرا

toobaafoundation.com

دین ہے۔ قرآن میرا پیشوا ہے۔ کعبہ میرا قبلہ ہے۔ مومنین میرے بھائی ہیں اور کفار دیر سے دشمنی ہیں۔ اس کے بعد ہرہ حضرت حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کر دیا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ارشاد الٰہی کا حاصل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اگرچہ قرآن اور رسولؐ کی حقانیت بالکل واضح طور پر معلوم ہو گئی۔ بنی اسرائیل کو ثابت ہو گیا کہ تورات، انجیل اور دیگر کتب انبیاء میں خاتم النبیین کے جو خدوخال وصفات بیان کئے گئے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے دلوں میں حسد اور کینہ جمع ہے اُن کی سرشت میں داخل ہے اس لیے باوجود انکشاف حق کے یہی چاہتے ہیں کہ تم کو بھی دوبارہ کفر کی طرف پھیر دیں اور جیسے خود ہیں ویسا ہی تم کو بھی کر دیں۔ تم ان کے حسد کے مقابلہ میں حتی الامکان اُن سے درگذر کرو انتظامی تساہل نہ اختیار کرو۔ یہاں تک کہ خدا ان کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہ کر دے اور تم کو کوئی خاص حکم نہ دیدے اور یہ سمجھ لو کہ اُن کی یہ سرکشی اور اغواء ہمیشہ جاری رہے گی اور خدا ان کو سزا نہ دے گا خدا اُن کو حشر و سزا دے آخرت میں سزا دے گا۔ کیونکہ خدا صاحب کم کر سکتا ہے (اس آیت میں بھی قطعی فیصلہ کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا بیان آیت جہاد میں گزر گیا ہے۔ جس کی تعمیل میں صحابہ نے کچھ یہودیوں کو قتل کیا اور کچھ کو جلا وطن کر کے ملک شام کی طرف نکال دیا)۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ

اور حکم ٹھیک ٹھیک پڑھو اور زکوٰۃ دو اور جو بھلائی آگے سے اپنے لیے بھیجو گے اللہ کے

تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

ہاں اُس کو پاؤ گے بیشک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

تفسیر یہ آیت گزشتہ آیت کا تتمہ ہے۔ پہلی آیت میں عفو و درگذر کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ بھی ارشاد کیا گیا تھا کہ تم کسی اضافہ کرنے والے کے مقابلہ میں ناکام، ایمان پر ثابت قدم رہو لیکن پھر یہ شبہ ہوتا تھا کہ جب انتقام کی ممانعت ہے اور عفو و درگذر کا حکم ہے تو دشمنوں سے عرض لینے کی اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ تو اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ دشمنوں کے لیے مذبذب بلکہ اپنی روح کو روشن کرنے کی فکر کرو۔ جیسا تمہیں بیس رہتے ہیں نماز عبادت نماز ہے۔ تم پر یہودی بھی ساتھ اس کو ادا کرتے تھے اور عالی عبادت سے بھی ذائل ہو جو زکوٰۃ ادا کرو (تاکہ آپس میں مساوات و اتحاد کا مظاہرہ ہو اور دشمن خود تمہاری قوت اللہ تمہاری طرف سے بھی ہو کر کہ بہت حوصلہ ہار جائیں) اس کے علاوہ جو نیکی تم کرو گے خواہ مخلوق خدا کے ساتھ نیک سلوک ہو یا فرائض الٰہی کی ادائیگی ہو وہ جمع ہو جائے گا۔ مرنے کے بعد سب کی جزاء تم کو آخرت میں خدا کی طرف سے ملے گی۔ تمہارے کسی عمل کی جزاء سے خدا غافل نہیں ہے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ کی خدا تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

مقصود بیان بنی اسرائیل کی کینہ توزی اور حسد باطنی کا اظہار رسول، اطہار اور قرآن کی گزشتہ بشارات سے معرفت کا بیان، عفو و درگذر کا حکم، انتقام کی ممانعت، خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی تصریح، فرائض بدنی و مالی ادا کرنے کا امر، مساوات عام اور اخوت اسلامی کی تکمیل کی طرف لطیف اشارہ، محسن سلوک اور عمل خیر کی تلقین اور جزاء و ثواب کا یقینی وعدہ وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ

اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ سوائے اُن لوگوں کے جو یہودی یا نصرانی ہیں اور کوئی جنت میں ہرگز نہ جائے گا یہ اُن کی

أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ

من مانی آرزوئیں ہیں کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو بات تو یہ ہے کہ جس

أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ

نے اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس موجود ہے ایسے لوگوں کو نہ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

(عذاب کا) ڈر ہے اور نہ (گذشتہ زندگی کا) غم ہے

تفسیر اس سے پہلی آیات میں یہود کی حسد پردری اور ہٹ دھرمی کا بیان تھا یہاں اُن کی اغوا پردازی کی تمثیل کی جاتی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل مسلمانوں کو اسلام پر کامل چین کر کے تو مرتد بنانا ہی چاہتے ہیں اور اس کی تائید میں یہ بھی کہتے ہیں کہ جنت ہمارا ہی حصہ ہے۔ تم کتنی ہی عبادت کرو کتنے ہی نماز پرست بن جاؤ لیکن نجات سے محروم ہو۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں جنت کے ٹھیکیدار ہیں ہمارے سوا کسی کو سعادت اخروی حاصل نہیں ہو سکتی اور نجران کے عیسائیوں کا قول ہے کہ جنت ابدی اور جنت حقیقی پر ہمارا حق ہے۔ کسی مذہب والے کو روح کا اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یہ اُن کی خام خیالی ہے (اگر نجات صرف یہودیت یا عیسائیت میں منحصر ہو تو گذشتہ انبیاء اور اُن کی اُمتیں کہاں جائیں گی) تم اُن سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ثبوت پیش کرو کوئی عقلی یا نقلی دلیل بیان کرو۔ تعالیٰ کے نزدیک ہر ان سے گواہ، ادیب اور ریسرچ کرنے والے اور سند کے قول کے موافق دلیل و حجت عنایت ہے۔ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ اپنی مخلصانہ دعوی نفسانیت پر مبنی ہے۔ جنت میں اور کوئی کیوں نہیں داخل ہو سکتا جس شخص کو خدا چاہے گا سعادت اخروی نصیب کرے گا۔ تم خدا کے فضل و رحمت کے ٹھیکیدار کیسے ہو سکتے ہو۔ کیونکہ عام ضابطہ ہے کہ جو شخص توحید و صداقت الٰہی پر ایمان رکھتا ہو شریعت الٰہی پر اس نے عمل کیا ہو اور خدائی پرستش اس طرح کی ہو کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم خدا اس کو دیکھ رہا ہے یعنی خلوص دل سے وہ عبادت الٰہی میں سرگرم ہو اور خدا کو حاضر سمجھتا ہو مطلب یہ کہ خالص اور پکے مسلمان ہو تو ایسے شخص کو خدا ضرور اجر عطا فرمائے گا اور سعادت اخروی سے سرفراز فرمائے گا پھر نہ تو اس کو عذاب الٰہی کا خوف ہوگا نہ فکر کرنے کا غم۔

مقصد و بیان فضل الٰہی کا کوئی ٹھیکیدار نہیں۔ بلکہ جو سچے دل سے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر خدا کی پرستش کرے وہی ناجی ہے

toobaafoundation.com

بلا ثبوت خام خیالی کے ساتھ کسی عقیدہ کو جما لینا یا بلا دلیل اپنے اختراع سے کوئی فیصلہ شرعی صادر کرنا جائز ہے۔ ہر حکم شرعی کے لیے کوئی ثبوت شرعی ہونا ضروری ہے۔ وغیرہ

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ

اور یہودی تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی ٹھیک مذہب پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی ٹھیک مذہب

الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا

پر نہیں ہیں حالانکہ یہ سب (اللہ کی) کتاب پڑھتے ہیں اُن کی سی باتیں جاہل (بُت پرست) بھی

يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

کہتے چلے آئے ہیں سو اللہ قیامت کے دن ان کے جھگڑے کا

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

خود فیصلہ کر دے گا

تفسیر علامہ سیوطی نے اس آیت کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہودیوں کے بڑے بڑے عالم بھی حاضر ہوئے۔ علمائے یہود میں سے رافع بن حریملہ یہودی نے خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب انجیل کا انکار کیا اور حضرت عیسیٰ کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے اور صاف کہہ دیا کہ عیسائیو تمہارا تو کچھ بھی مذہب نہیں ہے۔ اس پر عیسائیوں میں سے ایک شخص نے تورات کے آسمانی کتاب ہونے سے انکار کیا اور حضرت موسیٰ کی شان میں بے ادبی کی اور نہ سہ یہود کو لقمہ بیہودہ بنایا اُس وقت یہ پوری آیت یَخْتَلِفُوْنَ تک نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہودی تو عیسائیوں کو بدراہ بتاتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے اور عیسائی یہودیوں کو بدداہ کہتے ہیں اور حضرت موسیٰؑ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ حالانکہ ہر ایک فرقہ اپنی اپنی کتاب پڑھتا ہے۔ یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں آئندہ آنے والے روح القدس کی تصدیق موجود ہے اور عیسائی انجیل پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے اور اگر احکام توریت اُن پر لازم ہیں لیکن محض نفسانیت سے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ اور اہل کتاب ہی پر کیا منحصر ہے۔ یہ خیالات کچھ انہی میں نہیں ہیں بلکہ اس سے پیشتر عرب کے بت پرست اور ایران کے مجوسی جن کو آسمانی کتاب کا علم نہ تھا اور نہ وہ اہل کتاب تھے وہ بھی اسی خام خیالی میں مبتلا تھے اور اپنے عقائد و اعمال ہی کو حق کہتے تھے۔ حالانکہ اُن کی گمراہی تمام الہامی مذہب دیکھنے والوں کے نزدیک تسلیم شدہ امر ہے۔ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ لہٰذا خدا تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کا فیصلہ کرے گا

toobaafoundation.com

اور اختلافی مسائل کا تصفیہ کرے گا اور دکھا دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر، کون مستحق نجات ہے اور کون مستحق عذاب۔

مقصود بیان ہر فرقہ ملت والا برخود غلط بنا ہوا نجات کا ٹھیکیدار ہے۔ یہودی عیسائیوں کو اور عیسائی یہودیوں کو گمراہ کہتے ہیں۔ توریت میں حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق اور انجیل میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے۔ جو لوگ علم دین نہ رکھتے ہوں اور الہامی کتاب اُن کے پاس نہ ہو وہ درحقیقت جاہل ہیں اگرچہ دنیوی علوم میں زبردست ماہر ہوں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ انصاف کرے گا۔ کسی کی حق تلفی نہیں کرے گا۔ وغیرہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ

اور اُن سے زیادہ ناحق کرش کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اُس کا نام لینے سے روکتے اور اُن کے اُجڑ جانے

خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ

کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ خود اس قابل نہ تھے کہ مسجدوں میں بے باک ہو کر گھستے خصوصیت کے

فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

ساتھ اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی اُن کے لیے بڑا عذاب ہوگا

تفسیر اس آیت کا حکم اگرچہ عام ہے۔ ہر وہ شخص جو مسجد میں ذکر خدا کرنے سے منع کرے اور مسجد کو ویران کرنے کی کوشش کرے اس حکم کے ذیل میں داخل ہے۔ لیکن شانِ نزول کے اعتبار سے مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ، سعید بن ابی جبیر، سدی اور ابن جریر وغیرہ کے قول کے موافق تو آیت مذکورہ میں اُن عیسائیوں کی صنیع و تشنیع کی گئی ہے جنھوں نے بخت نصر کی مدد سے بیت المقدس میں کوڑا ڈالا۔ مقام صخرہ میں سؤر ذبح کئے، یروشلم کو تباہ کیا، یہودیوں کو قتل کیا اور بیت المقدس کو خراب کیا۔ لیکن عبدالرحمٰن بن زید، سعید بن جبیر اور ابن کثیر وغیرہ کے تصریح کی ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ سنہ ۶ ماہ ذیقعدہ کے پہلے ہفتہ کو پیر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کے مدینہ سے روانہ ہوئے اور مکہ میں پہنچ کر عمرہ کرنا چاہا۔ لیکن مشرکوں نے حضورؐ کو عمرہ نہ کرنے دیا۔ حضورؐ نے فرمایا اس بیت العتیق سے تو کسی کو روکا نہیں جاتا ہے پھر تم مجھ کو کیوں روکتے ہو؟ مشرکین کہنے لگے کہ ہم ایسے لوگوں کو نہیں آنے دیں گے جنھوں نے بدر کے روز ہمارے باپ، چچا اور بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ گویا انھوں نے مسجد حرام کو ویران کرنے کی کوشش کی اور ذکر خدا سے مسلمانوں کو روکا۔ میرے نزدیک یہی آخری شانِ نزول زیادہ صحیح ہے۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح دیگر مشرکین عرب بھی مسلمانوں سے دلی عداوت رکھتے ہیں اور ظلم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ فریضہ خدا پرستی سے روکتے ہیں۔ مسجد حرام، مسجد ابوبکر اور کعبہ کے اطراف میں مسلمانوں نے عبادت کے لیے جو مقامات مخصوص کر لیے تھے ان میں خدا کا نام لینے نہیں دیتے اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ان مساجد کو

toobaafoundation.com

برباد کرنے بے رونق بنانے اور تباہ و ویران کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کو خود ان مقامات مقدسہ میں انتہائی ادب اللہ خوف رکھنا چاہیے تھا اس کے برخلاف یہ ایسے متبرک مقامات میں گوزاگندگی اور مرے ہوئے جانوروں کی انتڑیاں ڈالتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو اور اُن کے مددگاروں کو دنیا میں بھی رُسوائی اور فضیحت نصیب ہوگی اور آخرت میں تو ان کے لیے ایک زبردست عذاب الٰہی موجود ہی ہے۔

مقصودِ بیان مساجد کے احترام و ادب کی تعلیم، فریضۂ مذہبی کی ادائیگی کی ممانعت پر کرنے کا حکم، مساجد و معابد کو تباہ و برباد کرنے کی ممانعت، بالآخر خدا پرستوں کے غالب آجانے کی پیشین گوئی۔ دنیا میں ظالموں کے رُسوا ہونے اور آخرت میں عذابِ عظیم میں مبتلا ہونے کی تصریح، لطیف پیرایہ میں ترغیب و ترہیب، یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر مشرکوں کے دعویٰ حقانیت کی تردید، ظلم کی ممانعت، ذکرِ خدا سے روکنے کو ظلمِ اعظم قرار دینا وغیرہ۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

پورب پچھم تو اللہ ہی کا ہے جس طرف تُم کرو اُس طرف اللہ ہی کا مُنہ ہے یقیناً اللہ فراخ رحمت والا باخبر ہے

تفسیر اس آیت کی شانِ نزول تین طرح بیان کی گئی ہے:-

(۱) حضرت ربیعہ اور عبداللہ بن عامر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار مسلمان کسی سفر جہاد میں تھے۔ شب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن تاریکی کی وجہ سے قبلہ کی سمت محسوس نہ ہوئی۔ ہر چند کوشش کی مگر قبلہ کا صحیح سمت معلوم نہ ہو سکا۔ آخر کار سب نے اپنے اپنے خیال اور غالب گمان کے اعتبار سے جدھر قبلہ سمجھا اسی طرف کو رُخ کر کے نماز پڑھ لی۔ صبح کو حضورؐ والا کی خدمت میں یہ قصہ عرض کر دیا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ جب رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی سمت ترک کر کے کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو یہودی طعن کیا۔ اس کی تردید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

(۳) بعض مفسرین نے شانِ نزول میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار مدینہ منورہ سے آرہے تھے اور سواری پر ہی بیٹھے ہوئے نوافل کی نیت باندھ رکھی تھی۔ اونٹنی جدھر جاتی تھی رُخ کر کے چل دیتی تھی اور قبلہ کی طرف رُخ برابر نہ رہتا تھا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اوّل شانِ نزول کی بنا پر حاصلِ مطلب یہ ہے کہ قبلہ کی جانب نماز کی حالت میں رُخ کرنا فرض بیشک ہے، لیکن یہ امر تعبدی ہے مقصد تو اللہ کو سجدہ کرنا ہے۔ اس لیے اگر کسی تاریکی وغیرہ کے عذر سے قبلہ کی صحیح سمت نہ معلوم ہو سکے تو جدھر کو بھی منہ کر کے اللہ کو سجدہ کرو گے تمہارا سجدہ ہو جائے گا۔ کیونکہ قبلہ تو ایک جانب ہے اور اللہ ہر طرف ہے۔ کسی خاص سمت میں محدود نہیں ہے۔ البتہ جہاں قبلہ کی سمت معلوم ہو سکے وہاں پہلے حکم کی تعمیل کی بنا پر ضرور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔

متوسط الذکر شانِ نزول کی بنا پر یہ مطلب ہوگا کہ مشرق و مغرب یعنی تمام عالم خدا کا بنایا ہوا اور اسی کی ملک ہے۔ کسی کو اس کی خلاف

toobaafoundation.com

اور ملک کے احکام میں کیا دخل ہے۔ جدھر چاہتا ہے اُدھر کو رُخ کر کے اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے۔ اس کے واسطے کوئی جہت مخصوص نہیں۔ ہر طرف اسی کی جلوہ پاشی ہے اور پھر اس کا دائرۂ ظہور اور وسعتِ علمی بھی لامحدود ہے۔ جدھر کو مُنہ کر کے عبادت کی جائے اُدھر الٰہی کا ظہور ہے اور اس کو علم ہے پہلے بیت المقدس قبلۂ نماز تھا۔ اب اُس نے کعبہ کی طرف رُخ کر کے اپنی پرستش کا حکم دے دیا کیونکہ وہ ہر طرف ہے۔

مؤخر الذکر صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ چونکہ معبودِ برحق کسی خاص حد اور معیّن جہت میں محدود نہیں اس لیے اگر سواری پر غیر سمت کو بھی منہ کر کے نوافل پڑھ لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

میرے نزدیک بہتر مطلب آیت کا یہ ہو سکتا ہے کہ جو ہر شقوق کو جامع ہے کہ تمام عالم خدا کا بنایا ہوا ہے۔ ہر جگہ خدا تعالیٰ کو سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ تمام زمین محلِ سجدہ ہے۔ لہٰذا جس جگہ (قبلہ کی طرف رُخ کر کے) نماز ادا کرو گے وہ خدا ہی کے واسطے ہوگی۔ کیونکہ اس کی جلوہ ریزیاں کہیں محدود نہیں ہیں اور نہ اُس کی نور پاشیوں کا دائرہ تنگ ہے، نہ اس کی وسعتِ علمی سے کوئی چیز خارج ہے۔ لہٰذا شرق میں ہو یا غرب میں، جنوب میں ہو یا شمال میں، کُھلے میدان میں ہو یا تنگ و تاریک حجرے میں بہر حال اُسی کے لیے سجدہ ہوگا اور اس کو ضرور اس کا علم ہوگا۔

مقصودِ بیان تمام عالم خدا کی ملک ہے۔ اس کی پرتو افگنی سے کوئی ذرّہ خالی نہیں۔ خدا جسم و جسمانیت سے بے منزّہ ہے۔ اس کی کوئی مخصوص جہت اور محدود سمت نہیں۔ اس کا دائرۂ علم وسیع ہے اور رضا ریزی احاطۂ حصر سے خارج ہے۔ تمام دنیا اُسی کا پرتو ہے۔ زمین پر ہر جگہ نماز جائز ہے۔ قبلہ مسجود نہیں بلکہ قبلہ نما ہے۔ درحقیقت مسجود لامحدود ہے۔ وغیرہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ

اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے حالانکہ وہ پاک ذات ہے البتہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اُسی کا ہی سب اسی

قٰنِتُوْنَ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

کے تابعدار ہیں وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اسکی نسبت صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے

تفسیر وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت الوہیت اور صفاتِ کمالیہ کا اعتقاد بندوں پر فرض کیا ہے۔ اہلِ کمال اپنے نورِ معرفت سے پہچانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تمام صفاتِ کمال سے موصوف ہے۔ نہ وہ کسی مخلوق سے مشابہ ہے نہ کوئی مخلوق اس سے مشابہت رکھتی ہے۔ خدائے قدوس جسم، جہت، شکل صورت، مکان، زمان، کیف، کم، جوہر، عرض سے پاک ہے اور ہر اُس چیز سے منزّہ ہے جو مخلوق ہے یا مخلوق کے تصوّر، خیال، قیاس اور وہم میں آسکتی ہے۔ اس لیے گذشتہ آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی مخصوص جہت نہیں، لہٰذا جس شخص کا اس پر ایمان ہے وہ تو مومن ہے اور جو اس راستہ سے بھٹکا اور کجروی اختیار کی تو اُس کا ایمان اپنے تصوّرات اور ماثی تراشیدہ صورتوں پر ہے جو کچھ اس کے تصوّر میں قائم ہوا اُسی کو اُس نے اپنا خدا بنا لیا۔ مؤخر الذکر فرقے تین تھے۔ عیسائی تو حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ یہودی عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے اور ان کے دیکھا دیکھی عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ان تینوں فرقوں کا رد ان آیات میں کیا گیا ہے اور رد کے واسطے پانچ دلائل بیان کیے گئے ہیں پہلی دلیل

toobaafoundation.com

لفظ سُبْحٰنَهٗ سے دوسری دلیل لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے۔ تیسری دلیل كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ سے۔ چوتھی دلیل بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے اور پانچویں دلیل آیت کے آخر ٹکڑے سے مستنبط ہوتی ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ ہم ذیل میں لکھیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹا بنا رکھا ہے۔ حالانکہ یہ بات ان کی بے ادبی، گستاخی اور بدتہذیبی پر دلالت کرتی ہے اور سراسر افترا و بہتان ہے۔ کیونکہ سُبْحٰنَهٗ خدا تعالیٰ ان بہتان تراشیوں اور بے ادبیوں سے پاک ہے۔ بیٹا باپ کے ضرور مشابہ اور متجانس ہوتا ہے اور خدا کے ساتھ متجانست و مشابہت نہ عزیر کو تھی نہ مسیح کو نہ فرشتوں کو۔ پھر کس طرح ان کو اس کی اولاد قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ سب مخلوق اور مجبور، وہ خالق مختار۔ یہ سب اپنے جدوں میں محتاج۔ وہ موجد قادر مطلق۔ پھر کس طرح ان کی خدا سے مشابہت ہوسکتی ہے۔ بَلْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ دوسری دلیل ہے یعنی آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کی مخلوق و مملوک ہے۔ خالق و مخلوق اور مالک و مملوک میں والد و ولد کے تعلقات کس طرح ہوسکتے ہیں۔ بیٹا باپ کے ساتھ نوعیت میں حصہ دار ہوتا ہے اور مخلوق خالق کے ساتھ اشتراک رکھ نہیں سکتی۔ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ یہ یعنی آسمان و زمین اور ان کی تمام کائنات اس کی مطیع و فرمانبردار حکم کی تابع اور خشوع و خضوع کے ساتھ حلقہ بگوش ہے کوئی اس سے انحراف نہیں کرسکتا۔ کوئی اس کے فرمان سے سرتابی و گردن کشی نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی خدا کا بیٹا ہوتا تو حلقہ بگوش نہ ہوتا۔ کیونکہ اس میں بھی خدائی کا جزء ہوتا جو استغناء اور استقلال کا موجب ہے۔ لیکن بجائے استقلال و استغنا کے سب اسی کے مطیع ہیں اس کی تقدیر سے کوئی خارج نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہوا کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ اس کی نظیر ہے نہ شبیہ نہ مثل نہ مانند۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ چوتھی دلیل ہے یعنی خدا نے تمام عالم کو عدم سے وجود کا جامہ پہنایا۔ نہ کوئی مادہ و صورت پہلے سے موجود تھا کہ اس نے ان دونوں میں صرف ارتباط پیدا کردیا ہو۔ نہ زمانہ اور کیف تھا کہ صرف کیفیت بدل دی ہو بلکہ تکوین و ضعف سے بالاتر وہ موجدِ عالم ہے بغیر کسی تشبیہ و تمثیل کے اس نے عالم کو بنایا ہے۔ نہ اس کا کوئی جزء ہے نہ بیٹا کیونکہ بیٹا باپ کے مادہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب عالمِ عدم سے وجود میں بغیر کسی قدیم مادہ کے آیا تو پھر اس میں کوئی شخص کس طرح خدا کا بیٹا ہوسکتا ہے وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ یہ پانچویں دلیل ہے یعنی ولد کی پیدائش تو رفتہ رفتہ تدریجاً مختلف تبدیلیاں اور تغیرات ہونے کے بعد مختلف اوقات میں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ نیز بیٹے کی پیدائش اور ضروریاتِ پیدائش کی تکمیل باپ کے اختیار سے بھی خارج ہوتی ہے۔ لیکن خدا قادرِ مطلق اور موجدِ کامل ہے۔ جب ارادۂ الٰہیہ کسی چیز کی ایجاد سے متعلق ہوتا ہے اور وہ کسی کو عالمِ ہستی میں لانا چاہتا ہے تو فوراً بغیر کسی توقف اور تدریجی تکمیل کے وہ چیز پیدا ہوجاتی ہے۔ پھر کس طرح کوئی اس کا بیٹا یا وہ کسی کا باپ ہوسکتا ہے۔

مقصودِ بیان

خدا تعالیٰ زمان و مکان حسیت چگونگی تغیر تبدل کم کیف احتیاج اور انتقاد وغیرہ سے پاک ہے۔ دنیا کا وہ خالق ہے۔ عالم اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے۔ عدم محض سے عالم کو ہست کیا۔ سب اس کے قولی فعلی اور دائمی فرمانبردار مطیع و منقاد ہیں۔ کوئی سرتابی نہیں کرسکتا۔ اس کی تقدیر کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔ ارادۂ الٰہی کے ساتھ فوراً اشیاء کا وجود ہوتا ہے نہ وہاں زمانہ لگتا ہے نہ آلہ نہ مشقت نہ سکنڈ وغیرہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ

اور جاہل کہتے ہیں خدا خود ہم سے کیوں نہیں کہہ دیتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی اس طرح

toobaafoundation.com

قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ

اُن سے پہلے کے لوگ کہا کرتے تھے اُن کا سا قول ان سب کے دل ایک ہی سے ہیں ہم تو یقین

بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

کرنے والوں کے لیے نشانیاں کھول کر بیان کر چکے ہیں

تفسیر حضرت ابن عباسؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ رافع بن حرملہ یہودی نے حضور دعالا کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ رسول ہیں تو خدا ہم سے کہہ دے تاکہ ہم سن لیں یا کوئی کھلی ہوئی نشانی ظاہر ہو جس سے ہم کو شناخت ہو جائے اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (محمد بن اسحاق)۔ مجاہد کہتے ہیں یہ نصرانیوں کی گفتگو تھی۔ ابن جریر نے سیاق کا لحاظ کرتے ہوئے اسی کو پسند کیا ہے۔ ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سدی قائل ہیں کہ یہ کفار عرب کا قول تھا۔ ابن کثیر اور سیوطی کا یہی مختار ہے۔ بہرحال حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نورِ ایمان سے بے بہرہ ہیں، معرفتِ الٰہی سے ناآشنا ہیں، حقیقتِ رسالت کا ان کو علم نہیں۔ ازلاً کور بصیرت ہیں۔ باوجود کھلے ہوئے معجزات اور واضح آیات کے یہی کہتے ہیں کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کی رسالت کا اظہار خدا ہم سے کیوں نہیں کر دیتا۔ ہم سے دوبدو گفتگو کرنا چاہیئے یا کوئی ایسی کھلی ہوئی نشانی ظاہر ہو جانی چاہیئے جس سے ہم کو شبہ باقی نہ رہے اور ہم کو سحر کا احتمال بھی نہ رہے۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تم کو ان کے قول کی طرف کوئی خاص التفات نہ کرنی چاہیے۔ نہ کوئی مخصوص اثر لینا چاہیئے۔ کیونکہ اگلے انبیاء کی قومیں بھی ایسی ہی باتیں کر چکی ہیں۔ انھوں نے بھی اپنے پیغمبروں سے یونہی سرکشی اور کفر کیا تھا اور خدا سے ہم کلام ہونے کی خواستگاری کی تھی۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ان سب کے دل ایک طرح کے ہیں۔ یہ کفار عرب اور یہود و نصاریٰ سب گمراہی میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ کفر و عناد، سرکشی و گمراہی اور ہٹ دھرمی سب کا شیوہ ہے۔ ان کے دل ٹیڑھے ہیں، کسی معجزہ پر ایمان نہیں لائیں گے ورنہ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ایمانِ فطری اور معرفتِ جبلی رکھنے والوں کے لیے تو ہم نے کھلے کھلے معجزات و آیات ظاہر کر دیئے ہیں جو اُن کی یقین افزائی اور بصیرت افروزی کے لیے کافی ہیں۔ لیکن جو لوگ نظرۃ کور دماغ رکھتے ہیں، جن کی آنکھوں پر گمراہی کے پردے پڑے ہیں، ان کی سمجھ میں کیا آسکتا ہے۔ جب تمہارا کلام نہیں سمجھ سکتے احساس کو سحر پر محمول کرتے ہیں تو پھر ہمارا خطاب کیونکر سن سکتے ہیں اور بشیر مجاہدہ کا مرتبہ لیے ہوئے مشاہدہ کے درجہ پر کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔

مقصود بیان جو لوگ الاشقی ہیں، جن کے دلوں پر گمراہی کے قفل لگے ہیں، اور آنکھوں پر جہالت کے پردے پڑے ہیں اور کان استماعِ حق سے بہرے ہیں اُن کے لیے تمام ہدایات بے سود ہیں۔ نہ ان کو نبی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ ولی سے نہ قرآن سے نہ معجزہ اور کرامت سے۔ ہاں جو لوگ سعید روحیں رکھتے ہیں چراغِ ایمان سے ان کی روحیں روشن ہیں ان کے لیے معمولی ہدایت بھی کافی ہے۔ تمام کفار نفسِ کفر و عناد میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ فرق صرف مراتب کا ہے۔ کسی کا کفر

toobaafoundation.com

کم ہے کسی کا نائب۔

اس سے آئندہ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ آپ کسی کو ہدایت یاب کرنے کے ذمہ دار نہیں۔ نہ آپ سے یہ دریافت کیا جائے گا کہ یہ شخص دوزخی کیوں رہا۔ ہدایت یاب کرنا یا گمراہ چھوڑ دینا تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جو سر مشتِ گمراہ ہیں ان کو کون ہدایت کر سکتا ہے۔ اندھے کو چراغ سے کیا فائدہ۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝

ہم نے بلاشبہ تم کو حقانیت کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور تم سے دوزخیوں کی کچھ باز پرس نہ ہوگی

تفسیر یعنی ہم نے تم کو ہدایت و قرآن دے کر بھیجا تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو جنت کی خوشخبری دو اور دوزخ سے ڈراؤ جو لوگ حاملانِ ایمان ہیں جن کے دماغ شک و وہم کی کثافت سے پاک ہیں اور جن کی ردھیں یقین کی حلاوت سے آشنا ہیں اور اعمالِ نیک میں اُن کو خوشنودیٔ الٰہی کی بشارت سنو اور جو لوگ تاریک دماغ رکھتے ہیں، اختراعی شکوک اور بے بنیاد اوہام میں مبتلا ہیں۔ ایمان و یقین کا جگمگا تا ستارہ اُن کے سیاہ دلوں پر پرتو افگن نہیں ہوا۔ جن کے علمی و عملی قویٰ ناقص ہیں ان کو عذابِ الٰہی سے خوف دلاؤ۔ ابن عباسؓ کے نزدیک حق سے مراد قرآن ہے اور سیوطی نے حق سے ہدایت مراد لی ہے۔ یعنی قرآن و حدیث وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ یعنی تم سے یہ دریافت نہ کیا جائے گا کہ یہ لوگ دوزخی کیوں ہوئے۔ تمہارا کام صرف پیغامِ الٰہی پہنچا دینا ہے مانعا و ماننا بندوں کا کام ہے۔ اس کا حساب خدا تعالیٰ خود کرے گا آپ اس بات کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ راہ راست۔ دکھا دینے کے بعد منزلِ مقصود تک پہنچا بھی دیں۔ آپ صرف راستہ اور راہبر ہیں نہ کہ موصل اور کامیاب کن۔ یہ کام صرف خدا کا ہے۔ واللہ الہادی و بیدہ ازمۃ المقاصد والمبادی۔

مقصودِ بیان نورِ ایمان سے متنور کرنا یا کفر کی تاریکی میں چھوڑ دینا خدا تعالیٰ کے مخصوص قیمۃ قدرت میں ہے کسی انسان کو اس میں دخل نہیں ہے۔ نہ نبی کو نہ ولی کو نہ مقرب فرشتہ کو۔ پیغمبر کا کام صرف رہنمائی ہے۔ حضور اقدس کو خدا تعالیٰ نے نیک لوگوں کو خوشخبری سنانے اور بد اطوار اشخاص کو دردناک سزا سے ڈرانے کو قرآن دے کر بھیجا اور فرمادیا کہ جو اس قانونِ الٰہی کی پابندی کرے گا وہ رحمتِ الٰہی سے سرفراز ہوگا اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ عذاب میں گرفتار ہوگا۔ وغیرہ

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ

تم سے یہودی اور نہ عیسائی اُس وقت تک ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک تم اُن کا دین نہ اختیار کر لو گے اے محمد کہہ دو کہ

هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي

درحقیقت اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور اگر تم آپکے کے بعد بھی تم ان کی نفسانی خواہشات پر چلے

toobaafoundation.com

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○

تو تم کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے والا) نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار ہوگا

تفسیر گزشتہ آیت میں بتایا تھا کہ جو نورِ ایمان سے بے بہرہ ہیں اُن کے لیے کوئی معجزہ مفید نہیں۔ اب یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ کتاب حق یعنی توریت و انجیل کی تعظیم و پابندی کرتے ہیں ان کو تو تورات و انجیل کی بشارت ہی کافی ہے اور رسول کا ہر معجزہ اُن کے لیے باعثِ طمانیت ہے۔ باقی وہ لوگ جو تورات و انجیل کے احکام کی ہی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ہوائے ہوس کے پابند ہیں اُن کے لیے معجزات بھی بیکار ہیں وہ اپنی خیالی باتوں سے نہیں ہٹیں گے۔

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ یہ آیات و معجزات اس لیے نہیں ہیں کہ یہ لوگ ان کو دیکھنے کے بعد راہِ حق کی طرف رجوع کرلیں گے کیونکہ ان گمراہانِ ازلی کا مقصود صرف تعنت و عناد ہے۔ راہِ حق پہ آنا ہی یہ نہیں چاہتے۔ انھوں نے جو ٹیڑھا راستہ اپنے باطل خیالات کے موافق اختیار کر رکھا ہے اُس سے ایک انچ نہیں ہٹ سکتے۔ لہٰذا اگر اس گمراہی اور کجروی میں تم ان کی موافقت کروگے تو راضی ہوں گے ورنہ ان کی خوشنودی اور رضامندی قطعاً ناممکن ہے۔ خلاصہ یہ کہ آپ ایسی چیزوں کی خواہش چھوڑ دیجیے جس سے یہ لوگ موافق ہو کر راضی ہو جائیں بلکہ رضائے الٰہی کی جستجو کیجیے اور جو پیغامِ رسالت آپ کو دیا گیا ہے وہ پہنچا دیجیے (ابن جریر) قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى اور ان سے کہہ دیجیے کہ جس ہدایت و حق پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے یعنی عقائد و قوانین وہی حقیقی ہدایت ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے یا سمجھتے ہو سب گمراہی ہے۔ لیکن اس علمِ حقانیت اور تصریح ہدایت کے بعد بھی بالفرض وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ سے وَلَا نَصِيْرٍ تک اگر آپ یا آپ کی اُمت کے لوگ ان گمراہوں کی گمراہی کی پیروی کریں گے اور ہوا پرستی کی طرف مائل ہو کر اتباعِ حق سے کنارہ کش ہوں گے تو پھر خدا سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کے پاس وحی اور دینِ حق آچکا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنے اہلِ کتاب ہونے پر ناز نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُس کو کما حقہٗ پڑھتے رہتے ہیں یہی لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ ع ۱۳

اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہی نقصان پانے والے ہیں

تفسیر درحقیقت اہلِ کتاب وہی ہیں جو اس کو عمدہ طور سے پڑھتے اُس پر عمل کرتے اور ایمان رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام، شاہ نجاشی کعب احبار اور صفا فرد رومی وغیرہ۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حق تلاوت یہ ہے کہ جب ایسی آیت پر پہنچے جس میں جنت کا ذکر ہے تو خدا تعالیٰ سے جنت کی خواستگاری کرے اور جب ایسی آیت پڑھے جس میں دوزخ کا ذکر ہے تو عذاب جہنم سے پناہ مانگے (ابن ابی حاتم) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس خدائے پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے حق تلاوت

toobaafoundation.com

یہ ہے کہ کتاب الٰہی کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھے اور جس طرح خدا تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اسی طرح پڑھے۔ کلمات کو اپنی جگہ سے تحریف کرکے اور ان کے صحیح معنی کی تاویل بھی نہ کرے۔ حضرت قتادہ، ابن عباس، سدی، حسن بصری، مکرمہ، عطاء، مجاہد، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی وغیرہ کا یہی قول ہے۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اور جو شخص اس قرآن کا انکار کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہونے والے اور نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ کیونکہ قرآن کے احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان اپنی کتاب پر بھی نہیں ہے۔ توریت و انجیل کی بشارت کی تصدیق کرتے ہوئے اُن کو قرآن کا انکار نہ کرنا چاہیئے تھا۔

مقصود بیان ہر گمراہ فرقہ یا شخص یہی چاہتا ہے کہ سیدھی راہ چلنے والا بھی ہماری راہ پر آجائے۔ ہدایت و ضلالت کے امتیاز کا معیار عقل نہیں بلکہ نقل ہے۔ جو چیز خدا کے نزدیک ہدایت ہے وہی ہدایت ہے اور جو روحانی تراشیدہ ہدایت ہے وہ گمراہی ہے۔ توریت و انجیل وغیرہ پر صحیح ایمان رکھنے سے قرآن پر ایمان لانا لازمی ضروری ہو جاتا ہے اور قرآن نے اسلام سے دیگر کتب سماویہ کا انکار بھی لازم آتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ

اے اولادِ یعقوب میرے اُس احسان کو یاد کرو جو میں تم پر کر چکا ہوں اور اس کو بھی یاد کرو کہ اُس زمانہ میں

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا

سارے جہان پر میں نے تم کو فوقیت عطا کی تھی اور اُس دن سے ڈرو جبکہ کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس کا

يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ سفارش کام آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی

تفسیر بقاعی وغیرہ مفسرین نے اس آیت کا ارتباط ماقبل سے اس طرح بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابتداء سورت میں بنی اسرائیل کی نعمتوں کی یاد دہانی کی تھی پھر درمیان میں اُن کے عیوب و بدکاریاں ظاہر کیں جس سے قصّہ کو طول ہو گیا۔ اب آخر میں پھر نعمتوں کی یاد دہانی فرماتا ہے۔ گویا بقول حرانی کلام کا آخر حصّہ ابتدائی حصّہ سے مرتبط ہو گیا۔ لیکن یہ تاویل دقیق ہے بلکہ امام ابن کثیر نے تحقیق کے بعد فرمایا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کو اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جو بنی اسمٰعیل میں ہیں جن کا ذکر توریت و انجیل وغیرہ میں آیا ہے اور اُن میں صفات کے حامل ہیں جو گذشتہ کتب الٰہی میں مذکور ہیں۔ لہٰذا تم بھی ان پر ایمان لاؤ کیونکہ اس میں تمہارے لیے بھی تو وہی نعمت ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جو میں تم کو عنایت کر چکا ہوں۔ میں نے تمہارے

toobaafoundation.com

اسلاف کو اُن کے تمام ہمعصر لوگوں پر فضیلت عطا کی تھی لہٰذا اُن نعمتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ شکر گذاری کے ساتھ محمدؐ پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ تمام انبیاء اور علماء ایمان لاچکے وہ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اُس کی رضامندی کے خواہاں تھے۔ پھر تم کیوں خدا کی نافرمانی کرتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہو۔ یہ خیال مت کرو کہ جو لوگ اپنے رب عزوجل کی خوشنودی کے خواستگار ہیں وہ نافرمانی کرنے والوں سے راضی ہوں گے یا سفارش کریں گے یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا۔ تم کو اُس دن کے عذاب سے ڈرنا چاہیے کہ کوئی شخص کسی کے ذرہ برابر کام نہ آئے گا۔ یہ نہ ہوسکے گا کہ تمہارا بار کوئی اور اپنے سر لیلے کیونکہ کوئی نفس خود مختار نہ ہوگا۔ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ اور نہ وہاں معاوضہ دے کر کسی کی خلاصی ممکن ہوگی۔ تم کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوچکا۔ اب ہم کو عذاب نہ ہوگا۔ قیامت کے دن کوئی معاوضہ مقبول نہ ہوگا۔ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ اور نہ کسی کی سفارش (کافروں کے لیے) مفید ہوگی۔ یعنی کافروں کی کوئی سفارش کرے گا ہی نہیں۔ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اور نہ خدا کے مقابلہ میں آکر زبردستی کوئی نجات دلاسکے گا۔ کسی کو مجال نہ ہوگی کہ کافروں کا مددگار بن سکے۔ جب چاروں ذرائع خلاصی و نجات کے کام نہ آئیں گے تو تمہارا یہ خیال کرلینا کہ ہمارے انبیاء و پیشوا ہم کو نجات دلادیں گے، بالکل غلط ہے۔ لہٰذا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا چاہیے تاکہ قیامت کے عذاب سے محفوظ رہ سکو۔

مقصودِ بیان ترغیب و ترہیب، لطیف پیرائے میں دعوتِ اسلام، حقانیتِ اسلام کی طرف دقیق ترین اشارہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے مالک مختار اور واحد قہار ہونے کی تصریح، کفار کے عدم نجات کا اظہار۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ

اور جب ابراہیمؑ کی ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمائش کی تو انھوں نے انکو پورا کردیا اللہ نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے

اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝

والا ہوں ابراہیمؑ نے کہا اور میری اولاد میں سے اللہ نے فرمایا میری نبوت ظالموں کو نہیں ملے گی۔

تفسیر یہود و نصاریٰ مدعی تھے کہ نبوت و علم ہمارا موروثی ہے۔ حاملِ رسالت صرف اولادِ اسحاق چلی آئی ہے۔ بنی اسماعیل میں کوئی نبی نہ مبعوث ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے اس لیے ہم اسماعیلی نبی پر ایمان نہیں لاسکتے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کی تردید گذشتہ آیات چند بہترین ثبوت کے ساتھ کردی۔ ترہیب و ترغیب، تذکیر و وعظ اور تکمیل دلائل کے ساتھ ساتھ دعوتِ اسلام دی۔ لیکن اب یہاں سے پارۂ صیقول تک تردید کا دوسرا طریقہ اختیار کیا جس کو تمام دنیا کی تاریخ داں اقوام تسلیم کرتی ہیں۔ وہ یہ کہ اسماعیل ہوں یا اسحاق دونوں ابراہیمؑ کے بیٹے تھے اور حضرت ابراہیم کی دعا سے ہی ان کو نبوت ملی تھی۔ اول درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کو ہی پیشوا اور امام بنایا گیا تھا۔ بعد کو یہ پیشوائی اُن کی اولاد میں بطور توارث جاری رہی۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی قبولیت اس شرط پر کی گئی تھی کہ نافرمان اور سرکش انسان پیشوا نہ ہوسکیں گے۔ لہٰذا فرزند اور خدا پرست انسانوں ہی کے لیے امامت و نبوت مخصوص رہی خواہ وہ اسماعیلی ہوں یا اسرائیلی سلسلۂ نسب کو کوئی دخل

toobaafoundation.com

نہیں ہے۔ سب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ الٰہی مکہ والوں کے لیے انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمانا۔ یہ دعا قبول ہوئی اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ وجود میں تشریف فرما ہوئے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں باوجود سرکشی اور طغیان کے انبیاء ہمیشہ بنتے چلے جائیں اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہر شخص باوجود خدا پرست اور مجسمۂ اخلاق ہونے کے خلعتِ نبوت سے محروم رہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل اگر تم کو اپنے نسب پر فخر ہے اور امتیازی شرف کے مدعی ہو تو اعمال کی بھی تو اصلاح کرو اور اپنے مورثِ اعلیٰ یعنی ابراہیمؑ کی طرف صحیح نسبت رکھنے کے لیے اُن کی توحید پر بھی تو قائم رہو اور اس واقعہ کو یاد کرو کہ جب پروردگار نے چند باتوں سے ابراہیمؑ کا امتحان لیا تھا اور ابراہیمؑ امتحان میں پورے اُترے تھے۔ وہ باتیں کیا تھیں جن سے حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا گیا۔ اس کے متعلق مختلف صحابہ کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور اس کی تائید حضرت عائشہؓ اور حسن بصریؒ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ بعض احکام تو طہارتِ روحانی سے متعلق تھے اور معرفتِ الٰہی اُن سے وابستہ تھی۔ مثلاً توحید، ایمان بالغیب، شمس و قمر اور دیگر ستاروں کی الوہیت سے رُوگردانی وغیرہ اور دس احکام طہارتِ جسمانی سے متعلق تھے۔ مونچھیں کتروانی، کلی کرنی، ناک صاف کرنی، مسواک کرنی، سر کے بالوں کی بیچ سے مانگ نکالنی، ناخن تراشنا، بغل کے بال اُکھاڑنے، موئے زیرناف کی اصلاح، ختنہ کرنا، پانی سے استنجا کرنا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا امتحان خدا تعالیٰ نے ایمان جان مال اور اولاد کے اعتبار سے لیا تھا جس کو حضرت ابراہیمؑ نے کامل طریقے پر پورا کیا۔ نمرود کے مقابلہ میں غیر اللہ کی پرواہ نہ کی۔ جوشِ توحید سے سرشار ہو کر والہانہ انداز میں آگ میں کود پڑے، نہ جان کا خوف، نہ دنیا و مافیہا کی طرف توجہ، ایمان کی آزمائش اس طرح پوری کی کہ محض ایمان بچانے کے لیے ترکِ وطن کیا۔ ہجرت کر کے ملکِ شام کو چلے گئے۔ مالی قربانی کی یہ شکل تھی کہ کل مال مہمان نوازی اور مسلم پروری میں لُٹا دیا اور بالآخر اولاد کو بھی راہِ خدا میں صرف خوشنودیٔ خدا کے حصول کے لیے قربان کر دیا۔ غرض حضرت ابراہیمؑ تو تمام رُوحانی و جسمانی قربانیوں میں پورے اُترے۔ اگر بنی اسرائیل بھی مدعی شرف ہیں تو ان کو بھی اپنے مورثِ اعلیٰ کی طرح امتحانِ الٰہی میں ثابت قدم رہ کر اپنے جدِ اعلیٰ کے اخلاق و اطوار اختیار کرنے چاہئیں۔ ورنہ صرف مسئلۂ نسب امتیازی شرف کا سبب نہیں بن سکتا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے اور مجاہد وغیرہ اس کے راوی ہیں کہ قوانینِ اسلام کے تین حصے ہیں۔ دس کا ذکر تو سورۂ برأت کی آیت اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الخ میں آیا ہے۔ اور دس کا بیان اول سورۂ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور سورۂ سَاَلَ سَائِلٌ میں ہے اور آخری دس کا تذکرہ سورۂ احزاب کی آیت اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ الخ میں آیا ہے اور ان سب کو حضرت ابراہیمؑ نے پورا کیا تھا۔

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا یعنی جب حضرت ابراہیمؑ خدا تعالیٰ کی آزمائش میں پورے اُترے تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا اور نبی بنا دوں گا۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا بہت اچھا لیکن میری نسل میں سے بھی امام و نبی بنائیے۔ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عہدِ نبوت و امامت ظالموں اور کافروں کو شامل نہیں ہو سکتا۔ کافر اور فاسق نبی نہیں ہو سکتا۔ خدا پرست، دیندار، فرمانبردار اور حاملانِ معرفت ہی انبیاء ہوں گے۔

مقصودِ بیان حضرت ابراہیمؑ کو آزمائش کے بعد نبوت کا مرتبہ ملا تھا۔ خاصانِ خدا کی سخت ترین آزمائشیں کی جاتی ہیں جو مراتبِ عظمیٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و اولیاء کو ملتے ہیں وہاں سب سبب و نسب کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ نبوت، امامت، ولایت کسی فاسق اور کافر کو نہیں مل سکتی خواہ اس کو کتنی ہی نسبی شرافت حاصل ہو۔ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ

اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کی زیارت گاہ بنایا اور امن کی جگہ بنایا اور (کہہ دیا کہ) مقام ابراہیم

مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

کو جائے نماز بنا لو

تفسیر یعنی اے اولادِ ابراہیم اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب ہم نے کعبہ کو مرجع خلائق اور تمام لوگوں کے لیے جائے امن بنا دیا تھا۔ خانۂ کعبہ سے مومنوں کی خواہش کبھی سیر نہیں ہوتی۔ جو آتے ہی لوٹ جاتے ہیں پھر شوق و جذب سے مجبور ہو کر والہانہ انداز میں رجوع کرتے ہیں (علی بن ابی طلحہ، ابن ابی حاتم، ابو العالیہ، عطاء، حسن وغیرہ) اور جائے امن ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ دورِ جاہلیت میں اطراف مکہ میں لوگ کشت و خون کرتے تھے لیکن مکہ والوں سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ اگر کوئی پردیسی آدمی کسی کو قتل کر کے حرم کے اندر آجاتا اور مقتول کا بیٹا اپنے باپ کے قاتل کو حرم کے اندر پا لیتا تب بھی جنبش نہیں کرتا تھا۔ قصاص لینا اور قتل کرنا تو درکنار۔ یہ تمام باتیں حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے اثرات ہیں لہٰذا اے اولادِ اسرائیل تم بھی اس بات سے نصیحت حاصل کرو اور اپنے محترم بزرگ کی پیروی کرو اور نبی آخر الزماں کی اطاعت کرو جو دینِ ابراہیمی کی دعوت دیتا ہے۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ حضرت عمر فاروق رضؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے حجۃ الوداع میں اس مقام پر سے گزرے جہاں کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل کے ساتھ مل کر خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تو عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا مقامِ ابراہیم یہی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہاں یہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو کیا حضور ہم اس کو نماز کی جگہ مقرر نہ کر لیں؟ اس وقت حضرت عمر رضؓ کی منشاء کے مطابق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی آخر الزماں کی اطاعت کرو جو دینِ ابراہیمی کی دعوت دیتا ہے اور مقامِ ابراہیم کو نماز کے لیے مقرر کر لو۔ ابن کثیر اور بیہقی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دورِ خلافت تک یہ پتھر جس کو مقامِ ابراہیم کہا جاتا ہے کعبہ سے متصل تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو سیلاب آیا اس سے یہ پتھر بہہ گیا۔ حضرت عمر رضؓ نے دوبارہ اس کو منگا کر کعبہ کے پاس ایک جگہ نصب کر دیا اور اس کے آس پاس پتھروں کی دیوار چُن دی۔ مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بنانے کے معنی ہیں کہ طوافِ کعبہ کے بعد دو رکعت نماز اس پتھر کے سامنے پڑھو اور بحالتِ مجبوری اس کے قریب پڑھ لو۔ یہ دو رکعتیں واجب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کی طرف رخ کر کے دو رکعتیں پڑھی تھیں۔

مقصودِ بیان سب کو طریقۂ ابراہیمی کا اتباع کرنا چاہیئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہی کعبہ کو تعمیر کیا تھا اور آپ نے ہی کعبہ کو مرجع خلائق اور جائے امن بنانے کی دعا کی تھی۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنی خوشی سے طبعزاد کعبہ کو تعمیر نہیں کیا تھا جس سے لوگ اعتراض کرنے لگیں کہ کعبہ کو جہت عبادت قرار دینا شرک کی علامت ہے۔ کعبہ بھی پتھروں کا ایک مکان ہے۔ اس مکان کو دیگر مکانوں پر کیوں امتیازی شرف حاصل ہے۔ بلکہ ابراہیم و اسماعیل نے ہمارے حکم کی تعمیل کی تھی۔ ہم نے ہی اُن کو تعمیر و طہارتِ کعبہ کا حکم دیا تھا اور۔

toobaafoundation.com

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ

اور ابراہیم و اسمٰعیل کو ہم نے حکم دے دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے

وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

والوں کے لیے پاک صاف کردو

تفسیر ہم نے ہی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو حکم دیا تھا کہ بیت العتیق کو جو ہمارا جلوہ گاہ خاص ہے طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لیے نجاست اور گندگی سے پاک صاف رکھو (تفسیر حسن بصری) یا بتوں سے پاک صاف رکھو (ابن عباس) یا بتوں سے، فحش کلام سے، کفر انگیز اور بہتان آمیز الفاظ سے پاک رکھو اور اس میں شرک نہ ہونے دو (مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ عبید بن عمیر، قتادہ وغیرہ) گویا دعا یہ ہے کہ نشانِ قدرت تو اس میں موجود ہی ہے کہ کوئی جانور بیٹ نہیں کرتا اور بدتمیزی کے ساتھ اوپر سے نہیں گزرتا۔ نشانِ شریعت بھی ہونا چاہیے۔ لہٰذا نجاستِ باطنی یا نجاستِ ظاہری کوئی کعبہ کے اندر نہ ہونی چاہیے۔ ہر کثافت سے کعبہ کو پاک رہنا چاہیے۔ شیخ ابن کثیر نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ طائفین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اطرافِ عالم سے زیارتِ بیت اللہ کے لیے جاتے ہیں یعنی غیر مکی لوگ طائفین سے مراد ہیں اور عاکفین سے اہلِ مکہ مراد ہیں۔

مقصود بیان کعبہ کے اندر سوائے عبادت، ریاضت، خدا پرستی اور تذکیر و وعظ کے دنیوی مشاغل ناجائز ہیں۔ کعبہ کو ہر قسم کی نجاست سے پاک صاف رکھنا چاہیے۔ نجاستِ اعتقادی یعنی شرک و کفر، نجاستِ اعمالی یعنی قتل، زنا، شراب خواری، لڑائی جھگڑا، فتنہ و فساد وغیرہ بداعمالیاں اور نجاستِ اقوالی یعنی تہمت، کذب، افترا، غیبت، فضول بکواس، فحش بیانی، کفر آمیز یا گناہ آفریں کلمات وغیرہ کی کعبہ کے اندر حرمت قطعی ہے۔ کعبہ کی طہارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ صرف شریعتِ محمدیہ میں ہی نہیں ہے۔ آیت سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ کفار کا داخلہ کعبہ کے اندر ممنوع ہے۔ کوئی غیر مسلم مجاز نہیں کہ تفریح کے لیے کعبہ کے اندر جائے یا تعمیر و اصلاح کے لیے داخل ہو۔ ایک لطیف ترین اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ مشرکین کعبہ کے اندر جو بت پرستی کی نجاست پھیلاتے ہیں یا یہود و نصاریٰ جو کعبہ کا حج و طواف کرتے ہیں یہ سراسر غلط ہے اور سنتِ ابراہیم بلکہ بنائے کعبہ کے مقتضا کے خلاف ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ

اور یاد کرو کہ جب ابراہیم نے کہا پروردگار اس کو امن کا شہر بنا دے اور یہاں کے رہنے والوں میں ان لوگوں کو

الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ

پھل عطا فرما جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں اللہ نے فرمایا اور جو منکر ہوگا

toobaafoundation.com

فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

اس کو بھی میں کچھ دنوں مزے اڑانے دوں گا اور بالآخر اس کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کروں گا اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

تفسیر گزشتہ آیات میں چند رسوم حج کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہاں سے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تمام برکت و سعادت اور رسوم طیبہ جن کا پہلے ذکر کیا گیا وہ ابراہیمؑ کی دعا سے ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ بنائے کعبہ سے فارغ ہوئے تو خداوند تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی تو نے گھر کو مرجع خلائق اور امن گاہ تو بنایا ہے۔ لیکن یہاں ایک شہر دارالامن بھی بنا دے تاکہ آنے والوں کے لیے ہر قسم کا آرام رہے اور تیرے اس گھر کی کافی نگہداشت بھی ہو سکے۔ وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اور یہاں کے رہنے والوں میں سے جن لوگوں کا ایمان خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور روزِ قیامت پر ہو ان کو (مادی اور روحانی) پھل عنایت فرما یہاں کے باشندوں کو رزق و روزی بھی عطا کر اور نبوت و امامت سے بھی سرفراز فرما) حضرت ابراہیمؑ نے کفار کے لیے رزق و روزی کی دعا نہیں کی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ میرا عہدِ نبوت کافروں کو نہیں پہونچے گا۔ اس فرمان سے حضرت ابراہیمؑ کو خیال ہوا کہ کافروں کے واسطے رزق کی بھی دعا کرنی خلافِ ادب ہے اور رزقِ الٰہی کا دروازہ یہاں کے کافروں کے لیے بھی بند ہے۔ لیکن چونکہ رزق مادی اور رزقِ روحانی میں فرق ہے۔ نبوت اور جسمانی پرورش کا سامان جدا جدا چیزیں ہیں۔ نبوت کا ہر شخص سزاوار نہیں ہو سکتا اور رزقِ الٰہی سے ہر نیک و بد فیضیاب ہوتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ کہ رزق روحانی یعنی نبوت و امامت و ولایت تو خاص خاص مومنوں کے لیے ہی مخصوص ہے لیکن حیاتِ جسمانی کے سرمایہ میں تمام دنیا شریک ہے خواہ کافر ہو یا مومن، نیک ہو یا بد روزی سب کو ملے گی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مومنین کو بہرہ اندوزی کا موقع ہمیشہ ملتا رہے گا اور کفار کو میں صرف اس دنیوی زندگانی میں جس کی مقدار قلیل ہے، مزہ اڑانے اور فیضِ عام سے بہرہ اندوز ہونے کی مہلت دوں گا۔ پھر کچھ زمانہ کے بعد مجبور کر کے دوزخ میں لے جاؤں گا جو نہایت خراب جگہ ہے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی یہ دعا قبول فرمائی۔ مکہ کو دارالامن بنایا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی کفارِ مکہ کے اندر کشت و خون نہیں کرتے تھے بلکہ اگر کوئی پردیسی مکہ سے باہر کسی کو قتل کر کے شہر کے اندر آجاتا تھا تو کوئی اس سے قصاص نہیں لے سکتا تھا اور رزق دینے کی یہ شان اختیار کی کہ مکہ جیسے خشک ریگستانی مقام میں طائف سے ہر قسم کا غلہ، میوہ، سبزیاں اور ارضی پیداوار کا ذخیرہ اہلِ مکہ کے لیے ہر وقت مہیا کرنے کا سامان درست فرما دیا۔ اگرچہ مکہ میں سبزیاں، میوہ جات اور دیگر قسم کی پیداواریں سے کوئی جنس نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ طائف کی سرزمین بہت سیر حاصل ہے اس لیے وہاں سے ہر قسم کی چیز کی درآمد کا سلسلہ جاری ہے۔ اب رہی رزقِ روحانی یعنی نبوت، امامت، ولایت وغیرہ کی دعا کی قبولیت تو اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ رسولِ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرح عالم میں کوئی نبی نہیں پیدا ہوا۔ صدیقِ اکبرؓ کی طرح صداقت و امامت میں کسی نبی کے جانشین کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔ فاروقِ اعظمؓ کی عدالت، امامت، نورِ قلبی اور کشفِ روحانی کی مثال صفحاتِ تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ذوالنورین کی حیا کس نبی کے مصاحب اور جوہری کو حاصل ہوئی۔ اسد اللہ کی شجاعت اور علم کے امتیازی پایہ کو کونسا عالم پہنچا۔ پھر دیگر اولیائے امت جن کی تعداد کروڑوں سے بھی متجاوز ہے سب آفتابِ فاران کے پرتو نہیں تو اور کیا ہیں۔ مزید برآں امتِ محمدیہ کو اشرف الامم اور شہید علی الناس بنایا گیا۔ یہ سب حضرت

toobaafoundation.com

ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی دعا کی تاثیر اور خداداد برکت وسعادت ہے۔

مقصودِ بیان دنیوی زندگی چند روزہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے خوانِ کرم سے کوئی محروم نہیں۔ کفر واسلام کو روزی میں دخل نہیں رزقِ روحانی صرف مومنین کو عطا ہوتا ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ

اور یاد کرو جب ابراہیم و اسمٰعیل کعبہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے (اور کہہ رہے تھے) اے ہمارے پروردگار!

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ

ہماری طرف سے اس کو قبول فرما بیشک تو سننے والا باخبر ہے اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری

ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ

اولاد میں سے ایک گروہ کو اپنا فرماں بردار بنا اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے دکھا اور ہم کو معاف فرما کیونکہ

اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

تو ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے

تفسیر یہاں سے لے کر چند آیات میں خدا تعالیٰ تعمیرِ کعبہ، حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی دعا، حج کے احکام، خاتم النبیین کی نبوت، اُمتِ مسلمہ کا شرف اور بعض دیگر امور کو لطیف پیرایہ میں بیان فرماتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کی دعا اپنی اولاد کے متعلق مجمل مذکور تھی یہاں اس کی تفصیل بیان کرنی مقصود ہے اور کعبہ کا ذکر بھی کچھ مختصر سا آیا تھا۔ اس کی بھی وضاحت مطلوب ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور حج وطواف وغیرہ کی شرعیت ثابت ہو جائے اور بنی اسرائیل کو حضور والا کی نبوت کا انکار اور کعبہ کو قبلہ بنانے پر طعن کرنے کا موقع باقی نہ رہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ اُس وقت کو یاد کرو جب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کعبہ کی دیواریں چُنتے جاتے تھے۔ یعنی ابراہیمؑ چُن رہے تھے اور اسمٰعیلؑ پتھر اور گارا اُٹھا کر دے رہے تھے۔ لیکن چونکہ نیک بندوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے اعمال کے غیر مقبول ہونے سے ڈرتے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ دونوں بزرگ بھی کعبہ بناتے ہیں نہایت عجز وانکساری سے دعا کرتے جاتے تھے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اے ہمارے رب! تو ہماری اس کوشش کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہماری دعاؤں کو خوب سُنتا ہے اور ہمارے دلی اخلاص کو خوب جانتا ہے۔ وہیب ابن الورد جب اس آیت کو پڑھتے تو روتے اور کہتے کہ خلیل اللہ علیہ السلام بیت اللہ کو تعمیر کرتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے ہیں کہ خدا یہ قبول نہ ہو (ابن ابی حاتم) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اے ہمارے رب ہم کو ہمیشہ اپنی فرمانبرداری پر قائم رکھیو اور ہمیشہ ہم کو

toobaafoundation.com

اپنی اطاعت گزاری اور فرماں پذیری کی توفیق عطا فرمائیو تاکہ تیری مرضی کے خلاف ہم سے کوئی فعل سرزد نہ ہو اور ہمارے بعد بھی ہماری اولاد میں اپنے فرمانبردار لوگ پیدا کیجیو۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ اور جو کچھ تو نے عبادت و حج کے قوانین مقرر کئے ہیں وہ بھی ہم کو تعلیم کر دے اور اگر ہم سے کوئی فروگذاشت ہو گئی ہو یا ہو جائے یا ہماری نسل کے جو قصور ہوں ان کو اپنے رحم سے معاف فرما دے، کیونکہ تو بڑا معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ یہاں اس لطیف نکتہ پر غور کرنا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ نے اولادِ اسمٰعیل میں سے ایک اُمتِ مسلمہ کے لیے کتنا اہتمام فرمایا۔ پہلے اپنے دو اولوالعزم پیغمبروں سے کعبہ بنوایا پھر اُن سے دعا کرائی اور چونکہ خانہ کعبہ کو تمام مساجد و مکانات پر شرف حاصل ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ جس اُمتِ مسلمہ کے لیے اس عظیم المنزلت مکان کی تعمیر کرائی گئی اس کا مرتبہ کیسا ہو گا اور صرف یہی نہیں ہے بلکہ حدیث میں بھی اس قسم کا مضمون آیا ہے اور باقی قرآن تو صاف الفاظ میں نہایت بلند آہنگی سے کہہ رہا ہے کہ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ پھر حیف ہے اُن یہودیوں، عیسائیوں اور پرستارانِ ہوا و ہوس پر کہ ایسے عظیم الشان والا مرتبت نبی کی نبوت سے انکار کرتے تھے اور ایسی شریف المنزلت اُمت میں داخل ہونا نہ چاہتے تھے اور ایسے عالی مرتبہ کعبہ کو قبلۂ نماز اور عبادت گاہ بنانے پر طعن و تشنیع کرتے تھے اور خدائے قدوس کے پاک مکان کو کفر و شرک، بت پرستی اور گناہوں کی نجاست سے آلودہ کرتے تھے۔

مقصود بیان کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہے۔ حضرت آدمؑ کا بنایا ہوا کعبہ گر گیا تھا اور نمود بھی اُس کی زمین میں دفن ہو چکی تھی۔ ہر عملِ خیر کے وقت بھی انسان کو خوف کرتے رہنا چاہئے کہ مبادا یہ عمل مردود ہو اور تمام کیا کرایا رائیگاں ہو جائے۔ بڑا سا بڑا عابد زاہد ہو یا کوئی ولی یا عالم یا امام سب کو تواضع، انکسار، فروتنی اور مسکینی اپنا شعار بنا لینا چاہیئے۔ کیونکہ کوئی شخص سوائے انبیاءؑ کے معصوم نہیں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ جیسے اولوالعزم انبیاء نے جو کہ صغائر و کبائر تمام گناہوں سے معصوم تھے اپنی انتہائی عجز و انکساری سے غفو لغزش کی دعا کی تو غیر معصوم انسان کس گنتی میں ہیں۔ انسان کو باوجود انتہائی نیکی کے ثبات و استقامت کی دعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ شیطان قوی ہے۔ ممکن ہے بہکا کر گمراہ کر دے اور توفیقِ خیر خدا تعالیٰ ہی کے دستِ قدرت میں ہے۔ لہٰذا استقامت کی دعا اسی سے کرنی لازم ہے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عبادت کے رسوم یا طریقے خدا ہی تعلیم کرنے والا ہے۔ کسی انسان کی عقل اس کی کفیل نہیں ہو سکتی۔ ان آیات میں تعلیم دعا کی طرف بھی ایک خاص اشارہ ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ دعا مانگنے سے پہلے اور دعا مانگنے کے درمیان میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا، اُس کے احسان کا اظہار، ربوبیت کا اقرار اور اپنی بندگی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ وغیرہ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

اے ہمارے پروردگار! اُن میں سے ہی ایک پیغمبر پیدا کرنا جو اُن کے سامنے تیری آیات پڑھے اور اُن کو کتاب و شریعت سکھائے

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۲۹

اور اُن کو (شرک سے) پاک صاف کرے بلاشبہ تو غالب و دانا ہے

toobaafoundation.com

تفسیر گزشتہ آیات میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمنی طور پر دعائے ابراہیمی میں دخل تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے صرف ایک اُمتِ مسلمہ کے لیے دعا کی تھی۔ اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ صراحتہً اپنی دعا میں حضورِ گرامی کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس امر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ کعبہ کی حفاظت اور نگہداشت اُمتِ مسلمہ کرے گی لیکن اُمتِ مسلمہ کو ضرورت ایک سردار کی ہوگی جو ہر طرح سے اس امتِ مرحومہ کی قیادت کرے گا اور تمام سعادات و برکات اسی کے چشمۂ فیض سے وابستہ ہوں گی۔ مطلب یہ ہے کہ الٰہی اُمتِ مسلمہ کے لیے ایک رسولؐ انہی میں سے مبعوث فرمانا اور یہ رسول نہایت عظیم الشان عالی مرتبہ ہو۔ اس کے اندر وہ اوصاف و اخلاق اور نورِ معارف موجود ہوں جس سے عام و خاص، جاہل و عالم، تاریک دماغ رکھنے والے اور نورِ فطری کے حامل سب یکساں فیضیاب ہوں اور ہر شخص اس کے چشمۂ فیض سے سیراب ہو۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ یعنی عام لوگوں کو تیری آیات اور مقدس کلام پڑھ کر سنائے۔ اُن کو شریعتِ الٰہیہ کے ظاہری احکام بتائے۔ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ یعنی جو لوگ عالم ہیں لیکن علماء میں ان کا مرتبہ امتیازی نہیں بلکہ عمومی ہے تو ایسے علماء کو وہ کتابِ مقدس کی تعلیم دے، احکام اور اوامر بتائے، فروع و اصول سے واقف کرے اور دلائلِ توحید و نبوت سمجھائے۔ وَالْحِكْمَةَ یعنی جو لوگ علماء میں امتیازی شرف رکھتے ہیں، قوتِ اجتہاد کے مالک ہیں، علمی تبحر اور وسعتِ معارف کی وجہ سے صرف احکام و ادلہ کا علم ان کے لیے سرِ کُن نہیں ہے بلکہ ان کو اسرار و حقائق کی ضرورت ہے تو ایسے لوگوں کو وہ اسرارِ شریعت کی تعلیم دے، حقائق و معارفِ الٰہیہ بتائے۔ رموزِ کتاب سے واقف کرے۔ وَیُزَكِّیْهِمْ یہ مرتبہ خاصانِ خاص کا ہے۔ اولیائے اُمت ہی اس مرتبہ سے سرفراز ہیں۔ اُن کے نفوسِ قدسیہ ہمہ ہمہ کمالاتِ نبوت کا آئینہ ہیں، جن کے اندر نورِ نبوت چمکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ نبی روشن روح رکھنے والوں کے تزکیہ کا بھی سبب ہو۔ اُن کے آئینۂ دل میں اپنی روحانی تعلیم کے پانی سے تمام سیاہی اور زنگ دور کر کے اپنے فیوضِ قدس اور نورِ رسالت سے اُن کو منور کر دے۔

مقصودِ بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور تمام اُمتِ اسلامیہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کا نتیجہ ہے۔ امتِ اسلامیہ میں چار طبقات ہیں۔ عام، خاص، خاص الخاص، اخص الخاص۔ عام کی ہدایت کے لیے صرف معجزات اور ظاہری آیاتِ قرآنیہ اور فرامینِ نبویہ مخصوص ہیں۔ خاص کی ہدایت کے لیے احکام اولہ فروع و اصول، دلائلِ توحید و براہینِ رسالت کا علم ضروری ہے۔ خاص الخاص کے افادہ کے لیے اسرارِ شریعت، حقائق و معارف اور رموز کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ اخص الخاص میں تخلیہ رذائل اور تحلیہ بالفضائل کا مادّہ تو موجود ہی ہوتا ہے۔ ان کی روحیں سعید اور دل مادۂ ہدایت سے لبریز ہوتے ہیں۔ لیکن تخلیہ کے بعد ان کے قلوب کی صفائی اور تجلیہ و تزکیہ کی بھی احتیاج ہے اور یہ سب کام جس حسن و خوبی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیئے وہ عالم النظیر ہیں۔ حضور اعلا اشرف المخلوقات اشرف الانبیاء اور خاتم النبیین ہوئے۔ سچ ہے۔ كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ آیت میں ایک لطیف تلمیح اس طرف بھی ہے کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ ہر مرتبہ کو طے کر کے اوپر والے درجہ میں پہنچنے کی کوشش کرے تاکہ انتہا پر پہنچ کر کمالاتِ محمدیہ کا مکمل آئینہ اور مجسمۂ اخلاق بن جائے۔ اسی لیے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ

اور ابراہیمؑ کے طریقے سے کون منہ پھیر سکتا ہے سوائے اُن کے جس کی خود عقل جاتی رہی ہو کیونکہ بلاشبہ

اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

ہم نے اُن کو دنیا میں بھی منتخب کرلیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوں (کے زمرہ) میں ہوں گے۔

تفسیر حضرت عبداللہ بن سلام نے جو یہودی عالم تھے اور یہودیت چھوڑ کر حضورؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے مسلمان ہو چکے تھے۔ اپنے دونوں بھتیجوں سلمان اور مہاجر کو بُلا کر کہا کہ بچو ذرا تورات دیکھو۔ اس میں اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ اِنِّیْ باعثٌ من وُلد اسمٰعیل نبیًا اسمہ احمد فمن امن بہ فقد اھتدٰی ورشد ومن لا یؤمن بہ فھو ملعونٌ یعنی میں اسمٰعیل کی اولاد میں سے ایک نبی پیدا کروں گا جس کا نام احمد ہوگا۔ جو اس پر ایمان لائے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو کفر کرے گا اس پر خدا کی پھٹکار۔ مہربان چچا کا یہ کلام سُن کر سلمان تو مسلمان ہو گئے لیکن مہاجر نے انکار کیا اور نہ مانا۔ اس کے بارے میں آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔

گذشتہ آیت میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دُعا نقل کی گئی تھی اور وہ دعا قبول بھی ہوئی اور رسول اللہ صلعم دنیا میں تشریف بھی لائے۔ تعلیم قرآن، تبلیغ سنت اور تزکیۂ نفوس بھی کیا، اعلانِ توحید اور استیصالِ شرک بھی کیا اور یہ تمام باتیں بعینہٖ ملتِ ابراہیمی میں موجود تھیں، تو گویا حضورِ اقدس نے ملتِ ابراہیمی کی تجدید کی۔ لہٰذا جو شخص شریعتِ اسلامیہ کا منکر ہے وہ ملتِ ابراہیمی کا منکر ہے اور ملتِ ابراہیمی چونکہ دوامی ہے۔ کوئی سلیم عقل رکھنے والا اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ملتِ ابراہیم یعنی توحیدِ الٰہی تزکیۂ نفوس، تعلیم اخلاق، تبلیغ احکامِ الٰہی وغیرہ سے وہی شخص انکار و اعراض کرتا ہے جو نادان ہو، احمق ہو، اپنے نفس کو بھی پہچانتا ہو کہ ہر نفس مخلوق ہے اور خدا اس کا خالق ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنی خلوقیت اور خدا کی خالقیت پہچان لے گا وہ کس طرح کفر و شرک کر سکتا ہے۔ حاصل یہ کہ کافر و مشرک خصوصًا یہود و نصاریٰ ملتِ ابراہیمی سے بدرجہ ہی خارج ہیں۔ کیونکہ اس سے زیادہ اور حماقت کیا ہو سکتی ہے کہ مسیحؑ یا عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہا جائے۔ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ یہ گزشتہ کی علت ہے۔ یعنی ملتِ ابراہیمی حق ہے اور اس کا حکم استمراری ہے۔ اس سے کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ابراہیمؑ کو خدا تعالیٰ نے دنیا میں سرفراز کیا تھا، نبوت و خُلّت کا مرتبہ عطا کیا تھا اور ان کی اولاد میں ہمیشہ نبوت قائم رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور آخرت میں تو ان کو اپنی مخصوص نعمتوں کے لیے منتخب کر ہی لیا ہے۔ پھر ایسے اولوالعزم اور ذریتِ ان نبی کی ملت سے کون ذی ہوش اعراض کر سکتا

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَوَصّٰى بِهَآ

جب اُن کے رب نے اُن سے کہا کہ فرمانبردار بن جاؤ تو انھوں نے کہا کہ میں رب العالمین کا فرماں بردار ہو گیا اور ابراہیمؑ نے اپنے

اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا

بیٹوں کو بھی اسی کی وصیت کی تھی اور یعقوبؑ نے بھی کہ اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند کیا ہے لہٰذا

toobaafoundation.com

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

حالتِ اسلام کے علاوہ اور کسی حالت پر نہ مرنا

تفسیر اِذْ قَالَ لَهٗ سے لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تک۔ یہ گزشتہ آیت کی علت ہے۔ یعنی ہم نے ابراہیم کو اتنی عزت و کرامت کیوں عطا کی تھی اس لیے کہ جب ہم نے اس سے کہا کہ توحیدِ خالص کو اختیار کر اور خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری پر قائم رہ تو اس نے فقط یہی نہیں کہا کہ اچھا بلکہ نہایت خوشی سے کہا کہ میں نے اپنا تن من دھن اپنے رب العلمین کے سپرد کیا۔ میں اس کی رضا پر راضی اور اس کے احکام کے سامنے اپنا سر تسلیم جھکاتا ہوں اور فقط اتنا ہی نہیں کہ خود توحیدِ الٰہی اور احکامِ خداوندی کو تسلیم کیا۔ بلکہ وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ابراہیمؑ نے اور اس کی اولاد میں سے یعقوب نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کر دی کہ اسی ملتِ توحید پر قائم رہنا کیونکہ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اے بچو خدا نے تمہارے لیے اسی دین و ملت کو منتخب فرمایا ہے۔ توحیدِ الٰہی، تہذیب اخلاق، ادائے حقوق اور کفر و شرک سے بیزاری کو تمہارا دین قرار دیا ہے۔ لہٰذا مرتے مرتے بھی تم مسلمان رہنا اور اپنا جان و مال خدا تعالیٰ کے سپرد کر کے اسی کے احکام کے پابند رہنا۔ حضرت ابراہیمؑ کے آٹھ بیٹے تھے۔ اسمٰعیلؑ، اسحاق، مدین، مان، زمران، یقان، لاسباق یا شیق اور شوخ یا سوخ۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ روبن، شمعون یا سمعون، لاوی، یہودا، ریلون یا ریالون، یشجر، جاد، دان، نفتالی، آشر، یوسف، بنیامین۔ (خازن)

مقصودِ بیان ملتِ ابراہیمی دوامی ہے۔ یعنی اس کے اصول توحیدِ باری، تزکیۂ نفس، ادائے حقوق، اقامتِ عدل وغیرہ لازوال اور غیر قابلِ نسخ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ہمیشہ انہی کی اولاد میں نبوت رہی۔ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں تمام انبیاء ہوئے۔ صرف رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے نبی بنا کر بھیجے گئے۔ دینِ ابراہیمی بدیہی اور مسلم الثبوت ہے۔ بصیرت آنکھیں رکھنے والے اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ جو شخص اپنے نفس سے جاہل ہو اس کو وجودِ باری اور توحیدِ خداوندی کا علم قطعاً نہیں ہو سکتا اور جو اپنے نفس کو جانتا ہے اپنی مخلوقیت حدوثِ امکان، احتیاج اور فنا سے واقف ہے۔ وہ ضرور خدا کے خالقِ قدیم واجب مستغنی اور باقی ہونے کا قائل ہوگا اور یہی ملتِ ابراہیمی کا بنیادی پتھر ہے۔ خدا تعالیٰ بے محل اپنی نبوت کسی کو نہیں دیتا۔ پیغمبروں میں برداشت رسالت کی استعداد ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے علمِ ازلی میں ان کی قابلیت اور معلومیت ثابت ہوتی ہے اس لیے ان کو پیغمبر بناتا ہے۔ ملتِ ابراہیمی بلکہ دینِ الٰہی کا اصل منشا یہی ہے کہ اپنا تن من دھن گویا اپنا کل سراپا اور محبوب ترین چیزیں خوشنودیٔ الٰہی کے حصول کے لیے قربان کر دی جائیں۔ یہی شریعتِ اسلامی کی تعلیم ہے۔ عالم اور عارف باللہ کے لیے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ خود اپنے اعتقاد و اعمال کی اصلاح کر لے اور اپنی کشتی بچا کر لے جائے۔ بلکہ اپنے متعلقین خصوصاً اولاد کو بھی اوامر و نواہی پر پابند رہنے کی نصیحت کرے۔ ایمان و اسلام درحقیقت وقتِ آخر کا ہی قابلِ اعتبار ہے۔ ورنہ تمام عمر مسلمان رہ کر مرتے وقت کافر بن جانا موجبِ وبال ہے۔ وغیرہ

یہودیوں نے جب حضرت یعقوبؑ کا ذکر سنا تو حضورِ اقدسؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ابوالقاسم آپ کو علم بھی ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے مرنے کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی۔ انھوں نے وفات کے وقت اپنی ساری اولاد کو بلا کر کہا تھا کہ تم اپنے مذہب یہودیت کو ہرگز نہ چھوڑنا یہودی رہنا۔ پھر ہم آپ کے کہنے میں آ کر ان کی وصیت کی کس طرح مخالفت کر سکتے ہیں۔ اس وقت آیت مندرجہ ذیل اَمْ كُنْتُمْ

toobaafoundation.com

شُهَدَآءَ سے وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ تک نازل ہوئی۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا

کیا تم لوگ اس وقت موجود تھے کہ جب یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد

تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ

کس کی پرستش کروگے ؟ بیٹوں نے جواب دیا ہم تمہارے باپ تمہارے باپ دادا ابراہیمؑ

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

واسمٰعیل واسحٰق کے معبود خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اسی کے ہم فرمانبردار ہیں

تفسیر خدا تعالیٰ اس آیت میں یہود کے اس قول کی تردید فرماتا ہے کہ یعقوبؑ نے وفات کے بعد اپنے بیٹوں کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اور فرماتا ہے کہ تم کو کیا معلوم کہ یعقوبؑ نے مرتے وقت اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی۔ کیا تم اپنی وفات کے وقت وہاں موجود تھے۔ تم لوگ نہ اس زمانہ میں موجود تھے اور کوئی طریقہ صحیح علم کا تمہارے پاس ہے، نہ توریت میں اس کا بیان ہے۔ پھر تم کو یہ کہاں سے خبر ہوئی۔ بات یہ تھی کہ یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ میرے بعد تم کس کی پرستش کروگے ؟ بیٹوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے اور آپ کے اسلاف یعنی ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور اسمٰعیلؑ کے معبود کی پرستش کریں گے۔ جس کی آپ اور آپ کے اہل اسلام پرستش کرتے تھے۔ وہی ہمارا بھی معبود ہے۔ کیونکہ وہی قابل پرستش خدائے واحد و یگانہ ہے اور ہم تو اسی پر ایمان لا چکے ہیں۔ ہمارا اخلاص اسی کے لیے ہے۔ اور جان و مال اسی کے لیے مخصوص ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو وصیت کرنے کی ضرورت اس واسطے پڑی اور یہ سوال و جواب کا سلسلہ اس لیے قائم کیا کہ اس زمانہ میں حضرت یعقوبؑ مصر میں وارد تھے وہیں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ مصر کے بادشاہ کے علاوہ عام قبطی کافر تھے۔ اس لیے حضرت یعقوبؑ کو اپنی اولاد کی طرف سے بھی خطرہ ہوا کہ کہیں صحبت بد کی وجہ سے یہ بھی غیر اللہ کی پرستش نہ کرنے لگیں۔ لڑکے اس خطرہ کو سمجھ گئے اور اطمینان دلانے کے لیے نہایت صفائی سے کہہ دیا کہ ہم اسلام پر قائم رہیں گے۔

آیات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہودیو ! تم اس زمانہ میں موجود نہ تھے جب اسرائیل کا انتقال ہوا۔ نہ تمہارا یہ یہودی مذہب تھا۔ تم تو موسیٰؑ کے زمانہ میں ہوئے اور تمہارا مذہب بھی موسیٰؑ کے زمانہ سے شروع ہوا۔ پھر تمہارا یہ کہنا کہ یعقوبؑ نے یہودی رہنے کی اولاد کو وصیت کی تھی، بالکل غلط ہے۔ یعقوبؑ نے تو صرف اخلاص توحید اور شرک و کفر سے محترز رہنے کی وصیت کی تھی اور یہی محمد صلعم تم کو تعلیم دیتے ہیں۔ پھر تم دین اسلام سے کیوں اشکال کرتے ہو۔ یہ تمہارے مورث اعلیٰ یعنی اسرائیل کی وصیت کے موافق ہے۔

مقصود بیان اولاد پر شفقت اور اُن کی بہی خواہی مسلمانوں کا فرض ہے۔ خصوصاً دینی سعادت اور عاقبت کی فلاح کے ذرائع اختیار کرنے کی نصیحت کرنی تو لازمی ہے۔ یہی سنت انبیاء ہے۔ پرستش غیر اللہ حرام ہے۔ صحبت بد

toobaafoundation.com

ہر شخص کے خراب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ کسی متقی عالم کا بیٹا ہو یا زاہد عابد ولی اللہ کا پیرزادہ یا کوئی نبی زادہ۔ انسان کو پہلے توحید ذات، تنزیہ صفات کے مدارج طے کرنے چاہئیں اور پھر رضا و تسلیم کے مرتبہ میں پہنچ کر فنا ارادہ کی صفت اختیار کرنی چاہیے۔ جس طرح حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے پہلے توحید کا اقرار کیا اور بعد کو وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ کہہ دیا۔ وغیرہ

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ

یہ تو ایک جماعت تھی سو گذر گئی جو اُس نے کمایا اس کے ہی لیے مفید تھا جو تم کماؤ وہ تمہارے ہی لیے مفید ہے

وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

تم سے اُن کے اعمال کی کچھ باز پرس نہ ہوگی

تفسیر جب حضرت ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی مذکورۂ بالا آیات میں مدح کی گئی اور خداوند تعالیٰ نے اُن کے مدارجِ عالیہ اور اعمالِ صالحہ کا بیان فرمایا تو یہودی اپنی جہالت سے دعویٰ کرنے لگے کہ یہ لوگ ہمارے باپ دادا ہیں ہمارے گناہ دنیا عاصیاں قابلِ مواخذہ نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ اسلاف اور ان کے نمایاں کارنامے ہماری نجات کے لیے کافی ہیں۔ اس دعویٰ کی تردید کے لیے خدا تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ یہ اُمت تو گذر گئی جو کام انھوں نے کیے اُس کے فوائد منافع تو انہی کے لیے مخصوص ہیں۔ تم کو ان کے نتائج اعمال سے کیا سروکار۔ تم نے جو کچھ کیا اس کا فائدہ تمہارے لیے مخصوص ہوگا۔ اگر تم نے اپنے اعمال میں رضائے الٰہی کا وسیلہ پایا ہے تو اپنے اسلاف کے ساتھ ملائے جاؤ گے ورنہ تم کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ تم کو ان پر تکیہ اور بھروسہ کر کے کفر و شرک اور فسق و فجور میں مبتلا نہ ہونا چاہیے اور تم سے اُن کے اعمال کی بھی باز پرس نہ ہوگی۔ یعنی تم کو نہ ان کی نیکیوں سے کوئی فائدہ پہنچے گا نہ وہ تمہاری بدکاریوں کے ذمہ دار ہوں گے بلکہ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا کفیل ہوگا۔ کافر کا کوئی ساتھی نہ ہوگا۔ الغرض نجات کا مدار ایمان و توحید پر ہے۔ جو لوگ اسلام و توحید سے غافل ہو کر کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ ہرگز مغفور نہیں اور نہ نیکیوں سے اُن کی کوئی وابستگی قائم رہ سکتی ہے۔

مقصودِ بیان کل آیات سے غرض یہ ہے کہ مومن احمق نہیں ہوتا۔ اگرچہ دنیوی معاملات میں بعض لوگ نافہم ہوں اور کافر کفر پر رہتے ہوئے عقلمند نہیں ہوتا۔ اگرچہ دنیوی امور میں اس کی عقل تیز ہو۔ جو شخص ملتِ ابراہیمی کی اقتدا کرنی چاہے اس میں مندرجہ ذیل امور ہونے لازم ہیں۔ غیرِ حق سے لگاؤ بالکل چھوڑ دے۔ جو چیز حق سے مانع ہو اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ امر قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ نفسِ سرکش سے بقوتِ تمام مقابلہ کرے تاکہ اس کو مغلوب کرلے اور اس کے ضرر سے محفوظ رہے۔ خلقِ خدا پر شفقت کرے اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ صداقت، ہمدردی اور انصاف کا برتاؤ کرے۔ آیاتِ قدرت میں غور و خوض کر کے مصنوعات سے صانع کی خالقیت قدرت احاطۂ علمی اور ارادہ کاملہ پر استدلال کرے۔ اپنے تمام مرغوبات اور خواہشاتِ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ترک کر دے۔ مال، جان، عیش آرام سب راہِ خدا میں قربان کر دے۔ کورانہ تقلید اور اندھا عقیدہ ہرگز نہ رکھے۔ اپنے اسلاف کے کارناموں پر تکیہ کر کے اعمالِ صالحہ سے

toobaafoundation.com

فاضل، دین جائے۔ صحبت بد کے اثر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ اور امر و نواہی کا پابند ہو جائے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنالے اور بالآخر توحید محض اور وحدت صرف کے دریائے بے پایاں میں غرق ہو جائے تاکہ فنا کے مرتبہ سے نکل کر بقا کے مرتبہ میں پہنچ جائے یہی ملت ابراہیمی کے اصول تھے اور یہی شریعت اسلامیہ کا اصل نقطۂ نظر ہے۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا

اور کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو راہ راست پاؤ گے (اے محمد) تم کہدو نہیں ہم تو ابراہیم کے طریقہ پر چلینگے جو حق کی طرف مائل تھے

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

تفسیر معالم التنزیل میں بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ نجران یمن کے نصاریٰ اور مدینہ کے یہودی مثلاً کعب بن اشرف، مالک بن عیف، وہب بن یہود اور ابو یاسر بن اخطب وغیرہ میں باہم مخاصمہ ہوا۔ ہر ایک اپنی حقانیت کا دعویدار ہوا۔ ہر فریق نے دوسرے کی تکفیر کی۔ ابن صوریا کہنے لگا کہ ہم لوگ جس مذہب پر ہیں اس کے سوا تمام مذاہب کی بنا گمراہی پر ہے۔ یہی شخص صابہ سے کہنے لگا کہ تم بھی ہمارے ہی مذہب کو مانو تو ہدایت پاؤ گے۔ اسی طرح نجران کے عیسائی بھی کہنے لگے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی بن جاؤ۔ یعنی یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی بن جاؤ تو تم راہ راست پر آجاؤ گے اس کی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول تم کہہ دو کہ ہم نہ یہودیوں کا اتباع کر سکتے ہیں نہ عیسائیوں کا۔ ان دونوں فریقوں نے اپنی اپنی ملت کو بگاڑ رکھا ہے۔ اصول مسائل اور بنیادی مباحث میں انھوں نے تحریف کر ڈالی، عقائد خراب کر لیے۔ توحید کی بجائے تثنیہ اور تثلیث کے قائل ہو گئے۔ ہم صرف ملت ابراہیم کا اتباع کرتے ہیں۔ ابراہیم کی ملت کے اصول و مبانی کے ہم پیرو ہیں اور عقائد میں بھی ان ہی سے متفق ہیں کیونکہ ابراہیم نے باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کر لیا تھا۔ غیر اللہ کی پرستش سے منہ موڑ لیا تھا۔ ابراہیم مشرک نہ تھے۔ لہٰذا عقائد اور اصول احکام میں ہم انہی سے متفق ہیں اور تم ان کی ملت حنیف سے خارج ہو۔ تم توحید شرک انیز یا شرک توحید آمیز کے قائل ہو۔ اس لیے ہم تمہارے مذہب کا اقتداء نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اصل مدعا کا اظہار کرتا ہے اور مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے اصول ایمان کی تبلیغ فرماتا ہے۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ

(مسلمانو) تم کہہ دو ہم تو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور ان احکام پر جو ابراہیم اسمٰعیل

toobaafoundation.com

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ

اسحٰقؑ یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب پر اُتارے گئے اور اُس کتاب پر جو موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کو

النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ

اُن کے رب کی طرف سے دی گئی ہم ان میں سے کسی ایک کی بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ ہی کے

مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ

فرمانبردار ہیں اب اگر وہ تمہارا سا ایمان لے آویں تو بلاشبہ راہِ حق پر آگئے اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

انحراف کریں تو سمجھ لیں یہ صرف ضد کی وجہ سے کرتے ہیں عنقریب اُن پر اللہ تمہارا انتقام لے گا کیونکہ وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے

تفسیر قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ یعنی اے مسلمانو! تم کہہ دو کہ ہم نے خدا کو مان لیا۔ بیشک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہمارا اور تمام عالم کا رب ہے۔ اپنی ذات و صفات میں حق ہے۔ خالق رازق اور مخلوق کو ضرر یا نفع پہنچانے والا ہے۔ وہی اعمال کا حساب کتاب لینے والا اور ان پر جزا سزا دینے والا ہے۔ نہ کوئی اس کا بیٹا ہے نہ وہ کسی کی اولاد۔ نہ اس کا کوئی سہیم ہے نہ مثل وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور ہم نے اس چیز کو بھی مان لیا اور دل سے سچ جانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی خفی یا وحی جلی کے ذریعہ نازل کی گئی ہے۔ یعنی قرآن و حدیث پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اور ہم کو اُن صحیفوں پر بھی یقین ہے جو حضرت ابراہیم پر نازل کئے گئے تھے اور پھر اسماعیل اسحاق یعقوب اور یعقوب کی نسل پر بھی یعنی مؤخر الذکر تمام انبیاء اور اُن کی اولاد سب صحف ابراہیمی پر عمل کرنے کے لیے مکلف بنائی گئی تھی۔ ہمارا ان سب پر ایمان ہے۔ شیخ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ پر دس صحیفے نازل کئے گئے تھے۔ شیخ ابن کثیر بروایت ابوالعالیہ و ربیع و قتادہ کہتے ہیں کہ اسباط سبط کی جمع ہے۔ اسباط سے مراد حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے اور اُن کی نسل ہے کیونکہ حضرت یعقوبؑ کے ہر بیٹے کی اولاد میں ایک کثیر گروہ ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ انبیاء پر جو کچھ خدا نے نازل فرمایا ہمارا سب پر یقین و ایمان ہے۔ اور خصوصاً وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حضرت موسیٰ و عیسیٰ کو جو توریت و انجیل عطا کی گئی تھی ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ کتابیں آسمانی تھیں۔ خدا تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے ان کو عطا کی تھیں اور یہ پیغمبر برحق تھے اور فقط اتنا ہی نہیں بلکہ وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ خدا تعالیٰ کے تمام پیغمبروں کو حق جانتے ہیں خواہ ان کا ذکر آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ چاہے ان کے نام بھی ہم کو معلوم نہ ہوں۔ لیکن ہم مجمل طریقہ پر سب پر ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب خدا کے فرستادے اور معصوم تھے۔ مبلغین راہبر تھے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ہم ان انبیاء میں سے کسی کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کو مانیں اور دوسرے کو نہ مانیں۔ ایک کا اقرار اور دوسرے کی تکفیر کریں، ایک کو سچا اور دوسرے کو جھوٹا جانیں۔ ہم کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کی تکذیب نہیں کرتے۔ سب اپنے اپنے زمانہ میں حق پر تھے اور ان کی شریعت اسی زمانہ میں واجب العمل

toobaafoundation.com

تھی۔ حضرت معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ حضور اطہر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ توریت، انجیل اور زبور پر ایمان لاؤ، لیکن قرآن مجید تمہارے لیے (عمل کے واسطے) کافی ہے (رواہ ابن حاتم) وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ الوہیت خالص خدا تعالیٰ کے واسطے ہے۔ اسی نے تمام انبیاء کو اعلانِ توحید کے لیے بھیجا مابقیہ احکام عملی میں اپنی حکمت و مشیت کے موافق ہر زمانہ میں اختلاف کر دیا تو اس لیے ہمارا مقصود حقیقی تو خدا تعالیٰ کی اطاعت گذاری خالص فرمانبرداری رضا و تسلیم اور اسی کے احکام کی تعمیل ہے۔ ہم اسی کے مخلص و مطیع ہیں۔ اس نے جس زمانہ میں جیسا چاہا حکم دیا۔ ہم کو سب پر ایمان و یقین ہے فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا اب اگر یہ یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرک و کافر اس چیز پر ایمان لے آئیں جس پر تمہارا ایمان ہے۔ تمام انبیاء کو حق جانیں۔ کسی میں باہم تفریق نہ کریں۔ تمام کتبِ الٰہیہ پر یقین رکھیں۔ قرآن کو سچا جانیں اور محمدؐ کو برحق مانیں، کفر و شرک اور تثنیہ و تثلیث کے قائل نہ ہوں تو یہ بھی یقیناً راہِ راست پر ہو جائیں گے۔ معالم اور تبیان میں بیان کیا ہے کہ ابن عباسؓ کی یہی قرأت ہے اور ابن مسعودؓ کی قرأت میں بھی یہی معنی آئے ہیں۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ اور اگر یہ لوگ اس بات سے اعراض اور روگردانی کریں۔ تمام انبیاء اور کتبِ الٰہیہ کو حق نہ جانیں۔ کسی کا اقرار اور کسی کی تکفیر کریں۔ قرآن کو سچا اور محمدؐ کو برحق نہ جانیں تو یہ درحقیقت مخالف ہی ہیں۔ حق کی مخالفت کرتے ہیں اور صداقت کے دشمن ہیں۔ راہِ مستقیم کو چھوڑ کر کوئی فرقہ کجراہی میں کسی سمت اور شق کو چل رہا ہے اور کوئی کسی سمت کو فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ خدا تعالیٰ عنقریب تم کو ان پر فتح عطا فرمائے گا۔ کیونکہ تمہارے الفاظ اور دعاؤں کو سنتا اور افعال و ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تمہاری کوشش رائیگاں نہ جائے گی اور تمہاری قولی فعلی اور قلبی سعی برباد نہ ہوگی۔ اس آیت میں مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے اور کامیابی کی پیشین گوئی کی ہے۔ چنانچہ تھوڑی مدت کے بعد ہی یہ وعدہ پورا کیا گیا۔ ہجرت کے تیسرے سال فرقہ بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا اور ملک شام کی جانب نکال دیا گیا اور ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ احتزاب سے فراغت پاکر ہتھیار بھی نہ کھولے تھے کہ بنو قریظہ پر جہاد کا حکم ہوا اور تمام یہودی سوائے عورتوں اور بچوں کے مارے گئے اور پھر نجران کے عیسائی بھی مطیع ہو گئے۔

مقصود بیان

یہودیت اور عیسائیت (دونوں سیدھے راستے نہیں ہیں اور نہ نجات و سعادت کے کفیل ہونے کے اہل ہیں۔ بلکہ ملتِ ابراہیمی ہی ہدایت کا راستہ اور صراطِ مستقیم ہے۔ مسلمان ملتِ ابراہیمی کا اتباع صرف دو امور میں کرتے ہیں (۱) اصولِ احکام اور قواعد و مبانی یعنی جو اصولِ اعمال اور قواعدِ احکام حضرت ابراہیمؑ کے مذہب میں تھے وہی شریعتِ اسلامیہ میں ہیں۔ اس کی طرف لفظ ملۃ اور حنیف سے ایک بلیغ اشارہ کیا گیا ہے (۲) عقائد و ایمان یعنی توحید ذات و صفات اقرارِ قیامت و بعثت جسمانی حساب کتاب، جنت و دوزخ، عذاب ثواب، تمام انبیاء کی تصدیق وغیرہ یہ عقائد بھی ملتِ اسلامیہ کے ہیں۔ لہٰذا دینِ ابراہیمی اور مذہبِ اسلام باہم متحد و متفق ہیں۔ رہا فروعی اختلاف تو یہ ہر زمانہ اور اہلِ زمانہ کے مصالح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہوتا رہا ہے اس سے اصول میں اختلاف لازم نہیں آتا۔ مسلمان پر لازم ہے کہ جن انبیاء کا تذکرہ قرآن یا حدیث میں آگیا ہے ان کی تصدیق تو تفصیلاً کرے اور جن کا تذکرہ نہیں آیا ہے ان کی صداقت پر اجمالی ایمان رکھے۔ ایک نبی کی تکفیر بھی تمام انبیاء کی تکفیر ہے۔ آیت میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء اور کتبِ الٰہیہ پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے سے اصل غرض خدا تعالیٰ کی اطاعت گذاری فرمانبرداری ہے۔ اسی کے احکام کی تعمیل میں اپنا جان مال اولاد تمام اندرونی اور بیرونی قویٰ عقل شہوت اور غضب کو صرف کرنا مقصود ہے۔ نشست و برخاست، خورد و نوش، خواب و بیداری، زندگی اور موت اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہونی چاہیے۔ ہر حالت اور ہر وقت

toobaafoundation.com

میں وہی ایک خیال پیش نظر رہنا چاہیئے۔ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ اسی مضمون کی طرف ایماء ہے آیت کے آخر ٹکڑے میں یہود و نصاریٰ کو تہدید و وعید اور مسلمانوں کی کامیابی و نصرت کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَّنَحْنُ

(تم کہدو) ہم نے تو اللہ کا رنگ لے لیا اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے اور ہم تو اُسی کی

لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝

عبادت کرتے ہیں

تفسیر عیسائیوں کا دستور تھا کہ لڑکے کے یوم ولادت سے ساتویں روز اُس کو زرد پانی سے نہلاتے تھے اور ایک رنگین حوض میں غوطہ دیتے تھے۔ اس پانی کو معمودیہ کہتے تھے اور اب بھی یہ بپتسمہ کرنے کی رسم جاری ہے۔ عیسائی اس فعل کو نجات و حصولِ سعادت کا ذریعہ جانتے تھے۔ خدا تعالیٰ آیتِ مذکورہ میں اس کی تردید کرتا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ تو ایک رسم کی پابندی ہے اور بیہودہ ہے۔ زرد رنگ رنگا تو کیا اور سُرخ رنگ رنگا جب کیا سب لاحاصل ہے۔ اصل رنگ تو مقدس دین اور اللہ کی شریعت ہے۔ جس کو اللہ کا رنگا ہوا رنگ کہنا چاہیئے۔ اس مبارک اور پاک رنگ سے بہتر اور کونسا رنگ ہو سکتا ہے۔ ظاہری رنگ سے کپڑا وغیرہ رنگ جاتا ہے اور اس خدائی رنگ سے روح و دل رنگین ہو جاتا ہے۔ اطاعت و توحید کا اثر مسلمان کے رنگ و پے اور رونگٹے رونگٹے میں سرایت کر جاتا ہے اور مسلمان کا ریشہ ریشہ اُسی کی عبادت میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ یہ رنگ حقیقی ہے جو نجات و سعادت کا کفیل ہو سکتا ہے اور اس سے بے چین روحوں کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ باقی دنیا کے دیگر رنگ دل اور روح کو رنگین نہیں کر سکتے۔

مقصودِ بیان مسلمان کے ریشے ریشے اور رونگٹے رونگٹے میں محبتِ الٰہی پیوست ہونی چاہیئے اور اس کے بدن و روح کا ذرہ ذرہ عبادتِ الٰہی میں سرگرم رہنا چاہیئے سوائے خدائے قدوس کے کسی کو لائق پرستش نہ سمجھا جائے، دنیا کا ہر کام اور ہر شغل اور ہر خیال محض رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہونا چاہیئے ظاہر پرستی بے وقعت چیز ہے۔ یہ طریقہ نجات ہے نہ طریقہ سعادت۔ مسلمان اور کافر کی ظاہری شکل اگرچہ ایک سی ہے۔ لیکن مسلمان کا باطن اس رنگ فطری سے رنگین ہو جاتا ہے جو ہر وقت اس کو نقطۂ توحید سے سرشار رکھتا ہے۔ خداوند تعالیٰ ظاہری شکلوں کو نہیں دیکھتا بلکہ نیت و عمل کو دیکھتا ہے۔ وغیرہ۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

(اے محمد) کہہ دو کیا اللہ کے دین میں ہم سے حجت کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ہمارے کرتوت ہمارے لیے ہیں اور تمہارے کرتوت تمہارے لیے

toobaafoundation.com

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

اور ہم تو اُسی کے لیے خالص ہیں کیا تم اس کے قائل ہو کہ ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ

و یعقوب اور اولادِ یعقوب یہودی یا عیسائی تھے (اے محمدؐ) کہہ دو کیا تم (زیادہ) واقف ہو یا اللہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

اور اس سے بڑھ کر ناحق کوش کون ہے کہ جس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہی ہو اور وہ اس کو چھپائے اور خدا تمہارے اعمال سے

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا

بے خبر نہیں ہے وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی اس کے کرتوت اس کے لیے تھے اور تمہارے کرتوت

كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع ۱۲/۱۶

تمہارے لیے تم سے ان کے اعمال کی باز پرس نہ ہو گی۔

تفسیر قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ ابن السنت نے معالم میں اور سیوطی نے تکملہ میں اس آیت کی شانِ نزول یہ تحریر کی ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم کو کتاب الٰہی یعنی تورات تم سے پہلے ملی ہے اور ہمارا قبلہ یعنی بیت المقدس بھی تمہارے قبلہ سے سابق ہے اور ہمیں لوگوں میں انبیاء ہوتے چلے آئے ہیں۔ عرب میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوتے تو ہمیں سے ہوتے۔ بنی اسماعیل میں سے نہ ہوتے۔ یہود کے اس خیال کی تردید خدا تعالیٰ پوری آیت میں کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے بنی! تم ان سے دریافت کرو کہ تم جو نبوت کو اپنی میراث سمجھے ہوئے ہو اور کہتے ہو کہ نبی اسرائیلی ہی ہونا چاہیے اس کی کیا وجہ اور کیا ثبوت ہے۔ تم فضلِ خدا اور رحمتِ الٰہی کو اپنے لیے مخصوص سمجھتے ہو۔ یہ کیوں۔ کیا تمہارا خدا سے کوئی رشتہ ہے کہ سوائے تمہاری قوم کے کہیں نبی نہ ہو یا تمہارے اعمال و افعال تم کو نبوت کا مستحق قرار دیے ہوئے ہیں۔ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ خدا کا تم سے کوئی رشتہ یا تعلقِ خصوصی ہے جس نے تم کو مخصوص طور پر حاملِ نبوت بنا دیا ہے اور ہم اس تعلق سے محروم ہیں۔ اس لیے ہم میں کوئی نبی نہیں ہو سکتا تو تمہارا یہ گمان غلط ہے۔ خدا جس طرح تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے۔ اس کا کسی مخلوق سے رشتہ نہیں۔ اُس کے نزدیک بحیثیت مخلوق ہونے کے سب بندے برابر ہیں۔ وہ سب کا خالق، محسن، رازق اور پروردگار ہے جس طرح چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے فضل و رحمت سے برگزیدہ فرما دیتا ہے۔ لہٰذا تمام بندے جب اس کی مخلوق ہیں تو سب اسی کے فضل کے امیدوار ہیں۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ تمہارے اعمال و افعال ایسے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ تم کو حاملِ نبوت بناتے ہیں تو تمہارے

toobaafoundation.com

لیے تمہارے اعمال مفید ہیں اور ہمارے لیے ہمارے اعمال۔ ہم امیدوار ہیں کہ اگر اس کے فضل و رحمت سے ہمارے اعمال مقبول ہوں تو وہ اپنی رحمت سے ہم کو سرفراز فرمائے اور چونکہ تم نے راہِ مستقیم کو چھوڑ دیا۔ تمہاری اطاعت میں اخلاص اور عقائد میں توحید نہ رہی۔ ظاہر پرستی میں مبتلا ہو کر تم اپنے عقائد و اعمال خراب کر چکے اور ہم اُسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں جانتے، نہ اعتقاد میں، نہ اعمال میں۔ پھر تم نے کیوں نبوت کو اپنی میراث سمجھ لیا اور رسالتِ الٰہی کو اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ حاصل یہ ہے کہ رحمتِ الٰہی میں ہم تم دونوں مشترک ہیں اور اعمال میں ہم تم سے بہتر ہیں۔ ہمارے اعمال شرک سے پاک ہیں اور تم توحید شرک آمیز کے قائل ہو۔ ہمارے اعمال میں خلوص و بندگی اور تمہارے اعمال میں ظاہر پرستی۔ پھر کیوں بنی اسرائیل میں نبی ہو اور بنی اسماعیل میں نہ ہو اور فقط یہی نہیں کہ تم ہماری ہدایت اور حقانیت ہی کے منکر ہو۔ بلکہ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تم تو ظاہر حق کے بھی منکر ہو اور ایسی باتیں کرتے ہو جو عقل و نقل کے مخالف ہیں، نہ روایت سے ان کی صحت ثابت ہو سکتی ہے نہ درایت سے تم قائل ہو کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی تمام نسل یا یہودی تھے یا عیسائی۔ یعنی یہودی کہتے ہیں کہ یہ سب حضرات یہودی تھے۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہ سب عیسائی تھے اور تم سے جب اس کا ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو کہتے ہو کہ ہم کو اس کا بخوبی علم ہے اور یہ تمام گروہ اسلاف ہم کو نجات دلا دے گا تو قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ اے رسولؐ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ خدا زیادہ عالم ہے، یا تم اور یہ تو یقینی امر ہے کہ خدا ازلی عالم ہے۔ اس لیے اُس نے جو فرمایا ہے وہی حق ہے کہ ابراہیمؑ اور مذکورہ تمام انبیاء موحد تھے۔ یہودیت اور نصرانیت تو مدتوں بعد کو پیدا ہوئی اور آخر میں جب یہودیت و عیسائیت میں لوگ تعصب کرنے لگے، فسق و فجور میں پڑ گئے۔ دین کو ایک کھیل بنا لیا۔ تمام راہِ حق اور معارفِ توحید مٹ گئے تو خدا نے اپنے برگزیدہ نبی کو مبعوث فرمایا اور اس کی بشارتیں پہلے ہی سے توراۃ و انجیل اور دیگر صحف میں دے دیں۔ تم توریت وغیرہ میں پڑھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔ یعنی وہ خاص توحید جس پر ابراہیمؑ تھے اور تم پڑھتے تھے کہ خاتم الانبیاء کے یہ اوصاف و شرف اور یہ حلیہ ہے۔ لیکن تم اس واضح شہادت کو چھپاتے ہو۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ اس شخص سے زیادہ ناحق کوش اور ظالم کون ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس کے پاس کوئی شہادت واقعی ہو اور وہ اس کا اظہار نہ کرے اور خصوصاً ایسے عظیم الشان رسول اور ایسی والا مرتبت اُمت کے متعلق شہادت جو افضل الخلق ہے اور جس پر کہ حصولِ نجات موقوف ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ تم کو اس بات پر نازاں نہ ہونا چاہیئے کہ ابراہیم و اسماعیل وغیرہ ہمارے اسلاف تھے وہ ہم کو عذاب سے ہر حالت میں بچا لیں گے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ تمہارے اعمال اور کرتوت سے غافل نہیں ہے۔ وہ خوب دیکھتا سنتا اور جانتا ہے۔ تم کو تمہارے اعمال کی ضرور سزا دے گا اور گزشتہ انبیاء و صلحاء کے اعمال و افعال تمہارے لیے سودمند نہ ہوں گے۔ دین میں نسب کو دخل نہیں ہے۔ اپنی اپنی کرنی اور اپنی اپنی بھرنی۔ جس شخص کو اس کے اعمال جنت میں نہ لے جائیں گے اس کو اس کا نسب آگے نہ بڑھا سکے گا۔

مقصودِ بیان

خدا کا کسی سے کوئی خاص رشتہ اور خصوصی تعلق نہیں۔ جو شخص خدا کے سامنے عجز و نیاز اور دلی اخلاص سے پیش آتا ہے وہی محبوب اور رحمتِ الٰہی کا مستحق ہے۔ دین حق درحقیقت اسلام ہے۔ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی نسل والے یہودی اور عیسائی نہ تھے، بلکہ خالص موحد اور مسلم تھے۔ ان حضرات کا اسلام اور ہماری شریعت

toobaafoundation.com

اسلامیہ دونوں متحد ہیں۔ تورات، انجیل، زبور و صحف ابراہیم اور دیگر پیغام ہائے الٰہی میں رسول اقدس ﷺ اور حضور کی امت کے متعلق پیشین گوئیاں موجود تھیں اور باوجود ترمیم و تغیر کے اب بھی موجود ہیں۔ شہادتِ حق کا چھپانا حرام ہے کسی کو دوسرے کے اعمال نجات نہیں دلا سکتے۔ نہ ایک کا عمل دوسرے کو سود مند ہے۔

TOOBAAFOUNDATION.COM

toobaafoundation.com

CHOICE OF EVERY WOMAN !

Gold Plated JEWELLERY

ACID & WEATHER PROOF

سونے کا ورق چڑھے ہوئے گولڈ پلیٹڈ نگینہ والے اور سادہ

حسین و دلکش زیورات

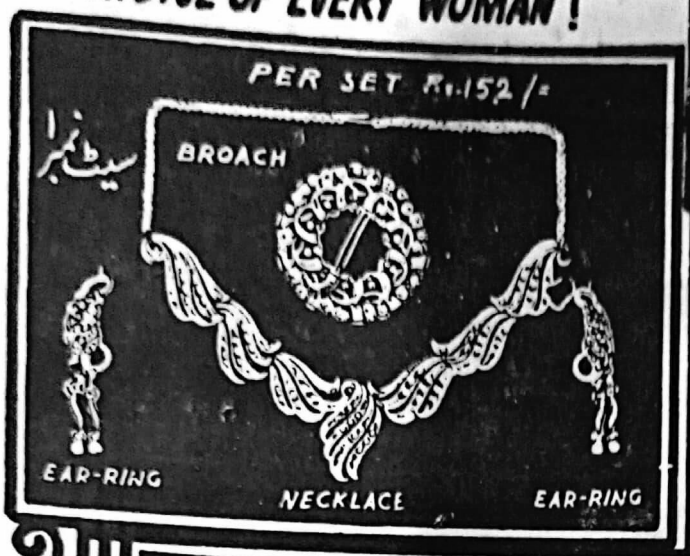

ان مضبوط، دلآویز، فیشن ایبل اور بالکل موڈرن، پسندیدہ زیورات کے سیٹوں کی جاذبیت آپ کا من موہ لے گی۔ دن کی روشنی میں یہ زیورات اس طرح چمکتے دمکتے ہیں جیسے سورج کی کرنوں میں سونا۔ بجلی کی روشنی میں رات کو ایمی ٹیشن پکھراج کا جڑاؤ کام بڑی آن بان اور شان پیدا کرتا ہے۔ یوں دیکھنے میں یہ سیٹ ہزار روپے سے کم کا معلوم نہیں ہوتا۔ ان کی رونق دیرپا ہے زیورات بیحد مضبوط بنے ہیں، نزاکت اور باریکی بڑی پُرکشش اور نظر نواز ہے، مخملی ڈبوں میں بہ احتیاط بھیجے جا سکتے ہیں۔ محصول بہرصورت بذمہ خریدار آرڈر آنے پر ذریعہ وی پی بھیجدیئے جائیں گے۔

مکمل سیٹ نمبر ۱/۱۵۲ روپے، مکمل سیٹ نمبر ۲/۱۵۵ روپے، مکمل سیٹ نمبر ۳/۱۵۰ روپے۔

چوڑیاں فی درجن ۴۰ روپے علاوہ محصول -/۱۰

کڑانی جوڑ -/۲۰ روپے

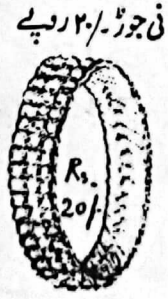

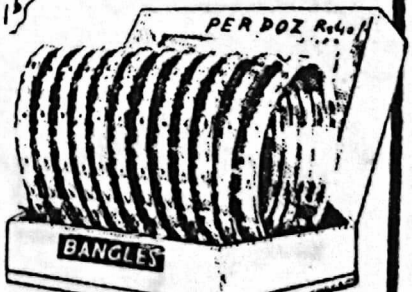

GAZALA JEWELLERY MUSEUM Jama Masjid P.BOX 2010 DELHI.

toobaafoundation.com